میں محبت اور تم

سباس گل



نام کتاب	....	میں، محبت اور تم
مصنفہ	....	سُباس گُل
ناشر	....	گل فراز احمد
		علم و عرفان پبلشرز، لاہور
مطبع	....	زاہدہ نوید پرنٹرز، لاہور
کمپوزنگ	....	انیس احمد
سن اشاعت	....	جون2008ء
قیمت	....	200/= روپے

☆......ملنے کے پتے......☆

علم و عرفان پبلشرز

40۔اُردو بازار، الحمد مارکیٹ، لاہور

فون: 7352332-7232336

سیونتھ سکائی پبلیکیشنز

غزنی سٹریٹ الحمد مارکیٹ 40۔اُردو بازار لاہور

فون: 7223584 موبائل: 0300-4125230

انتساب!

پیارے ابوّ جان

اور

پیاری امیّ جان

کی بے لوث و بے رِیا

محبتوں اور دُعاؤں

کے

نام!

''محبت کے خالص رنگوں کی تخلیق کار سُباس گُل''

سُباس گُل کا شمار ہمارے معاشرے میں محبت کے حقیقی رنگوں کو زیرِ قلم لا کر، زندگی کی تلخ حقیقتوں کی نقاب کشائی نہایت عمدگی سے کرنے والی چند ادبی شخصیات میں ہوتا ہے۔

سُباس محبت کو اِس کائنات کا سب سے بڑا وہ طاقت ور ہتھیار مانتی ہے جس کو دسترس میں لے کر معاشرے کے بڑے سے بڑے مسئلے کو بہت آسانی سے حل کیا جا سکتا ہے۔

عام سے گھرانے میں جنم لینے والی یہ قلم کارہ اِس لحاظ سے خاصی بدقسمت ثابت ہوئی ہے کہ اس کے موتیوں جڑے الفاظ ملک کے ممتاز پرچوں میں وہ جگہ نہیں پا سکے جو اس کا حق ہے مگر اس کے باوجود سُباس اپنے گداز الفاظ کے جادو سے اپنے ہزاروں قارئین کے دلوں پر بڑے طمطراق سے راج کرتی دکھائی دیتی ہے۔

سُباس کی روشن اور خوش رنگ تحریروں میں چھلکتے محبت کے رومانوی رنگ قاری کو بے ساختہ اپنے سحر میں جکڑ لیتے ہیں۔ میری ذاتی خواہش اور دعویٰ ہے کہ اگر سُباس کو آگے بڑھنے کیلئے حوصلہ افزائی کا پلیٹ فارم مہیا کیا جائے تو یہ محبت کی دیوی بہت جلد نامور لکھاریوں میں اپنا مقام بنا کر بڑے بڑے ڈائجسٹوں کی پہچان کا باعث بن سکتی ہے۔

''میں، محبت اور تم'' بھی اِس کا ایک نہایت خوبصورت اور دل کو موہ لینے والا ناول ہے جو اپنی ہر ہر سطر میں آپ کیلئے دلچسپی کا نیا انداز اپنائے ہوئے ہے۔

میری تمام تر محبتیں، کوششیں اور دعائیں ہمیشہ سُباس کی کامیابیوں میں اس کے ساتھ رہی ہیں اور تادمِ زیست رہیں گی! اور مجھے یہ فخر بھی ہمیشہ حاصل رہے گا کہ اس سادہ دل پیاری لڑکی کو اس خاکسار نے کتابی دنیا میں پہچان بنانے کیلئے علم و عرفان پبلشرز سے متعارف کروایا اور سُباس

اس لحاظ سے بھی خوش قسمت ہے کہ اس کا پہلا ناول ملک کا ممتاز اور مایہ ناز ادارہ ''علم و عرفان پبلشرز'' شائع کرنے کا اہتمام کر رہا ہے، انشاء اللہ یہ سفر جاری رہا تو ضرور ہزاروں کامیابیاں مستقبل قریب میں سُباس کے قدم چومیں گی۔

آخر میں خلوصِ دل سے اللہ رب العزت کے حضور دعا گو ہوں کہ وہ سُباس کو بہت جلد محبتوں اور کامرانیوں کے اُس مقام تک پہنچا دے جو اِس محنتی، جفاکش اور بہادر لڑکی کا حق ہے۔
(آمین)

(محبت اندر دُعائیں)

نازیہ کنول نازی
ناول نگار
23 مارچ 2008ء

محبت، آرزوئیں، خواہشات اور خواب

بے ترتیب زندگی کے کئی رنگ ہوتے ہیں۔ صبح کا رنگ، کجلائی ہوئی شام میں ڈھلتا ہے پھر یہ شام اُجالوں میں بدل جاتی ہے۔ اس طرح روز و شب میں وقوع پذیر ہوتے حالات کا رنگ بھی بدلتا رہتا ہے، جو کبھی شوخ اور کبھی مدھم پڑ جاتا ہے۔ تخلیق کار اس زندگی سے رنگ سمیٹ کر قرطاس پر قلم سے بکھیر دیتا ہے، اور پھر ایک نئی تصویر اُبھر آتی ہے۔ سُباس گُل بھی ایک ایسی ہی تخلیق کار ہے۔ جس کے جہانِ زندگی کے کئی روپ ہیں۔ وہ معاشرے کے بیشتر پہلوؤں کو بڑی خوبصورتی سے رقم کرتی ہیں۔ اِس کی تحریروں میں محبت، آرزوئیں، خواہشات اور خواب بڑے خوبصورت انداز میں جنم لیتے ہیں۔ وہ ماحول کی عکاسی بڑی خوبصورتی سے کرتی ہیں، کہ سانس لیتے کردار حقیقی زندگی سے ربط جوڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔

زیرِ نظر ''تم ایسی شرارت مت کرنا'' میں یہ خصوصیات نمایاں نظر آتی ہیں۔

(فوزیہ شفیق)
مدیرہ خصوصی، ماہنامہ حنا، لاہور

میں محبت اور تم

اپنا تو چاہتوں میں یہی اِک اُصول ہے
جب تُو قبول ہے تو تیرا سب قبول ہے
یہ عمر بھر کا جاگنا بے کار ہی نہ جائے
گر تُو نہیں ملی تو ریاضت فضول ہے

"بیگم نفیس آج پھر یہاں آئی تھیں؟" ریاض الحق نے گھر میں داخل ہوتے ہی بیوی سے پوچھ گچھ شروع کر دی۔

"جی آئی تھیں...... انہوں نے تو ہماری دہلیز ہی پکڑ لی ہے۔" سلمیٰ بیگم نے کہا۔

"آخر وہ چاہتی کیا ہیں؟"

"اپنے بیٹے انیس احمد کے لئے ہماری بیٹی ثنا کا رشتہ چاہتی ہیں۔"

"میں نے پہلی ملاقات میں ہی اس عورت پر واضح کر دیا تھا کہ ثنا کی منگنی میں نے اپنے بھتیجے خرم سے کر دی ہے اور آئندہ چند ہفتوں میں ان دونوں کی شادی ہو جائے گی۔ پھر یہ عورت دستِ سوال دراز کئے یہاں چلی آتی ہے۔ تم اسے دوٹوک الفاظ میں جواب کیوں نہیں دیتیں؟" ریاض الحق نے قدرے برہمی سے کہا۔

"میں تو بیگم نفیس کو سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں مگر ان کی ایک ہی رٹ ہے کہ میرے انیس کی دلہن تو ثنا ہی بنے گی۔ ان کا کہنا ہے کہ ثنا کی منگنی ہی تو ہوئی ہے کون سا نکاح ہوا ہے جو توڑا نہ جا سکے۔" سلمیٰ بیگم نے تفصیل سنجیدگی سے بتائی۔

"دماغ خراب ہے اس کا عورت۔ آئندہ وہ مجھے یہاں نظر نہ آئے ورنہ میں اس کی

دولت اور امارت کا رعب مٹی میں ملا دوں گا۔'' ریاض الحق نے غصے سے سُرخ ہوتے ہوئے کہا۔

''ریاض! آپ غصے میں آنے کی بجائے ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچیں تو آپ کو اپنی ثنا کے لئے یہ رشتہ خدا کا انعام دکھائی دے گا۔ انیس کو آپ نے دیکھا بھی ہے۔ ماشاء اللہ چندے آفتاب چندے ماہتاب ہے اور خرم سے کہیں زیادہ تعلیم یافتہ اور معاشی طور پر اس سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ خرم بیس ہزار ماہوار کما رہا ہے اور انیس ایک کامیاب بزنس مین ہے۔ ہر ماہ بیس تیس لاکھ اس کی جیب میں آتے ہیں۔ آپ ذرا غور کریں تو تین بار تو بیگم نفیس آ کر سوال کر گئی ہیں۔ میں نے اُن سے کہا بھی کہ ثنا کی تو منگنی ہو چکی ہے۔ آپ ندا کو اپنی بہو بنا لیں مگر وہ تو ثنا کے لئے ضد کرتی رہیں۔ اتنے اونچے امیر اور معزز گھرانے میں ہماری بیٹی بیاہی جائے گی تو ہماری ہی ناک اونچی ہوگی نا۔ آپ تو خواہ مخواہ کی ضد کر رہے ہیں۔'' سلمٰی بیگم نے سنجیدگی مگر نرمی سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''خواہ مخواہ کی ضد، تم چاہتی ہو کہ میں ثنا کو انیس سے بیاہ دوں اور اپنے بھائی بھاوج سے بگاڑ لوں۔ ان سے رشتہ توڑ لوں۔ سلمٰی بیگم اگر ثنا کی منگنی میرے بھتیجے کی بجائے تمہارے بھتیجے سے طے ہوئی ہوتی تب میں دیکھتا کہ تم کیسے یہ بات کرتی ہو؟'' وہ غصے سے بولے۔

''ریاض! میں ثنا کی ماں ہوں۔ اپنی بیٹی کا بھلا ہی چاہتی ہوں۔ اگر میرا بھتیجا ثنا کا منگیتر ہوتا تو میں اس رشتے کو قبول کر کے ثنا کی اس سے منگنی توڑ دیتی اور اگر میرے بھائی کے گھر والے ندا کے لئے مان جاتے تو میں بھتیجے سے ندا کو بیاہ دیتی۔ اولاد کی بھلائی اور اس کے بہتر مستقبل کے بارے میں سوچنا والدین کا فرض ہوتا ہے۔ اس لئے سچی بات ہے مجھے تو انیس کا رشتہ دل سے قبول ہے اگر آپ اپنی ضد چھوڑ دیں تو......''

''بس...... میرا یہ آخری فیصلہ ہے۔ اس گھر میں وہی ہوگا جو میں چاہوں گا اور ویسے بھی دو سال ہو چکے ہیں ثنا اور خرم کی منگنی کو اور اتنے عرصے میں دونوں کے ذہنوں اور دلوں میں ایک دوسرے کے لئے محبت اور پسندیدگی کے جذبات پیدا ہو چکے ہوں گے۔ ان کے خوابوں کو چکنا چور کر کے کون سا سکھ پا سکو گی تم۔ اب اگر وہ عورت یہاں آئے تو اسے صاف صاف کہہ دینا کہ دوبارہ یہاں کا رُخ نہ کرے۔ میں آج ہی نرگس کو فون کر کے بلواتا ہوں اور ثنا اور خرم کی شادی کی تاریخ طے کر کے ہی دم لوں گا۔ مذاق بنا رکھا ہے تم لوگوں نے رشتوں کو۔'' ریاض الحق نے غصیلے اور درشت لہجے میں کہتے ہوئے اپنے کمرے کا رُخ کیا تو سلمٰی بیگم تاسف سے آہ بھر کر رہ گئیں۔

''کاش! انیس کا رشتہ دو سال پہلے آ گیا ہوتا۔'' سلمٰی بیگم نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا تو جو ماں باپ کی ساری گفتگو اپنے کمرے کے دروازے سے کان لگائے کھڑی سن چکی تھی گہری

سانس لے کر کرسی پہ ڈھے گئی۔

''انیس احمد بندہ تو بہت ڈیشنگ ہے لیکن میری آنکھوں نے خرم کے خواب سجا رکھے ہیں۔ شکر ہے ابو نے میرے خواب ٹوٹنے سے بچا لئے اور خرم وہ تو کہتا ہے کہ ثنا تمہاری جدائی کا تصور ہی میری روح کھینچنے لگتا ہے۔ تم تو میری سانسوں میں بسی ہو۔ تم ہو تو یہ سانس کا سفر جاری ہے تمہارے بغیر تو میری سانس بھی رُک رُک جاتی ہے۔''

خرم کا جذبوں کی شدت سے پُر لہجہ اس کی سماعتوں میں گونجا تو وہ ہنس پڑی۔

''پگلا کہیں کا۔''

''کہیں کا نہیں پگلا یہاں کا بلکہ پگلا تمہیں کا۔''

اسی وقت خرم اس کے کمرے میں داخل ہوا اور اس کی بات سن کر شرارت سے بولا۔

''توبہ تم تو پورے شیطان ہو۔ ابھی یاد کیا ابھی حاضر۔''

''شیطان کی بجائے اگر میری جان کہہ دیتیں تو تمہارے جذبوں کی شدت میں کمی آ جاتی کیا؟'' وہ مصنوعی خفگی سے بولا۔ اونچا لمبا بھرا بھرا جسم براؤن آنکھیں اور گندمی رنگت والا خرم شبیر اس کی آنکھوں میں سما رہا تھا۔

''نہیں لیکن ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے۔'' وہ شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے بولی تو شوخ و شریر لہجے میں گویا ہوا۔

''چلو وقت بھی جلد آنے والا ہے۔ ہم تھوڑا سا جبر اور کیے لیتے ہیں۔ پھر تو ہم تم ہوں گے، بادل ہوگا، رقص میں سارا جنگل ہوگا ہم تم......''

''اچھا اب منہ بند کرو اور جاؤ یہاں سے مجھے پیپر کی تیاری کرنے دو۔'' وہ ہنس کر کتاب اٹھاتے ہوئے بولی۔

''لڑکیاں تو یہ سب سننے کے لئے ترستی ہیں ایک تم ہو۔''

''جو لڑکیاں یہ سننے کے لئے ترستی ہیں نا، تم جا کر انہیں سناؤ۔ مجھے کوئی شوق نہیں یہ سب سننے کا۔'' وہ تنک کر بولی۔

''اچھا جی! ٹھیک ہے جا رہا ہوں پھر نہ کہنا کہ کیوں کسی زلف کے تم اسیر ہوئے۔'' وہ شوخی سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میری بلا سے ہو جاؤ۔ تمہاری محبت کی حقیقت بھی کھل جائے گی مجھ پر۔''

''پھر تم کیا کرو گی؟''

"میرے لئے رشتوں کی کمی تھوڑی ہے، تُو نہیں اور سہی اور نہیں اور سہی۔ ایک چھوڑوں تو ہزار مل جائیں گے مجھے، تم اپنی خیر مناؤ۔" وہ بھی اتراتے ہوئے شوخ و شریر لہجے میں بولی تو وہ ہنس پڑا۔

"ثنا! مذاق کی حد تک تو مجھے یہ بات گوارہ ہے مگر درحقیقت میں تمہیں اپنے سوا کسی اور کا ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکوں گا۔ تمہیں تو یقیناً ہزار رشتے مل جائیں گے لیکن مجھے پھر تمہارے جیسی کوئی دوسری نہیں ملے گی۔ تم نہیں تو جینا نہیں۔ تم میری ہو صرف میری، زندگی کے ہر نشیب و فراز میں تم مجھے اپنے ساتھ پاؤ گی۔ میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ میں رہے گا۔ میری زندگی کے سارے سُکھ تم سے عبارت ہیں ثنا۔" وہ اس کے ہاتھ تھام کر اُسے والہانہ پن سے دیکھتے ہوئے بولا تو وہ حیا سے گلنار ہوگئی۔ دل خوشی سے جھومنے لگا۔

"چلو دیکھیں گے شادی سے پہلے سب مرد اسی طرح محبت کے دعوے کرتے ہیں بعد میں ساری محبت جھاگ کی طرح بیٹھ جاتی ہے۔" ثنا نے مسکراتے ہوئے اسے چڑانے کے لئے کہا۔

"یہ دعوے نہیں ہیں ثنا اب یا تب جب چاہے میری محبت کو مجھے تم آزما سکتی ہو۔ میں ہر امتحان میں پورا اتروں گا۔" وہ مچل کر بولا۔

"ایک اور دعویٰ۔"

"ثنا کی بچی...... میں جا رہا ہوں بس۔" وہ خفگی سے بولا۔

"پھر کب آؤ گے؟" اس کی زبان پھسل گئی، اور وہ خوشدلی سے ہنس پڑا۔

☆☆☆

نفیس احمد اور آسیہ نفیس احمد کے دو بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے جلیس احمد اور ان سے چار سال چھوٹا انیس احمد۔ جلیس احمد شادی شدہ تھے اور اپنی بیوی ماروی اور بیٹیوں اقراء، اسریٰ اور بیٹے دانیال احمد کے ساتھ لندن میں مقیم تھے۔ وہ وہاں کا بزنس دیکھ رہے تھے۔ نفیس احمد بہت بڑے تاجر اور صنعت کار تھے۔ اپنے مال کی زکوٰۃ ضرور ادا کرتے تھے۔ غریبوں کی امداد بھی کرتے تھے۔ اسی لئے ان کے کاروبار کو بہت ترقی مل رہی تھی۔ انیس احمد نے ایم سی ایس، ایم بی اے اور فیشن ڈیزائننگ میں ماسٹرز کیا تھا اور اس کے بعد نفیس احمد کی خواہش پر ان کا بزنس سنبھال لیا تھا حالانکہ اسے اس کی تعلیمی قابلیت کی بدولت بہت اچھی جابز مل رہی تھیں لیکن اس نے والد کی خواہش پر ذاتی بزنس میں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کو ترجیح دی اور ایک سال کے اندر اندر اس نے کئی کامیابیاں حاصل کیں۔ گارمنٹس کی مصنوعات، فوڈ پروڈکٹس اور گھریلو مصنوعات کے شعبوں میں "نفیس گروپ آف انڈسٹریز" کو بہت بڑے آرڈر ملے تھے۔

ثنا کو انیس نے اپنے ایک فیملی فرینڈ نثار مرزا جو کہ نفیس احمد کے بہت قریبی اور پُرانے دوست تھے، ان کے بیٹے کی دعوت ولیمہ کی تقریب میں دیکھا تھا۔ نثار مرزا ابھی محکمہ انکم ٹیکس سے ریٹائر ہوئے تھے اور ان کا بیٹا عمار مرزا اب اس محکمے میں ملازم تھا، اور نفیس احمد کو ان سے اکثر کام پڑتا رہتا تھا لہٰذا تعلقات بدستور خوشگوار بنیادوں پر استوار تھے۔ اسی لئے نفیس احمد، آسیہ بیگم اور انیس احمد عمار مرزا کی شادی کی تقریب میں شریک تھے۔ عمار، اسرار الحق کے کولیگ تھے اور بہت اچھے دوست بن چکے تھے اس لئے اسرار الحق کو عمار نے اپنی شادی میں مع اہل خانہ کے دعوت دی تھی۔ سائرہ کی طبیعت خراب تھی۔ سلمیٰ بیگم اور ثنا کو اسرار الحق کے ساتھ عمار کی دعوت ولیمہ میں جانا پڑا۔ آسیہ نفیس کی نظر ثنا پر پڑی تو وہ اس کی جانب کھنچی چلی آئیں۔ سلور کلر کا چوری دار پاجامہ اس پر پنک رنگ کی خوبصورت پشواز زیب تن کئے ہوئے تھی۔ سیاہ ہلکے ریشمی بالوں کو بہت اسٹائل دے کر کھلا رہنے دیا تھا۔ ثنا ہلکے میک اَپ اور ہلکی سی جیولری میں انہیں جنت کی حور دکھائی دے رہی تھی۔ ان کے دل میں یکا یک اُسے اپنی بہو بنا لینے کا خیال آیا تھا۔ انیس احمد چھ فٹ دو انچ قد کا مالک تھا۔ کسرتی بدن، سرخ و سفید رنگت، بڑی بڑی روشن آنکھیں چہرے کے دلکش خدوخال میں احمریں لبوں پر مسکراہٹ سجی ہوتی تو وہ اور بھی دلنشین لگنے لگتا تھا۔ اپنے شہزادوں کی سی آن بان والے بیٹے کے لئے انہیں ثنا جیسی لڑکی کی ہی تلاش تھی۔

"بیٹی! کیا نام ہے آپ کا؟" بیگم آسیہ نفیس نے ثنا کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا تو وہ اس گریس فل اجنبی سی خاتون کو دیکھ کر گھبرا سی گئی۔

"السلام وعلیکم! ثنا نام ہے میرا۔"

"وعلیکم السلام! ماشاء اللہ آپ کا نام بہت پیارا ہے اور آواز بھی بہت دلنشین ہے۔ کس کے ساتھ آئی ہیں آپ؟"

"امی اور بھائی جان کے ساتھ۔ وہ میری امی ہیں گرین سوٹ والی۔" ثنا نے اسٹیج پر عمار کی دلہن کے پاس بیٹھی ہوئی سلمیٰ بیگم کی جانب اشارہ کر کے جواب دیا۔

"اچھا میں اُن سے وہیں مل لیتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اس کے رخسار کو تھپتھپاتی ہوئیں اسٹیج کی جانب بڑھ گئیں۔ ثناء کو گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ وہ اٹھ کر لان میں لگے اس ٹینٹ سے باہر نکل آئی۔ اسرار الحق عمار کے ساتھ محوِ گفتگو تھا۔ وہ انہیں دیکھتے ہی وہاں سے بولی۔

"اسرار بھائی! بہت دیر ہوگئی ہے اب گھر چلیں۔"

"ثنا بہن! آپ اس گھر کو بھی اپنا ہی گھر سمجھیں۔ بھائی کی خوشی کے لئے کچھ دیر اور رکنا

پڑے گا آپ لوگوں کو۔'' اسرار کی بجائے عمار نے اس کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے جواب دیا (وہ بھی مسکرا دی۔

''عمار یار! مما کہاں ہیں میں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پاگل ہو رہا ہوں۔ رات کا ایک بجنے والا ہے گھر بھی جانا ہے ہمیں۔''

اسی وقت انیس احمد نے وہاں آکر دُہائی دی۔

اسرار الحق سے تو عمار پہلے ہی اس کا تعارف کروا چکا تھا لہٰذا اسرار الحق کو اس کے اجنبی ہونے کا احساس نہیں ہوا بلکہ وہ ہنس کر بولے۔

''سن لو سب یار دوستوں کو گھر جانے کی جلدی ہے اب ہمیں بھی تم اجازت دے دو۔ تمہاری بڑی مہربانی۔''

''اچھا بابا! جاؤ کیا یاد کرو گے کس سخی دولہے سے واسطہ پڑا تھا۔'' عمار نے کہا تو وہ دونو ہنسنے لگے۔ ہنستے ہوئے اچانک ہی انیس احمد کی نگاہ ثنا کے خوبصورت سراپے پر پڑی تو اس کی ز ساکت ہوگئی۔

''ثنا! جاؤ امی کو بلا لاؤ۔'' اسرار الحق نے ثنا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''میری مما کو بھی بُلا دیں پلیز۔'' انیس نے بے اختیار اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''آپ کی مما کی انہیں کیا پہچان ہوگی۔ آپ خود ہی اندر دیکھ لیں۔ خواتین تو سب ہی جا چکی ہیں میرا خیال ہے کہ گھر کی اور کچھ قریبی رشتے دار خواتین موجود ہوں گی۔'' اسرار الحق نے مسکرا کر کہا تو ثنا ٹینٹ کے پھولوں سے سجے گیٹ سے اندر داخل ہوگئی۔ انیس احمد بھی اُس کے پیچھے ہی چلا آیا۔

سلمٰی بیگم اور بیگم آسیہ نفیس احمد آپس میں کسی بات پر ہنس رہی تھیں۔

''امی! چلیں۔''

''چلیں مما۔'' انیس احمد اور ثنا نے ایک ساتھ ان کے قریب پہنچ کر کہا اور ایک ساتھ ہی حیرت سے اک دوجے کو دیکھا تھا اور انیس احمد پر تو اس کا دیکھنا ایک قیامت ڈھا گیا۔ اسے اپنا دل اپنے اختیار سے باہر نکلتا ہوا محسوس ہوا۔ اس کی من موہنی صورت نے آنکھوں کے رستے سے اس کے دل و دماغ میں اپنا عکس اتار دیا تھا۔ سلمٰی بیگم ثنا کو لے کر چلی گئی تھیں اور وہ یوں ہی اس لمحے کے سحر میں جکڑا ساکت و صامت کھڑا تھا۔ بیگم آسیہ نفیس احمد بھی بیٹے کی آنکھوں میں ثنا کے لئے چمکتے جگنو

دیکھ چکی تھیں اور بہت مسرور تھیں اُن کی پسند اُن کے بیٹے کی پسندیدگی کی سند حاصل کرنے میں کامیاب رہی ہے۔ انہوں نے انیس احمد کے بازو پر ہاتھ رکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

''پیاری ہے نا ثنا، تمہاری اور اس کی جوڑی خوب سجے گی۔''

''اس پنک لڑکی کا نام ثنا ہے۔'' وہ چونکتے ہوئے بولا۔

''ہاں اور میں نے اسے تمہاری دلہن بنانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔''

''اچھا جیسے آپ کی مرضی۔'' وہ من کی خوشی چھپاتے ہوئے سعادت مندی سے بولا تو وہ شوخی سے پوچھنے لگیں۔

''اور تمہاری مرضی کیا ہے؟''

''آپ بتائیں۔'' انیس احمد نے ان کے چہرے کو مسکرا کر دیکھا۔

''وہی جو میری مرضی ہے نا؟''

''جی ہاں مما۔'' وہ ہنس پڑا۔

اور پھر عمار کے ذریعے انہوں نے ریاض الحق اور ان کے گھرانے کے متعلق ساری معلومات حاصل کرنے کے بعد ان کے در پر دستک دی اور مہذب، شریفانہ روایتی طریقے سے انیس کے لئے ثنا کا رشتہ طلب کیا جو کہ ثنا کی خرم سے منگنی کی وجہ سے رد کردیا گیا۔ جس کا بیگم آسیہ نفیس احمد سے زیادہ انیس احمد کو دکھ پہنچا تھا۔ بیگم آسیہ نفیس احمد دوبارہ بھی گئیں مگر انہیں انکار ہی سننے کو ملا تھا سو انہوں نے نصیب کا لکھا سمجھ کر صبر کرلیا مگر وہ افسردہ تھیں یہ رشتہ نہ ہوسکنے پر، انیس نے انہیں افسردہ دیکھا تو کہنے لگا۔

''کوئی بات نہیں مما! ثنا کے علاوہ لڑکیاں اور بھی ہیں۔''

''تمہیں دکھ نہیں ہوا؟'' بیگم آسیہ نفیس نے اس کے چہرے پر غم کو کھوجنا چاہا۔

''مجھے تو عشق ہوا ہے ثنا سے۔'' وہ بے بسی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''کاش! انیس بیٹا میں ان لوگوں کو قائل کرسکتی۔''

''کوئی بات نہیں مما جانی بس آپ میرے لئے دعا کریں کہ عشق کا یہ بھوت میرے سر سے اتر جائے۔'' وہ افسردگی سے مسکرا کر بولا۔

''میں تمہارے لئے دعا کروں گی کہ ثنا تمہیں مل جائے اور اس کی محبت بھی تمہارا نصیب بن جائے۔''

بیگم آسیہ نفیس احمد نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے دل سے کہا تو وہ بولا۔

"آمین!"

☆☆☆

خرم صبح صبح اس کے لئے سُرخ تازہ گلاب لئے حاضر ہوگیا اور پُھول اس کی جانب بڑھایا تو وہ بلش ہوگئی۔

"آج صبح صبح محبت کا سبق پڑھانے چلے آئے ہو، خیر تو ہے۔" وہ پُھول لے کر بولی۔

"میں نے سوچا کہ تم صبح سویرے میری صورت دیکھ لوگی تو سارا دن اچھا گزرے گا۔" وہ شوخی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"میرا یا تمہارا دن؟" وہ بڑی ادا سے بولی تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"چلو یوں ہی سہی ویسے تمہیں پتہ ہے آج مابدولت کو اپنی اس حسین و جمیل منگیتر کے لئے شادی کا تحفہ خریدنا کیا ہے آرڈر پر بنوایا ہے۔ آج مل جائے گا۔" وہ رازداری سے بتا رہا تھا ثنا شرمانے لگی۔

"کیا بنوایا ہے؟"

"یہ سرپرائز تو شادی کی رات ہی ملے گا۔ بس ایک ماہ بعد تم میرے اتنے قریب ہوگی کہ سارے فاصلے سمٹ کر رہ جائیں گے۔"

"بکومت، جاؤ یہاں سے۔" وہ شرما کر بولی اور تیزی سے باہر بھاگی جہاں اسرار الحق اسے اور ندا کو کالج کو چھوڑنے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ خرم ہنستا مسکراتا ناشتے کی میز پر آگیا تھا۔

ثنا کا آخری پیپر بہت شاندار ہوا تھا۔ وہ بہت خوش تھی، آج ندا کی کلاسز آف ہو چکی تھیں۔ وہ بھی اس کے ساتھ ہی کالج کے گیٹ سے باہر نکل آئی۔ کالج میں صرف تھرڈ ائیر کی چند کلاسز ہو رہی تھیں اور بی اے، بی ایس سی کے امتحانات ہو رہے تھے۔ اس وجہ سے رش بہت کم تھا۔ آدھا گھنٹہ گزر گیا تھا ندا اور ثنا کو اسرار الحق اور انوار الحق کا انتظار کرتے کرتے لیکن دونوں میں سے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔

"اب کیا کریں؟ پیدل ہی چلتے ہیں گھر کون سا دور ہے۔" ندا نے کہا۔

"ہاں چلو لوگ بھی آتے جاتے مشکوک نظروں سے دیکھ رہے ہیں کالج بھی خالی ہونے کو ہے۔" ثنا نے کہا اور دونوں گھر کی جانب جانے والی سڑک کی طرف مڑ گئیں۔

ابھی وہ چند قدم ہی چل پائی تھیں کہ ان کے قریب ایک کار آکر رکی وہ دونوں گھبرا کر پیچھے ہٹیں۔ ابھی وہ صورت حال کو سمجھ بھی نہیں پائی تھیں کہ کار کا دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک لمبا

تڑنگا سیاہ پوش نکلا۔ اس کے چہرے پر اور ڈرائیور کے چہرے پر بھی سیاہ ماسک چڑھا ہوا تھا۔ ندا اور ثنا کی چیخیں نکل گئیں۔ اس سیاہ پوش نے ثنا کو بازو سے پکڑ کر گاڑی میں اتنی تیزی سے دھکیلا تھا کہ ثنا منہ کے بل پچھلی سیٹوں پر گری تھی۔ ندا تو چیختی ہوئی اُلٹے قدموں کالج کی جانب دوڑی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے وہ کار فراٹے بھرتی ہوئی آگے نکل گئی تھی۔ کالج کی لڑکیوں، چوکیدار اور لڑکیوں کو لینے کے لئے آنے والے مرد حضرات نے بہت بے حسی اور بزدلی سے واردات ہوتے دیکھی تھی اور کسی نے ثنا کو ان سیاہ پوشوں سے بچانے کی سعی نہیں کی تھی۔

ندا کو کالج کی لڑکیاں پرنسپل کے پاس لے گئیں۔ پرنسپل آفس سے ندا نے اپنے ایس پی والد ریاض الحق کو فون کیا اور روتے ہوئے ساری صورت حال سے آگاہ کردیا۔ ثنا کے دن دیہاڑے اغواء کی خبر پورے کالج سے ثنا کے محلے تک جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔ ریاض الحق نے پورے علاقے کی ناکہ بندی کرا دی تھی مگر ثنا کو اغواء کرنے والے ایسے اپنی کار سمیت غائب ہوگئے تھے جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

☆☆☆

ثنا بے ہوش تھی۔ جب اُسے ہوش آیا تو اس نے خود کو ایک سادہ سے بیڈ روم میں پایا۔ کمرے میں پیلے بلب کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے حیران و پریشان نظروں سے کمرے میں نگاہ دوڑائی۔ یکا یک اس کے حواس بیدار ہوگئے اور اسے ساری صورت حال سمجھ میں آگئی۔

"میں اغواء ہو چکی ہوں۔ یا اللہ یہ کیا ہوگیا میرے ساتھ۔" وہ خوف و ہراس سے روتے ہوئے بولی۔ کلائی پر بندھی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو اس کی روح کانپ اٹھی۔ شام کے ساڑھے چار بج رہے تھے۔ یعنی وہ پچھلے ساڑھے چار گھنٹے سے یہاں قید تھی۔

"یا اللہ میری مدد فرما، مجھے یہاں سے جانے کا راستہ دکھا میرے مالک۔" وہ روتے ہوئے دُعا مانگ رہی تھی کہ اچانک کمرے کا دروازہ دھڑ سے کُھلا اور اس کی جان نکل گئی۔ وہ سہمی سہمی سی بیڈ کے پیچھے آکھڑی ہوئی۔ کمرے میں وہی سیاہ پوش کھانے کے لوازمات سے سجی ٹرے لے کر داخل ہوا۔

"ہوش آگیا تمہیں۔ لو کھانا کھا لو اب تک تو تمہارے باپ کے ہوش بھی ٹھکانے آگئے ہوں گے۔ بڑا قانون کا محافظ بنا پھرتا ہے، اب پتہ چلے گا اُسے ہمارا کام نہ کرنے اور ہماری بات نہ ماننے کا خمیازہ بھگتنے گا۔ اب سارا شہر تھو تھو کر رہا ہے کہ ایک پولیس آفیسر کی بیٹی دن کے اُجالے میں لوگوں کے ہجوم میں اغواء کرلی گئی اور وہ کچھ نہ کرسکا۔" وہ سیاہ ماسک والا شخص بہت کرخت لہجے میں

بولا۔ پتہ نہیں ثنا کو کیوں لگا کہ وہ شخص آواز بدل کر بول رہا ہے تا کہ وہ اس کی شناخت نہ کر سکے۔

''کک......کون ہو تم اور کیا چاہتے ہو......؟ مم...... مجھے کیوں اغواء کیا ہے......؟'' وہ ڈرتے ہوئے لرزتے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''تمہارے باپ سے اپنی بات منوانے کے لئے ہم نے تمہیں اغواء کیا ہے لو کھانا کھاؤ۔'' وہ ٹرے میز پر رکھتے ہوئے بولا۔

''پلیز! مجھے جانے دو، میں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے؟'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''تم ہمارا کیا بگاڑ سکتی ہو لڑکی، بگاڑیں گے تو ہم تمہارا......تمہارا باپ ہمارے آدمی چھوڑ دے گا تو ہم بھی تمہیں چھوڑ دیں گے جب تک وہ ہماری بات نہیں مانتا تم یہیں رہو، کھاؤ پیو، سوؤ جاگو، موج کرو۔'' وہ مکروہ انداز میں قہقہہ لگا کر بولا تو وہ اس کی باتوں سے اپنی آن، آبرو کی بربادی کا خوف محسوس کرنے لگی۔

''پلیز! مجھے جانے دو، تمہاری بھی تو بہن بیٹی ہو گی۔''

''اے خبردار! ہماری بہن بیٹی کا نام مت لو ورنہ......'' وہ اسے کرختگی سے ٹوک کر بولا اور گھورتا ہوا واپس چلا گیا اور دروازہ باہر سے لاک کر دیا۔

ثنا بے دم سی ہو کر بستر پر گر گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ روتے تڑپتے کئی بار اس نے کمرے کے دروازے کو اپنے ہاتھوں سے پیٹا مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔

عشاء کی اذان بہت دور سے اس کے کانوں میں آ رہی تھی۔ اس نے کمرے سے ملحق غسل خانے میں جا کر وضو کیا اور اپنی چادر اوڑھ کر نماز ادا کرنے لگی۔ کہیں دوسری چادر یا جائے نماز تو اسے میسر نہ تھی۔ نماز پڑھ کر رو رو کر اپنی خیر و عافیت سے، عزت سے گھر واپسی کی دعا مانگی اور پھر سے دروازہ پیٹنے لگی۔ لگتا تھا جیسے وہ کسی خاموش جزیرے میں آ گئی ہے جہاں کوئی بھی اس کی آواز سننے کو تیار نہ تھا۔ سب بہرے تھے کسی کے کانوں تک اس کی آواز نہیں پہنچ رہی تھی۔

''میرے اللہ! تو تو میری فریاد سن رہا ہے نا، رحم کر مالک! مجھے یہاں سے نکال میرے اللہ۔'' وہ روتے ہوئے اپنے رب سے مخاطب تھی۔

دروازہ ہلکی سی آہٹ کے ساتھ کھل گیا اور آنے والے نقاب پوش نے دروازہ اندر سے لاک کر لیا تھا اور یہ منظر دیکھ کر ثنا سہمی ہوئی چڑیا کی طرح تھر تھر کانپنے لگی۔ وہ شخص دھیرے دھیرے آگے بڑھ رہا تھا۔

''نن......نہیں مجھے مت چھونا......تت......تمہیں خدا کا واسطہ ہے مجھے......مت چھونا۔''

وہ چیخ مار کر الٹے قدموں پیچھے ہٹتے ہوئے بولی۔ اس کے لہجے میں آنسوؤں کی جھنکار تھی۔

''شی......'' اس شخص نے شہادت کی انگلی اپنے ہونٹوں پر رکھتے ہوئے اسے مزید بولنے سے باز رکھنے کا اشارہ دیا تو وہ ہچکی لیتی، روتی ہوئی دیوار سے جا لگی۔ کوئی جائے فرار باقی نہیں بچی تھی۔ وہ بے بس کھڑی اپنی حالت پہ ماتم کناں تھی۔ اس سیاہ ماسک والے شخص نے میز پر رکھی کینڈل جلائی اور بلب بجھا دیا اور ثنا کی جانب پلٹا۔ وہ دیوار سے لگی اپنے بے جان ہوتے وجود کی عمارت کو سنبھالنے میں ناکام ہو رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کے ساتھ اب کیا ہونے والا ہے۔ وہ شخص بہت کھولتی خواہشوں کے تلاطم سے سرشار اس کی جانب بڑھ رہا تھا۔

''نہیں پلیز! مجھے مت چھونا۔'' وہ فریاد کرتی بھاگنے کی کوشش کرتے ہوئے اس گدھ کے پروں میں پھنس کر رہ گئی۔ اس کے مضبوط پَر اس کا سارا بدن ڈھانپ چکے تھے۔ اس کے آنسو سمندر میں شبنم کی مانند حل ہو گئے۔ سسکیاں، ہچکیاں، تند موجوں کی آواز میں بے صدا ہو گئیں اور وہ سہمی ہوئی چڑیا ذلت و رسوائی کے اتھاہ سمندر میں غوطے لگاتے ہوئے ہوش و خرد سے بیگانی ہو گئی۔

☆☆☆

''آپ کی پولیس کیا بھنگ پی کر سو رہی ہے جو اب تک میری بچی کے مجرموں کو اور میری معصوم بچی کو نہیں ڈھونڈ سکی؟'' سلمیٰ بیگم نے روتے ہوئے ریاض الحق سے کہا۔

''حوصلہ کرو سلمیٰ بیگم! دعا کرو پولیس کوشش کر رہی ہے۔ انشاء اللہ جلد ہی کوئی اچھی خبر سننے کو ملے گی۔'' ریاض الحق نے اپنی پریشانی چھپاتے ہوئے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا خرم اور اس کے امی ابو بھی وہاں آ چکے تھے۔

''اب اچھی خبر سننے کو مل بھی جائے تو کیا فرق پڑے گا۔ خاندان بھر کی ذلت و رسوائی تو ہو گئی نا شہر بھر میں اب اخبارات میں بھی خبریں لگیں گی۔ خوب نام روشن ہو گا ہمارا۔'' نرگس نے بے حسی سے کہا۔

''امی پلیز! یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔'' خرم نے انہیں ٹوکا۔

''ریاض بھائی! اغواء کرنے والوں کا فون تو آیا ہو گا۔'' فیاض الحق نے پوچھا۔

''نہیں ابھی تک تو کوئی فون نہیں آیا۔ نجانے کس مقصد کے لئے انہوں نے میری بیٹی کو اغواء کیا ہے؟'' وہ پریشانی سے بولے۔

''کیا خبر اغواء کیا ہے یا وہ اپنی مرضی سے گئی ہے۔'' نرگس کی زبان نے زہر اگلا تو سلمیٰ بیگم بے قرار ہو کر بولیں۔

"نرگس! خدا کا خوف کرو۔ میری ثنا معصوم ہے، اُسے اغواء کیا گیا ہے۔ ندا عینی گواہ ہے اور بہت سے لوگ گواہ ہیں۔"

"بھابی! کل کو یہی گواہ ہاتھوں میں پتھر لئے اسے سنگسار کرنے کے لئے آپ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہوں گے۔" نرگس نے بے دردی سے کہا۔

"تم تو بس چپ ہی رہو نرگس۔" فیاض الحق نے بیوی کو ڈانٹا۔

"میں تو چپ ہو ہی جاؤں گی لوگوں کو کون چُپ کرائے گا۔ ان کی زبانیں کون پکڑے گا؟" نرگس نے غصے سے کہا اور اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"چلو خرم!" اور خرم چپ چاپ ان کے ساتھ چل پڑا۔

☆☆☆

پورے سات دن گزر گئے تھے۔ آج اسے اس قید میں، اس کی حالت برسوں کی بیمار کی سی ہوگئی تھی۔ آٹھویں شب آئی تو اسے قید سے رہائی کا پروانہ مل گیا۔ وہ سیاہ پوش بڑی آسانی سے کہہ رہا تھا۔

"معاف کرنا لڑکی، تم وہ نہیں ہو جسے اغواء کرنے کا ہمیں حکم ملا تھا۔ وہ تو تمہارے باپ سے بھی بڑے افسر کی بیٹی تھی۔"

"کیا......؟"

"ہاں اب تم جاسکتی ہو۔"

"کہاں جاؤں گی اب میں......؟" وہ اس ذلت پر روتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"اپنے گھر......!"

"گھر والے اب مجھے قبول کرلیں گے کیا......؟"

"یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ ہمیں تو تمہیں رہا کرنے کا حکم ملا ہے۔ باہر ٹیکسی کھڑی ہے۔ میں نے ڈرائیور کو تمہارے گھر کا پتہ سمجھا دیا ہے اور کرایہ بھی دے دیا ہے۔ جاؤ اور ہاں چہرہ چھپا کر نکلنا۔" وہ ہدایات دے رہا تھا۔

"اب کیا تم بڑے افسر کی بیٹی بھی اغواء کرو گے اس کی بھی عزت تار تار کرو گے؟" وہ کسی کے دھوکے میں اپنے آپ کو سزا ملنے پر صدمے سے چور لہجے میں بولی۔

"نہیں۔ اس نے پہلے ہی ہمارے بندے چھوڑ دیئے ہیں۔ تمہارے اغواء سے بھی ہمارا کام ہوگیا ہے، اب جاؤ یہاں سے۔" وہ کرخت لہجے میں بولا تو وہ اپنے وجود کی کرچیوں کو سمیٹتی ہوئی

وہاں سے باہر نکل آئی۔

☆☆☆

"کون ہو تم؟" وہ گھر کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو سائرہ بھابی اس کے نقاب میں چھپے چہرے کو پہچان نہ سکیں اور فوراً پوچھا۔

"میں ثنا......"

"ثنا......تو چہرہ کیوں چھپا رکھا ہے، دکھانے کے قابل جو نہیں رہا اس لئے نا۔" سائرہ بھابی نے طنزیہ جملہ بولا تو اس نے چہرے سے چادر ہٹا دی۔

"کون ہے؟" ندا، اسرار الحق، سلمٰی بیگم اور بشریٰ سب ایک ساتھ چلے آئے۔

"آ گئی ہیں آپ کی بہن صاحبہ خاندان کی عزت نیلام کر کے۔" سائرہ نے طنزیہ لہجے میں کہا تو ثنا کے زخم رسنے لگے۔

"ثنا! میری بچی کیسی ہے تو......؟" سلمٰی بیگم نے دوڑ کر اسے اپنے ساتھ لپٹا لیا۔

"امی! امی......" وہ روتے روتے بے ہوش ہوگئی۔

انہوں نے ڈاکٹر کو گھر بلایا تھا وہ ثنا کو نیند کا انجکشن لگا کر چلا گیا۔

وہ گہری نیند سو گئی تھی اور صبح ہی اس کی آنکھ کھلی تھی۔ اسے کچھ یاد آرہا تھا۔ قیامت کے سات دن اور سات راتیں اور اپنی آبرو کے خاک ہونے کی تلخ حقیقت اُسے رُلائے جارہی تھی۔ اس تصور سے ہی اس کے بدن میں چیونٹیاں سی رینگنے لگتی تھیں۔ اس کی اس بات پر کسی نے یقین نہیں کیا کہ اسے کسی اور کے دھوکے میں اغواء کیا گیا تھا اور سات دن بعد اغواء کرنے والوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا تو انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ ثنا اپنی صفائی دیتے دیتے تھک گئی تھی، ہار گئی تھی۔ دکھ تو اسے اس بات کا تھا کہ اس کے ماں باپ نے اسے اکیلا کر دیا تھا۔ اس کی محبت کا دم بھرنے والے خرم نے اُسے ایک فون تک نہ کیا تھا کہاں وہ اس کو دیکھنے کے لئے بہانے بہانے سے گھر آیا کرتا تھا اور اب وہ ایک بار بھی اس کا حال پوچھنے نہیں آیا تھا۔ محلے والے، رشتے دار، کالج کی سہیلیاں، لڑکیاں سب ہی اس کے واپس آنے پر طرح طرح کی باتیں بنا رہے تھے۔ گھر میں کوئی اس سے بات کرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ سلمٰی بیگم یا ندا اس کے کمرے میں کھانا رکھ کر چلی جاتیں۔ وہ کھانا کھائے نہ کھائے اس سے انہیں کوئی سروکار نہیں تھا۔ ثنا تو اندر سے مرگئی تھی۔ زندہ لاش بن کر رہ گئی تھی وہ۔ رسوائی اور تنہائی نے اسے اُدھ موا کر کے رکھ دیا تھا۔

"کھانا کھالو" ندا نے اس کے سامنے ٹرے رکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"لگتا ہے یہ اپنی ساری بھوک پیاس بجھا کر آئی ہے سات دنوں میں۔" سائرہ نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے زہر میں بجھا ہوا تیر اچھالا جس سے وہ لہولہو ہوگئی۔

"بھابی! آپ بھی مجھے......"

"میں کیا سارا شہر یہی کہہ رہا ہے۔ چلو ندا۔" سائرہ بھابی نے تلخی سے کہا اور ندا کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔ وہ کچھ دیر گم صم بیٹھی رہی، پھر کچھ سوچ کر کھانا کھانے لگی۔ کھانے سے فارغ ہو کر برتن کچن میں رکھنے کے لئے باہر آئی تو لاؤنج میں سے آتی آوازوں نے اس کے قدم روک لئے۔

"کاش! ثنا زندہ واپس نہ آئی ہوتی مرگئی ہوتی تو ہم اسے ایک بار ہی رو لیتے اب تو ہر روز کا رونا ہے۔" سلمیٰ بیگم سپاٹ لہجے میں بولیں تو ثنا کا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ اس کی ماں اس کی موت کی تمنائی تھی۔

"کھانے میں زہر ملا کر دے دیں۔ بیمار تو ہے ہی جلدی رُخصت ہو جائے گی۔" یہ ندا کی آواز تھی۔ ثنا کے لئے اپنے قدموں پر کھڑا رہنا دشوار ہوگیا تھا۔ وہ بمشکل خود کو سنبھالتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی ٹرے میز پر رکھی اور ان سب کو دیکھتے ہوئے لرزتی آواز میں بولی۔

"آپ لوگوں کو قاتل اور مجرم بننے کی ضرورت نہیں ہے میں خود ہی یہاں سے چلی جاؤں گی۔"

"ہاں بھئی اب تو چسکا لگ گیا ہے آوارہ پھرنے کا اب یہ گھر میں قید ہو کر کیوں رہے گی۔ جاؤ جاؤ ابھی ہمیں رسوا کرنے میں کوئی کسر باقی رہ گئی ہے تو وہ بھی پوری کردو۔" بشریٰ بھابی نے بھی زہر اگلا۔

"تمہارے بعد تین بیٹیاں ہیں اس گھر میں ثنا بی بی۔ ان پر تمہارے کردار کا منفی اثر پڑ سکتا ہے پھر تمہاری یہ س[illegible]ن کی روپوشی ہی بہت ہے۔ کون آئے گا ہماری بیٹیوں کو بیاہنے۔ تم تو منہ پہ کالک مل کے کمرے میں بند ہو کر بیٹھ گئی ہو۔ لوگوں کو تو ہمیں ہی فیس کرنا ہوتا ہے نا۔ ابھی ندا کی بھی شادی ہونی ہے۔ تم سے اب کون [illegible]ے گا؟ تمہیں شادی کی ضرورت بھی کیا ہے اور جو لڑکی ایک بار اپنی عزت گنوا بیٹھے اسے بار بار بے عزتی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" سائرہ بھابی نے بے حسی اور سفاکی سے کہا۔ اس کے پورے وجود میں میخیں گڑتی چلی گئیں اور غصے سے پھٹ پڑی۔

"بھابی! شرم آنی چاہئے آپ کو اس قدر گھٹیا سوچتی ہیں آپ۔"

"مجھے کیوں شرم آنی چاہئے؟ شرم تو تمہیں نہ آئی جہاں سات دن اور سات راتیں رنگ

رلیاں مناتی رہی ہو وہیں رہتیں یہاں کیا لینے آئی ہو؟" سائرہ بھابی نے شعلہ بار لہجے میں کہا۔

"میں سمجھتی تھی کہ آپ میرے اپنے ہیں۔ میری ساری زندگی آپ سب کے سامنے گزری ہے آپ تو مجھے قصوروار نہیں ٹھہرائیں گے مگر آپ سب تو مجھے ہی مجرم سمجھ رہے ہیں۔ میں بے گناہ ہوں، میں اپنی مرضی سے نہیں گئی تھی۔ میں بےقصور ہوں میں نے کچھ نہیں کیا۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"تم نے تو کچھ نہیں کیا لیکن تمہیں اپنے ساتھ لے جانے والوں نے بہت کچھ کیا ہوگا تمہارے ساتھ۔ انہوں نے کیا شاہی مہمان بنا کر عزت سے رکھا ہوگا تمہیں بولو۔" بشریٰ بھابی نے جرح کی تو ثنا کا وجود اس گونگے نقاب پوش کے شعلہ بدن کی چنگاریاں محسوس کر کے سُلگ اٹھا اور وہ چیختی ہوئی روتی ہوئی اپنے کمرے میں بھاگ گئی اور بستر پر ڈھیر ہو کر بلکنے لگی۔

"ثنا ریاض تم پر زندگی کے دروازے بند ہو چکے ہیں۔ تمہارے خواب بکھر چکے ہیں تمہیں مرجانا چاہئے۔ ایک آبرو باختہ بیٹی کے لئے ماں باپ کے دل اور گھر میں کوئی جگہ نہیں ہوتی۔ باپ کا گھر بھی غیر ہو جاتا ہے، رشتے اجنبی ہو جاتے ہیں، خون سفید ہو جاتا ہے، لہجے میں زہر گھل جاتا ہے، الفاظ نشتر بن جاتے ہیں جو پل پل روح کو گھائل کرتے رہتے ہیں۔ خودکشی حرام نہ ہوتی تو میں کب کا خود کو ختم کر چکی ہوتی۔ یا اللہ اس ذلت بھری زندگی سے تو بہتر ہے تو مجھے موت دے دے۔ میں نہیں ہوں اس آزمائش کے قابل، مجھے بخش دے میرے مولا، میرے گناہ معاف کردے، مجھے اس ذلت و رسوائی کے غار سے باہر نکال دے مالک!" وہ روتے ہوئے رب کے دربار میں فریاد کناں تھی۔

"سگے رشتے بھی بُرے اور کڑے وقت میں ساتھ چھوڑ دیتے ہیں میں تو بھری دنیا میں اکیلی رہ گئی ہوں کوئی بھی تو نہیں ہے میرا کوئی بھی نہیں۔" وہ روئے جا رہی تھی۔

☆☆☆

وہ اُجڑی اُجڑی ویران آنکھوں سے خرم کو دیکھ رہی تھی۔ آج نجانے کیوں اچانک چلا آیا تھا مگر جب سے آیا تھا خاموش تھا۔

"تم بولتے کیوں نہیں ہو خرم؟" تھک کر ثنا نے خود ہی سوال کیا۔

"بولنے کو اب ہمارے پاس بچا ہی کیا ہے؟"

"تم بھی مجھے ہی قصوروار سمجھ رہے ہو خرم تم بھی......" وہ تاسف سے بولی۔

"سب یہی سمجھتے ہیں۔" وہ بولا "ثنا تم...... میرا مطلب ہے۔" وہ بولتے بولتے پھر سے خاموش ہوگیا۔

”میں جانتی ہوں تمہیں مجھ سے اپنی محبت کے دعوے شرمسار کر رہے ہیں میں نے کہا تھا نا دیکھیں گے سو وقت نے بہت جلد دکھا دیا تم تو ہر آزمائش میں پورے اُترنے کے دعوے دار تھے نا خرم...... لیکن ایک ہی آزمائش میں تمہارے دعوؤں کا محبت بھرے دعوؤں کا پول کھل گیا ہے اچھا ہوا...... جاؤ خرم تمہاری سانسیں میری جدائی میں ہرگز نہیں رکیں گی۔ تم میرے بغیر بھی بہت خوش رہو گے۔ اس لئے کہ تم نے مجھ سے کبھی محبت کی ہی نہیں تھی۔ محض دعوے کئے تھے ہے نا۔“ وہ سنجیدگی سے آزردگی سے بولتی اسے شرمندہ کر رہی تھی۔ وہ اس کے خاموش ہونے پر رُکا اور منگنی کی انگوٹھی اپنے ہاتھ سے اُتار کر اس کے سامنے رکھ دی اور دروازے کی جانب بڑھ گیا تو ثنا نے کہا۔

”سنو! تم بہت سی باتوں اور دعوؤں کے ساتھ ساتھ ایک اور چیز بھی بُھول رہے ہو۔“

”کیا......؟“ وہ واپس مڑا۔

”یہ انگوٹھی!“ ثنا نے اس کی پہنائی ہوئی انگوٹھی اُتار کر اس کی طرف بڑھا دی جو اس نے شرمندگی کے عالم میں اس کے ہاتھ سے لے لی۔

”میں چلتا ہوں۔“

”ہاں! تمہیں اب چلے جانا چاہئے کیونکہ یہاں رکنے کا ظرف تم میں ہے ہی کہاں؟“ وہ طنزیہ لہجے میں بولی تو وہ نظریں چراتا ہوا تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا اور وہ بے اختیار ہنس پڑی اور ہنستے ہنستے رونے لگی۔

”تو یہ تھی ثنا ریاض تمہاری محبت، ایک ناکردہ گناہ نے سب کی حقیقت ظاہر کر دی۔ سارے رشتے ساری محبتیں یکا یک دم توڑ گئیں۔ خرم تم ذرا دیر کو بھی میرے ساتھ قدم ملا کر نہ چل سکے۔ اس ایک واقعے نے مجھ سے کیا کچھ چھین لیا ہے۔“

”ثنا! کھانا کھالو۔“ سلمیٰ بیگم نے ٹرے اس کے سامنے لا کر رکھ دی۔

”امی آپ کیوں زحمت کرتی ہیں، میں خود آ کر کھا لیتی۔“ وہ شرمندہ ہو کر بولی۔

”چھوڑو اور یہ بتاؤ خرم آیا تھا صبح کیا کہہ کر گیا ہے؟“ سلمیٰ بیگم نے بے چینی سے پوچھا کیونکہ وہ خرم اور اس کے ماں باپ کے رویوں سے سمجھ تو رہی تھیں کہ وہ اب ان کی ثنا کو بیاہنا نہیں چاہتے۔

”کچھ نہیں کہا بس یہ واپس کر گیا ہے۔“ اس نے خرم کی دی ہوئی منگنی کی انگوٹھی سائیڈ ٹیبل پر سے اُٹھا کر ان کی طرف بڑھا دی۔

”مجھے یہی ڈر تھا اور یہ تو ہونا ہی تھا۔ کون بیاہے گا اب تجھے بدبخت؟“ سلمیٰ بیگم نے انگوٹھی پکڑتے ہوئے اس کے خالی ہاتھ کو دیکھ کر خرم کی منگنی پر پہنائی گئی انگوٹھی نہ پا کر غصے دُکھ اور تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”امی! اس میں میرا کیا قصور ہے؟“ وہ رونے کو ہو گئی پھر سے، غیروں کے دیئے زخم کچھ کم نہ تھے۔ اس پر اپنوں کے زہر میں بجھے تیر اس کو اور بھی چھلنی کر رہے تھے۔

”تیرا قصور نہیں ہے نہ سہی، پر اب میں کیا کروں تیرا بتا مجھے؟“

”جان سے مار دیں مجھے تاکہ آپ سب کی جان ہی چُھوٹ جائے۔“ وہ غصے سے پھٹ پڑی۔

”ماں نہ ہوتی تو شاید مار بھی دیتی۔ تیری وجہ سے ہم کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہیں رہے۔ ندا کے لئے جو رشتے آئے تھے وہ بھی واپس ہو گئے۔ لڑکے والے کہتے ہیں کہ ہم ایسی لڑکی کو اپنی بہو نہیں بنا سکتے جس کی بہن کے اغواء کے چرچے پورے شہر کی زبان پر ہوں۔“ سلمیٰ بیگم نے غصے سے کہا۔

”اسے بہن کے مستقبل کا خیال ہوتا تو یہ گھر آنے کی بجائے وہیں کہیں شرم سے ڈوب کر مر گئی ہوتی...... ہونہہ مگر نہ جی یہ تو اپنی ساری شرم باہر اُتار کر آئی ہیں۔“ ندا نے اس کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا تو ثنا کا دل چاہا کہ زمین شق ہو جائے اور وہ اس میں سما جائے۔ ایسی ذلت، توہین اور ہتک اس کے سگے رشتے بھی کر سکتے ہیں۔ یہ تو اس نے خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ گھر واپسی پر اسے باہر ہونے والے سلوک سے بڑھ کر ذلت اٹھانا پڑے گی۔

”ندا! تم جاؤ یہاں سے۔“ سلمیٰ بیگم نے ندا کو سختی سے حکم دیا۔

”امی! مجھے نہیں ثنا کو حکم دیں۔ یہ یہاں مہارانی بن کر بستر پر بیٹھ گئی ہیں۔ ہم اس نواب زادی کے نوکر لگے ہیں جو صبح و شام اس کے حضور میں لوازمات پیش کرتے رہیں۔ ہاتھ پیر سلامت ہیں اس کے اپنے کام خود کیوں نہیں کرتی؟“ ندا نے نہایت بدتمیزی سے جواب دیا۔ ثنا ضبط و صبر سے سب کچھ سنتی اور سہتی رہی۔ سلمیٰ بیگم غصے سے ندا کو کھینچتی ہوئی باہر لے گئیں۔

”میں کیا کروں یا اللہ! کوئی تو راہ دکھلا دے مجھے کوئی تو وسیلہ بنا دے میرے اس عذاب کو کم کرنے کا۔ رحم کر دے میرے مالک! رحم کر دے مجھ پر۔“ ثنا نے دیوار پر آویزاں خانہ کعبہ کی تصویر کو دیکھتے ہوئے اللہ سے مخاطب ہو کر دُعا اور مدد مانگی پھر گہری سانس لے کر کچھ دیر یوں ہی گم صم بیٹھی رہی۔ کھانا سامنے رکھا تھا۔ بھوک مر چکی تھی پھر بھی دو چار نوالے کھا کر رزق کا شکر ادا کرنے کے خیال سے نوالہ توڑ لیا۔ ابھی تیسرا نوالہ حلق سے نیچے اترا تھا کہ اُسے ابکائی آ گئی۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر واش روم کی طرف بھاگی۔ سلمیٰ بیگم کسی کام سے کمرے میں آئیں تو واش روم کے کھلے دروازے

سے اسے واش بیسن میں قے کرتے دیکھ کر لرز کر رہ گئیں۔ وہ اس کا سبب بھی بخوبی جانتی تھیں۔

"یاالٰہی! اس قیامت کی کمی باقی تھی بس، تُو نے کس امتحان میں ڈال دیا میری بچی کو...... کیا لکھا ہے اس کی قسمت میں، اس ذلت سے تو اچھا تھا کہ اسے موت دے دیتا۔ اب کہاں تک چھپائیں گے ہم ذلت و رسوائی کی نشانی کو۔" سلمیٰ بیگم نے روتے ہوئے فریاد کی۔ ثنا نڈھال سی کمرے میں آچکی تھی اور ان کی بات سن کر اس کے دل میں اُبھرنے والے خدشے کی بھی تصدیق ہوگئی تھی۔ وہ جس گدھ کی ہوس کا نشانہ بنی تھی اس کے لہو نے اپنا رنگ دکھا دیا تھا۔

سلمیٰ بیگم اسے تیار کرا کے خود اپنی تصدیق و تسلی کی خاطر گائنا کولوجسٹ کے پاس لے گئیں۔ جس نے چیک اَپ کے بعد تصدیق کردی کہ ثنا ماں بننے والی ہے۔ ثنا کی تو ساری ہمت جواب دے گئی تھی یہ سن کر۔

"کیا نام دوں گی میں اس بچے کو۔ اس کے باپ کا...... کیسے بتاؤں گی اسے کہ وہ ناجائز اولاد ہے میری؟" ثنا نے دل میں کرب سے سوچا۔ وہ اپنی سوچوں میں گم جارہی تھی کہ اچانک کسی سے ٹکرا گئی۔

"او آئی ایم سوری۔" ٹکرانے والے نے فوراً معذرت کرلی۔ نگاہ جب ثنا کے اُجڑے ویران بیمار چہرے پر پڑی تو مقابل کو شدید جھٹکا لگا تھا۔

"ثنا آپ ثنا ہی ہیں نا؟"

"جی آپ کون ہیں؟" ثنا نے الجھن آمیز نظروں سے دیکھا۔

"میں انیس احمد ہوں۔ تعجب ہے آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ عمار کے ولیمے میں آپ سے ملاقات ہوئی تھی اور آپ کے گھر بھی تو آیا تھا۔ میں اپنے ممی ڈیڈی کے ساتھ۔ آپ نے واقعی مجھے نہیں پہچانا؟" انیس احمد نے اس کی سرسوں کی سی رنگت میں بدلی صورت کو دکھ سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"انیس بیٹے! یہ تو اپنی پہچان گنوا بیٹھی ہے۔ یہ کسی اور کو کیا پہچانے گی۔" سلمیٰ بیگم لیڈی ڈاکٹر سے علیحدگی میں کچھ بات کرتے رک گئی تھیں۔ کمرے سے باہر آئیں تو انیس کو دیکھ کر اس کی بات سن کر قریب آکر گویا ہوئیں۔

"میں سمجھا نہیں آنٹی کیا ہوا ہے ثنا کو ان کی حالت دیکھ کر مجھے بہت شاک پہنچا ہے۔ یہ بیمار ہیں کیا؟" انیس احمد نے بے قراری سے پوچھا اور سلمیٰ بیگم سوچ رہی تھیں کہ کاش انہوں نے ثنا کو انیس احمد سے ہی جلد بیاہ دیا ہوتا جوان کی بیٹی سے محبت کرتا ہے تو شاید وہ اس حادثے سے محفوظ رہتی۔

"ہاں بیٹا یہ بیمار ہے۔"

"کیا ہوا ہے انہیں؟" انیس کی بے چینی عروج پر تھی۔

"اسے جو مرض لاحق ہوا ہے اس کا علاج تو صرف موت ہے۔ چلو ثنا۔" سلمیٰ بیگم نے سپاٹ لہجے میں کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گئیں۔

"اللہ نہ کرے کہ ثنا کو مجھ سے پہلے موت آئے کیا ہوا ہے اسے۔" انیس نے زیرِ لب کہا اور پھر کسی سوچ نے اس کا رُخ ڈاکٹر حمیرا مجید کے کمرے کی طرف موڑ دیا۔

"ثنا تم اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند رکھا کرو اگر تمہاری بھابیوں نے تمہیں الٹیاں کرتے دیکھ لیا نا تو وہ پورے خاندان میں چرچہ کردیں گی۔ جان سے ماردیں گی تمہیں اور باپ بھائیوں میں سے کسی کو خبر ہوگئی تو فوراً تمہیں گولی ماردیں گے اور خود پھانسی چڑھ جائیں گے۔ ہم میں اس گھر کی مزید رسوائی اور جگ ہنسائی برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں ہے۔ خدا غارت کرے اس ذلیل انسان کو جس نے ہمیں یہ دن دکھائے ہیں۔" سلمیٰ بیگم نے ثنا کو اس کے کمرے میں لاتے ہی دروازہ بند کرکے آہستگی سے کہا تو وہ ہارے ہوئے لہجے میں بولی۔

"اُسے بددُعا دینے سے کون سا ہمارا امتحان ٹل جائے گا۔ امی پلیز! آپ مجھے کہیں سے زہر لادیں یا میرا گلا دبادیں، ماردیں مجھے۔"

"میں نے ڈاکٹر حمیرا سے تمہاری جان چھڑانے کی بات کی ہے مگر وہ کہتی ہے کہ اس سے تمہاری زندگی کو خطرہ ہوسکتا ہے کیونکہ تم میں کمزوری بہت ہے اور یہ بھی کہ یہ تو قتل ہے اور وہ اس قتل میں شریک نہیں ہوسکتی۔ اسے کیا خبر کہ یہ ہماری آبرو کا قتل ہے۔"

"اب کیا ہوگا امی؟"

"ایک بات میرے دماغ میں آئی ہے انیس احمد کو وہاں دیکھ کر میں اس کی ممی کو فون کرکے کہتی ہوں کہ آکر ثنا کا اور انیس کا رشتہ طے کرلیں۔" سلمیٰ بیگم کو اُمید کی ایک ہلکی سی کرن دکھائی دی تو کہنے لگیں۔ ثنا ان کی خوش فہمی پر ہنس پڑی۔

"امی! آپ نے باعزت اور باعفت بیٹی کو ان کو بہو بنانے سے انکار کردیا تھا اب کیا وہ آپ کی بیٹی کو قبول کرلیں گی؟"

"بات کرنے میں کیا حرج ہے۔ زیادہ سے زیادہ انکار ہو جائے گا اور مزید ذلت کا منہ دیکھنا پڑے گا تو کیا ہوا یہ ذلت اس ذلت سے تو کم ہی ہوگی۔ میں بات کرتی ہوں تمہارے باپ سے لیکن انہیں تمہارے اُمید سے ہونے کا نہیں بتاؤں گی اور تم بھی کسی سے اس کا ذکر مت کرنا۔ اللہ کرے جو میں سوچ رہی ہوں وہ جائے۔" سلمیٰ بیگم نے مدہم آواز میں کہا اور اسے دروازہ اندر سے

لاک کرنے کا کہہ کر باہر نکل گئیں۔

"بچوں کی سی باتیں مت کرو سلمیٰ بیگم! ہم بیگم نفیس کو انکار کر چکے ہیں اب اپنے منہ سے کیسے اقرار کر لیں اور کیا وہ ثنا کو قبول کر لیں گی اب؟" سلمیٰ بیگم نے ریاض الحق سے بات کی تو وہ برہمی سے بولے۔

"پتا نہیں مگر میں ان سے بات ضرور کروں گی...... میں اپنی بیٹی کو یوں سسکتا، تڑپتا نہیں دیکھ سکتی۔ میں ماں ہوں آخر مجھے جو بھی راستہ بھائی دے گا میں اس طرف قدم ضرور بڑھاؤں گی۔ آپ کے بھائی بھاوج تو انکاری ہو گئے ہیں۔ انگوٹھی خرم خود واپس کر گیا ہے۔ اب آپ کس سے آس لگائے بیٹھے ہیں۔ بیگم نفیس کے آنے پر کیسے بڑے بول بولے تھے نا آپ نے اللہ نے شاید اسی کی سزا دی ہے ہمیں۔" سلمیٰ بیگم نے سنجیدگی سے کہا۔

"ٹھیک ہے جو تمہارا دل چاہے وہ کرو۔" ریاض الحق نے بے بسی اور ندامت کے احساس سے چور ہو کر کہا تو وہ بیگم آسیہ نفیس کو فون کرنے چلی گئیں۔

☆☆☆

"مما! وہ ٹھیک نہیں ہے۔" انیس احمد ٹوٹا ہوا گھر پہنچا اور سیدھا آسیہ بیگم کے پاس آ کر بولا۔

"کون ٹھیک نہیں ہے کس کی بات کر رہے ہو بیٹا؟"

"ثنا کی...... وہ میرے سوا کسی کی نہیں ہو سکتی مما پلیز آپ ایک بار آخری بار اس کے گھر چلی جائیں۔ اس کے ماں باپ سے اسے میرے لئے مانگ لیں پلیز مما! کسی بھی قیمت پر آپ اُسے میرے لئے مانگ لیں ورنہ وہ لوگ اُس کو مار دیں گے...... اور اگر وہ مر گئی نا مما تو آپ کا انیس بھی مر جائے گا۔" وہ ان کے ہاتھ تھام کر پرنم لہجے میں بولا تو وہ دنگ رہ گئیں۔

"اللہ نہ کرے، کیسی دل دکھانے والی باتیں کر رہے ہو۔ ثنا تمہاری دُلہن بنے گی ضرور بنے گی، پگلے پہلے تم ان لوگوں کے انکار کے صدمے میں پڑ گئے اور اب مرنے کی بات کر رہے ہو۔ خبردار آئندہ ایسی بات کہی۔" بیگم آسیہ نفیس نے اس کے چہرے کو ہاتھوں میں لے کر نرمی سے کہا۔

"آپ وعدہ کریں آپ ثنا کے گھر کل ہی جائیں گی۔"

"جاؤں گی میرے چاند کل ہی جاؤں گی...... تمہیں پتا ہے ثنا کی امی کا کچھ دیر پہلے فون آیا تھا، انہیں یہ رشتہ قبول ہے۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے یہ خوش خبری سنائی۔

"سچ مما......" وہ خوشی سے کھل اٹھا۔

"ہاں میرے چاند بالکل لیکن وہ اس کے علاوہ کوئی بات بتانا چاہ رہی تھیں کہہ رہی تھیں کہ

ان کی بات سننے کے بعد اگر ہمیں کوئی اعتراض نہ ہو تو بے شک اسی جمعے کو بارات لے کر آ جائیں۔"

"مما! ان کی بات جو بھی ہو آپ کو اسی جمعے کو ثنا کو میری دلہن بنا دینا ہے۔ بس کچھ بھی ہو آپ انکار نہیں کریں گی۔ مما ورنہ وہ لوگ ثنا کو مار دیں گے۔ آپ کے بیٹے کو مار دیں گے۔" وہ بھیگتے، بے قرار لہجے میں بولا اور اٹھ کر تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ بیگم آسیہ نفیس الجھن میں مبتلا ہو گئیں۔

☆☆☆

"آپ ثنا کے پاس بیٹھ کر باتیں کریں میں آپ کے لئے چائے بنا کر لاتی ہوں۔" سلمیٰ بیگم اگلے دن آسیہ نفیس کے آنے پر انہیں ثنا کے کمرے میں لاتے ہوئے بولیں۔ ان کی نظر ثنا کے چہرے پر پڑی تو حیران رہ گئیں۔

"ارے ثنا بیٹی کو کیا ہوا ہے؟" انہوں نے سلمیٰ بیگم کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"یہ آپ کو ثنا خود بتائے گی میں ذرا کچن سے ہو آؤں۔" سلمیٰ بیگم یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئیں اور بیگم آسیہ نفیس احمد ثنا کے پاس چلی آئیں اور ان کے سوال کے جواب میں اس نے روتے ہوئے اپنے اوپر گزرنے والی قیامت کا حال کہہ سنایا لیکن اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کے نتیجے میں اُمید سے ہونے والی تلخ حقیقت چھپا گئی تھی۔

"او میرے خدایا! ایک تو ظلم بھی تم پر ہوا اس پر تمہارے اپنوں نے تم سے دشمنوں کا سا سلوک روا رکھا ہوا ہے۔ افسوس صد افسوس۔" بیگم آسیہ نفیس نے تاسف اور دکھ سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں جانتی ہوں آنٹی کہ آپ بھی مجھے قبول کرنے کا حوصلہ نہیں کر پائیں گی۔ امی نے ناحق آپ کو زحمت دی ہے۔" وہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی تو انہوں نے اس کے سر پر دستِ شفقت رکھ کر نرمی سے کہا۔

"تم مجھے اوروں جیسا مت سمجھو۔ میں تمہیں قصوروار نہیں سمجھ رہی تم ایک بہادر لڑکی ہو۔"

"چائے تیار ہے آپ ڈرائنگ روم میں تشریف لے آئیں۔" سلمیٰ بیگم نے آ کر اطلاع دیتے ہوئے کہا تو وہ کھڑی ہو گئیں۔

"نہیں شکریہ! میں اب چلتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ دروازے کی سمت بڑھ گئیں اور سلمیٰ بیگم کی آخری اُمید بھی دم توڑ گئی۔

"اور ہاں......" بیگم آسیہ نفیس جاتے جاتے دروازے سے پلٹیں تو ان دونوں ماں بیٹی

نے انہیں حیرت سے دیکھا۔ ''پرسوں جمعے کا مبارک دن ہے۔ میں اپنے انیس احمد کی بارات لے کر آؤں گی۔ ثنا بیٹی کو دلہن بنا کر ہمارا استقبال کیجئے گا۔''

''جی...... آ...... آپ سب کچھ جان کر بھی ثنا کو اپنی بہو بنائیں گی۔'' سلمیٰ بیگم کے چہرے پر روشنی سی پھیل گئی تھی۔ حیرت، مسرت اور بے یقینی کے عالم میں انہیں دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

''ہاں اس لئے کہ یہ بچی معصوم ہے یہ شادی بہت دھوم دھام سے ہوگی۔ سب کی زہر اگلتی زبانیں بند ہو جائیں گی، ہم بڑی شان سے ثنا کو بیاہ کر لے جائیں گے۔ اب تو آپ کو کوئی اعتراض نہیں ہے نا اس رشتے پر؟''

''نہیں...... یا اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے مبارک ہو بیگم نفیس۔ اللہ آپ کو خوش رکھے۔ آپ تو فرشتہ بن کر میری بیٹی کی زندگی میں آئی ہیں۔'' سلمیٰ بیگم نے خوشی سے آبدیدہ ہوتے ہوئے ان کے ہاتھ تھام کر تشکر بھرے لہجے میں کہا۔

''روئیں نہیں سلمیٰ بہن! شاید ثنا اسی طرح میرے بیٹے کے نصیب میں لکھ دی گئی تھی۔'' بیگم آسیہ نفیس نے انہیں گلے لگا کر کہا اور ثنا تو حیرت زدہ تھی اور رُو بھی رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ خوشی کا کوئی در اب بھی اُس کے لئے کھل سکتا ہے۔

''ثنا بیٹی! اب تم بھی رونا بند کرو تم نے جتنا رونا تھا رُو لیا اب تو انشاء اللہ تمہارے مسکرانے اور ہنسنے کے دن شروع ہونے والے ہیں۔'' بیگم آسیہ نفیس نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے پیار سے کہا تو وہ بمشکل مسکرا سکی۔ ان کے جاتے ہی سلمیٰ بیگم نے یہ خوش خبری سب گھر والوں کو سنائی تو سب کو خوشگوار حیرت نے گھیر لیا۔

''واہ بھئی یہ تو قسمت کی دھنی نکلی۔ اتنی رسوائی کے بعد بھی اتنی پذیرائی حاصل ہو رہی ہے۔'' سائرہ بھابی نے کہا۔

''انیس احمد جیسا اسمارٹ اور ڈیشنگ بندہ اوپر سے کروڑ پتی دیکھو تو کیسا رنگ بدلا ہے ثنا کی قسمت نے۔'' ندا نے حسد بھرے لہجے میں کہا۔

''تم دونوں جلنے بکنے کی بجائے شادی کی تیاری کرو۔ اللہ کا شکر ادا کرنے کی بجائے الٹی سیدھی ہانکنے میں لگی ہیں۔'' اسرار الحق نے ان کی باتیں سن کر غصے سے کہا تو دونوں شرمندہ ہو گئیں۔

''کہیں وہ لوگ دھوکا ہی نہ دے دیں۔ ہم نے پہلے انکار کیا تھا وہ اس کا بدلہ نہ لیں۔ بارات نہ لا کر طلاق دے کر۔'' بشریٰ بھابی نے خدشہ ظاہر کیا۔

''تمہارے منہ میں خاک کبھی تو ڈھنگ کی بات کر لیا کرو۔ میں نے تو استخارہ بھی کیا تھا۔ یہ رشتہ نہایت مبارک رہے گا استخارے کی رو سے انشاء اللہ۔'' سلمیٰ بیگم نے اسے ڈپٹ کر کہا تو وہ منہ بسور کر رہ گئی۔

☆☆☆

''او تھینک یو مما! تھینک یو ویری مچ آپ بہت گریٹ مما ہیں۔ آئی لو یو مما آئی ریئلی لو یو۔'' انیس یہ خوش خبری سنتے ہی ان کے گلے سے لگ کر خوشی سے بولا تو وہ ہنس پڑیں۔

''آئی لو یو میرے بیٹے۔''

''تھینک یو مما۔''

''پگلے ماں کا شکریہ تھوڑی ادا کرتے ہیں بتا کہ اپنی دلہن کو تحفے میں کیا دے گا؟'' انہوں نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔

''تحفے میں اپنا آپ دوں گا۔'' وہ ان سے علیحدہ ہوتے ہوئے شرارت سے مسکراتے ہوئے بولا تو وہ ہنس پڑیں۔ ''شریر......''

''میں ابھی آیا مما۔''

''کہاں چلے؟''

''سجدۂ شکر ادا کرنے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

''جیتے رہو اللہ تمہیں اپنی شادی کی، اپنی زندگی کی ساری خوشیاں دکھائے۔'' انہوں نے ممتا بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے دل سے دعا دی۔

''آمین! اینڈ تھینک یو مما آئی لو یو مما۔'' انیس نے اُن کے ہاتھ چومتے ہوئے محبت سے کہا اور شکرانے کے نوافل ادا کرنے چل دیا۔

☆☆☆

ثنا کی شادی نے پورے خاندان میں آگ لگا دی تھی۔ سب کو بذریعہ ٹیلی فون مدعو کیا گیا تھا اور دوستوں، محلے داروں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ سب حیران تھے کہ ثنا کے لئے ایک دم سے ایسا کون سا بر مل گیا جو اس اغواء شدہ لڑکی کو قبول کر رہا ہے۔ نفیس احمد بھی بیٹے کی خوشی میں تھے۔ انہوں نے جہیز کے لئے منع کر دیا تھا۔ سلمیٰ بیگم نے ثنا کی شادی کی کافی تیاری تو کر رکھی تھی۔ کپڑے، جوتے، بستر، زیور بنا رکھا تھا سو وہ تو انہوں نے دینے کے لئے نکلوا لیا تھا۔ ثنا کی بَری بہت اعلیٰ تھی۔ ریڈی میڈ ملبوسات سب کچھ ایک دن کے آرڈر پر سلوائے جا رہے تھے۔

زیور کچھ بیگم آسیہ نفیس نے پہلے ہی اپنی چھوٹی بہو کے لئے بنوا رکھا تھا اور دو تین سیٹ انہوں نے مزید خرید لئے تھے۔ ساتھ میں سونے کے کنگن اور چوڑیاں بھی تھیں۔ سلمٰی بیگم کے لئے بھی سونے کا لاکٹ سیٹ خریدا گیا تھا۔ ''ریاض لاج'' میں شادی کی تقریب کا اہتمام بہت شاندار کیا گیا تھا۔ جس گھر میں کل تک صف ماتم بچھی ہوئی تھی آج اسی گھر میں نغمۂ شادی گونج رہا تھا۔ ثنا کا دل ڈرا ہوا تھا۔ اسے یہ خوف ستا رہا تھا کہ اگر انیس نے اسے دل سے قبول نہ کیا تو وہ کیا کرے گی؟ کہاں جائے گی؟ وہ نمازیں پڑھ پڑھ کر اپنے بہتر باعزت اور خوشگوار مستقبل کی دعائیں مانگتی رہی تھی اب تک۔

جلیس احمد اپنے بیوی بچوں کے ہمراہ چونکہ لندن میں مقیم تھے اور اتنی ایمرجنسی میں پاکستان نہیں آسکتے تھے لہٰذا ان کے سوا انیس احمد کے تمام رشتے دار دوست احباب انیس احمد کی شادی میں شریک ہوئے اور بہت معزز و اعلیٰ عہدوں پر فائز حضرات ان کے ساتھ بارات لے کر ''ریاض لاج'' پہنچے تھے۔ جہاں ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ ایجاب و قبول کی رسم ادا کی گئی تو ''ریاض لاج'' کے مکینوں کے سروں پر پہاڑ جتنا بوجھ سرک گیا تھا۔ سلمٰی بیگم کی آنکھیں خوشی سے بھیگ رہی تھیں وہ اللہ کا شکر ادا کر رہی تھیں کہ اس نے ان کی بیٹی کی عزت رکھ لی تھی۔ اسے مزید تماشا بننے سے بچالیا تھا۔

یہی حال ریاض الحق کا بھی تھا۔ سب ہی گھر والے اب ثنا کی قسمت پر رشک کر رہے تھے۔ ان کے غصے، نفرت اور غم سے جھلسے ہوئے چہروں پر جیسے بہار آگئی تھی۔ جب ثنا کی بَری دکھائی گئی تو خاندان بھر کی عورتوں نے حیرت سے اپنی انگلیاں دانتوں تلے داب لیں۔ سب کی آنکھیں حیرت اور حسد سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''اغواء شدہ اور داغ دار لڑکی کے لئے ایسا انمول بر اور بَری...... واہ رے اللہ تیری شان۔'' نرگس بیگم نے حسد سے جلتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ثنا بہت معصوم بچی ہے۔ اسے بدکردار کہنے اور سمجھنے والے دراصل خود بے کردار اور سطحی سوچ کے مالک ہیں۔'' بیگم آسیہ نفیس نے نرگس سمیت ہر اس عورت کو یہی جواب دیا جو اس قسم کی گوہر افشانی کر رہی تھی اور سب کے منہ بند ہوگئے۔ ثنا کا حق مہر پانچ لاکھ روپے بیگم آسیہ اور نفیس احمد نے اپنی مرضی سے لکھوایا تھا حالانکہ ریاض الحق تو شرعی حق مہر لکھوانے پر اصرار کر رہے تھے۔

ثنا کو انیس احمد کی سنگت میں دعاؤں کے سائے میں رخصت کر دیا گیا۔ ''نفیس ولا'' پہنچنے پر ثنا کا ایسا شاندار استقبال کیا گیا کہ اسے لمحے بھر کو تو یوں لگا جیسے وہ کسی جنت میں آگئی ہو۔ سرخ

قالین پیروں تلے بچھا تھا۔ دائیں بائیں کھڑی لڑکیاں شوخ جملوں اور قہقہوں کے ساتھ اس پر اور اس کے مجازی خدا پر پھولوں کی برسات کر رہی تھیں۔ بیگم آسیہ نفیس نے بہو اور بیٹے کا صدقہ اتارا۔ چار کالے بکروں کا صدقہ علیحدہ سے دیا گیا۔

دولہا دلہن کو عالیشان ڈرائنگ روم میں بٹھانے کے بعد فوٹو سیشن ہوا۔ مووی بھی مسلسل بن رہی تھی۔ ضروری رسومات کی ادائیگی کے بعد دلہن کو حجلۂ عروسی میں پہنچا دیا گیا۔ حجلۂ عروسی کی شان بھی نرالی تھی۔ پھولوں، کلیوں، ستاروں سے مہکتی جھلملاتی ہوئی سیج وسیع و عریض بیڈ روم میں صوفہ سیٹ، ٹی وی سیٹ، ڈیک، جہازی سائز کا بیڈ، ڈریسنگ ٹیبل، ہلکے نیلے رنگ کے پردے لگے تھے۔ براؤن رنگ کا قالین فرش کی زینت بنا ہوا تھا اور وہ یہ سب دیکھ کر حیران ہوئی جا رہی تھی۔

''یا اللہ! وہ خواب تھا یا یہ خواب ہے؟ کیا ہے یہ سب ایک بے آبرو لڑکی کی اس قدر پذیرائی...... یا اللہ وہ جگ ہنسائی اور رسوائی خواب تھی کہ یہ محبت بھری پذیرائی خواب ہے؟''

اور خود ثنا دلہن کے روپ میں کسی شہزادی سے کم نہیں لگ رہی تھی۔ سُرخ عروسی جوڑے پر سنہری کام کیا گیا تھا۔ اس پر طلائی زیورات، کلیوں کے ہار، گجروں، چوڑیوں کی آرائش نے اس کے حُسن کو چار چاند لگا دیئے تھے۔

حجلۂ عروسی کا در بہت آہستگی سے وا ہوا تھا اور ثنا کے دل کا ایک ایک گوشہ لرزنے لگا تھا۔ انیس احمد دروازہ لاک کر کے اپنی شیروانی کے بٹن کھولنے لگا۔ وہ سفید کرتا پاجامہ اور سیاہ جدید فیشن کی شیروانی کلاہ میں بہت وجیہہ لگ رہا تھا۔ شیروانی اور کلاہ وارڈ روب میں رکھنے کے بعد وہ دلہن کی سیج کی جانب بڑھا تو بہت مسرور تھا۔

''السلام علیکم!'' وہ خوشگوار لہجے میں سلام کرتے ہوئے اس کے رُو برو بیٹھ گیا۔ ثنا نے جواب تو دیا مگر صرف ہونٹ ہی ہلے آواز حلق سے نہ نکل سکی تھی۔ انیس احمد نے اُسے مسکراتے ہوئے بہت والہانہ پن سے دیکھا تھا۔ ثنا کے ہاتھ خوف سے کانپ رہے تھے۔

''یہ ہے آپ کی رونمائی کا تحفہ۔'' انیس نے ہاتھ میں موجود مخملی ڈبیہ کھول کر اس میں سے ہیرے کی بہت قیمتی انگوٹھی نکالی اور اس کے کانپتے ہاتھ کو تھام کر اس کی مخروطی انگلی کی زینت بنا دی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر نرمی سے سہلانے لگا۔ ثنا کے وجود میں جیسے کرنٹ سا دوڑ گیا۔ وہ ڈری ڈری، گھبرائی گھبرائی اس کے آتشِ شوق کو ہوا دے رہی تھی۔

''ثنا! میں پہلی نظر کی محبت پر کبھی بھی یقین نہ کرتا۔ اگر مجھے تم سے پہلی نظر میں محبت نہ ہو جاتی۔ آئی لو یو ثنا ریئلی لو یو۔'' انیس نے محبت پاش لہجے میں کہا تو اس کی جھکی ہوئی پلکیں اُوپر اٹھیں،

نظر کے سامنے انیس کا خوبرو چہرہ تھا۔ دل آپ ہی آپ بے قابو ہونے لگا۔

''آپ...... آپ جانتے ہیں جو کچھ میرے ساتھ ہوا؟''

''ہاں جانتا ہوں۔''

''سب کچھ......؟''

''ہاں سب کچھ۔''

''پھر بھی آپ نے مجھ سے شادی کرلی، کیوں؟''

''کیونکہ میں نے تم سے محبت کی ہے ثنا تمہیں پانے کے لئے دن رات دعائیں مانگی تھیں۔ اب تم میرے نام سے پہچانی جاؤ گی۔ بھول جاؤ اپنے ماضی کو تمہارا حال میں ہوں، تمہارا مستقبل مجھ سے وابستہ ہے، اس لئے میرے بارے میں سوچو، مجھے دیکھو، مجھے پرکھو، مجھے چاہو۔''

وہ اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اُسے نرمی سے سمجھاتے ہوئے بولا۔

''کیسے بھول سکتی ہوں میں ماضی کی تلخیاں؟ میرا وجود کسی کے گناہ کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہے۔'' وہ بھیگتے لہجے میں بولی۔

''میں جانتا ہوں کہ تم اُمید سے ہو۔''

''آپ کو کس نے بتایا؟'' اس نے حیرانگی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ڈاکٹر حمیرا سے اس روز میں نے معلوم کرلیا تھا۔''

''پھر کیوں کی آپ نے مجھ سے شادی؟''

''کیونکہ میری نظر میں تم باعفت اور باکردار ہو، پاکیزہ اور مقدس ہو۔''

''جھوٹ بول رہے ہیں آپ۔'' وہ اسے جھٹلاتے ہوئے سختی سے بولی۔ ''میری کوکھ میں کسی کے گناہ کا پھل پروان چڑھتے کیسے دیکھ سکتے ہیں آپ......؟ میں اس عذاب سے چھٹکارا پانا چاہتی ہوں پلیز میری مدد کریں...... میں اس بچے کو جنم نہیں دینا چاہتی۔''

''ایسا کرنے سے تمہاری زندگی کو خطرہ ہے اور میں ایسا کوئی رسک نہیں لوں گا اور اس ننھی جان کا کیا قصور ہے جو تم اسے مارنے پر آمادہ ہو؟'' انیس نے سنجیدہ مگر دھیمے لہجے میں کہا۔

''ثنا پلیز مت روؤ جو ہو چکا ہے اسے قبول کرلو جب میں تمہارے ساتھ ہوں تو تمہیں کس بات کا ڈر ہے۔ میں اس بچے کو اپنا نام دوں گا۔ یہ بچہ ہم دونوں کا کہلائے گا۔'' وہ اس کا ہاتھ تھام کر بولا۔

''لیکن......''

''کوئی لیکن ویکن نہیں، ورنہ میں خود کو ختم کرلوں گا۔ شادی کی پہلی رات ہی بیوہ ہو جاؤ گی تم پھر کیا نام لکھو گی اس بچے کی ولدیت کے خانے میں ہاں۔'' وہ خفگی سے بولا تو وہ سہم گئی اور روتے ہوئے بولی۔

''بس یہی محبت ہے آپ کی۔ شادی کی پہلی رات ہی مجھے بیوہ کرنے کی بات کررہے ہیں۔ میں تو پہلے ہی مررہی ہوں زندگی کی راہ دکھا کر مجھے بالکل ماردینا چاہتے ہیں آپ؟''

''نہیں میری جان! میں تو تمہیں پیار دینا چاہتا ہوں آئی ایم سوری اب نہ تم ایسی فضول بات کرنا نہ میں ایسی بات کہوں گا اوکے۔'' وہ اسے اپنی بانہوں میں لے کر محبت سے بولا تو اس نے آہستہ سے سر ہلا دیا۔

''گڈ! چلو تم کپڑے چینج کرلو تھک گئی ہوگی نا، پھر آرام سے سو جانا۔''

انیس نے بہت پیار سے کہا اور اُسے سہارا دے کر بیڈ سے اتارا اور اسے ڈریسنگ روم تک چھوڑ کر خود بیڈ پر آکر لیٹ گیا۔ وہ جانتا تھا ثنا کس کیفیت سے دوچار ہے اس لئے اُسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ وہ اسی میں بہت مسرور تھا کہ اس کی محبت اس کی پناہ میں آگئی تھی اور ثنا کو انیس کی اس خیال کرنے والی ادا نے بہت متاثر کیا تھا۔ وہ اس کی بہت ممنون تھی۔

وہ لباس تبدیل کرکے کمرے میں آئی تو انیس سوچکا تھا۔ شاید وہ بھی تھکا ہوا تھا یا ثنا کو جھجکنے کترانے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔ ثنا نے تشکر سے اسے دیکھا اور اس سے کچھ فاصلے پر بیڈ پر آکر لیٹ گئی۔ آنکھیں موندیں تو نیند کی دیوی لمحوں میں اس پر مہربان ہوگئی۔

صبح اس کی آنکھ انیس کے جگانے پر کھلی تھی۔ اسے اپنے پاس بیٹھا دیکھ کر وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور جلدی سے دوپٹہ شانوں پر پھیلا لیا۔ وہ ہنس کر بولا۔

''سوری یار جگانا تو نہیں چاہئے تھا لیکن کیا کرتا مما دوبار خود بلانے آچکی ہیں۔ ناشتہ تیار ہے نیچے دولہا دولہن کا انتظار ہو رہا ہے اس لئے جلدی سے تیار ہو جاؤ۔'' اور ثنا حجاب میں گھری اُٹھ کر تیار ہونے لگی۔

☆☆☆

دو دن بعد وہ ہنی مون کے ارادے سے مری چلے آئے۔ انیس نے اس رشتے کے حوالے سے ثنا کو اس کی حالت و کیفیت کے سبب اب تک نہیں جتایا تھا اپنا حق استعمال نہیں کیا تھا کیونکہ اس کے قریب آنے پر معصوم بچے کی طرح خوفزدہ سی ہو کر پیچھے ہٹنے لگتی تھی۔ ماضی کی اُس تاریک شب کے سفاک لمحوں کی اداشناسی نے چشم حیرت کو سہم ناکی کا مستقل روگ دے دیا تھا۔ آج جب رات کو

انیس اس کے قریب آ کر لیٹا اور اس نے اُسے ابھی چُھوا ہی تھا کہ وہ خوف سے چیخنے لگی۔

"نہیں...... مجھے مت چُھونا...... مجھے مت چُھونا پلیز......"

"ثنا! ثنا! ہوش میں آؤ میں انیس ہوں۔" انیس نے سٹپٹا کر اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ وہ لوگ ایک ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے ہوئے تھے اور انیس کو ڈر تھا کہ کہیں ریسٹ ہاؤس کا عملہ ثنا کی چیخیں سن کر نہ چلا آئے۔ وہ کچھ نہ کر کے بھی شرمندہ ہو رہا تھا۔

"لائٹ کیوں بند کی ہے...... لائٹ جلا دیں پلیز۔" وہ روتے، لرزتے لہجے میں بولی تو انیس نے بیڈ سے اُتر کر فوراً لائٹ آن کر دی۔ وہ سہمی سکڑی بیٹھی رو رہی تھی، کانپ رہی تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر انیس کا دل ڈوبنے لگا۔

"یا اللہ! میں کیا کروں کہ ثنا کے دل و دماغ سے اس واقعے کا خیال جاتا رہے یہ تو اپنے اندر خوف پال رہی ہے او گاڈ میری مدد فرما۔" انیس نے بے بسی سے باآواز بلند اللہ تعالیٰ سے فریاد کی تو ثنا کو جیسے ہوش سا آ گیا۔ وہ اپنی اس حرکت پر شرمندہ ہونے لگی۔

"ثنا میں ہوں تمہارا انیس۔ مجھ سے مت ڈرو جان! اب میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا شاباش لیٹ جاؤ سو جاؤ۔"

انیس نے اس کے پاس آ کر اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے پیار سے کہا اور اُسے پکڑ کر لٹا دیا اور کمبل اس کے اوپر پھیلا دیا۔

"لائٹ بند مت...... کیجئے گا۔" وہ کانپتی آواز میں بولی۔

"اچھا نہیں کروں گا تم سونے کی کوشش کرو۔" انیس نے بیڈ کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے نرمی سے کہا تو اس نے آنکھیں موند لیں۔ انیس دھیرے دھیرے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتا رہا کچھ دیر بعد وہ نیند کی وادی میں اُتر چکی تھی اور انیس، اس کی آنکھوں کو رت جگا سونپ دیا تھا اس کے اس ردعمل نے...... وہ بہت دیر تلک کمرے میں ٹہلتا رہا پھر وضو کر کے تہجد کی نماز کی نیت کر کے جائے نماز پر کھڑا ہو گیا۔

صبح وہ اٹھی تو انیس سے نظریں نہیں ملا پا رہی تھی۔ اپنی رات والی حرکت پر وہ بہت پشیمان تھی لیکن ایسا اس نے جان بوجھ کر نہیں کیا تھا۔ وہ تو خود بخود ہو گیا تھا۔ انیس اس کی کیفیت محسوس کر رہا تھا، دیکھ رہا تھا اسے وہ ناشتے کے وقت بھی خاموش نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔ چُپ تو وہ بھی تھا لیکن اس نے خود کو سنبھال لیا تھا اور اس خاموشی کو توڑتے ہوئے ثنا کے لئے سلائس پر جیم اور مکھن لگا کر اس کے سامنے پلیٹ میں رکھتے ہوئے بولا۔

"لیجئے بیگم صاحبہ! ناشتہ شروع کیجئے۔"

ثنا نے اس کی جانب دیکھا وہ بڑے مگن انداز میں کپ میں چائے انڈیل رہا تھا۔ وہ اس سے معذرت کرنا چاہتی تھی لیکن زبان اور ہمت ساتھ نہیں دے رہے تھے سو چپ چاپ سلائس اٹھا کر کھانے لگی۔ آدھا سلائس کھاتے ہی اسے متلی ہونے لگی اور وہ تیزی سے اٹھ کر واش روم کی جانب دوڑی۔ کھایا پیا سب قے کے ذریعے باہر آ گیا تھا۔ انیس نے اپنے لئے سلائس پر مکھن لگایا تھا لیکن اب ثنا کی حالت دیکھ کر اس کا بھی کچھ کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ چائے کے دو گھونٹ بھر کر اُٹھ گیا۔

"آپ مجھے اس مصیبت سے نجات دلانے میں میری مدد کیوں نہیں کرتے؟" ثنا نے کمرے میں آتے ہی نڈھال لہجے میں اس سے کہا۔

"میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں میں تمہاری جان کا رسک نہیں لے سکتا اور ایسا کرنے سے تم آئندہ کے لئے اولاد کی نعمت سے محروم بھی ہو سکتی ہو طرح طرح کی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں اور یہ تو ایک معصوم جان کا قتل ہو گا۔ ثنا تم سمجھتی کیوں نہیں ہو۔ اللہ بھی ناراض ہو گا ہمارے اس فعل سے اور جب میں اس بچے کو اپنا نام دے رہا ہوں تو تمہیں کیا پریشانی ہے ہاں؟" وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"لیکن یہ بچہ آپ کا تو نہیں ہے۔"

"تمہارا تو ہے نا۔"

"میرا بھی نہیں ہے۔"

"پاگل لڑکی! بچہ تمہارے سوا کس کا ہو سکتا ہے تم ماں ہو اس بچے کی، بچہ تو تمہارا ہی ہوا نا۔" وہ اُسے نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

"مگر میں اسے نہیں پالوں گی۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"تو کون پالے گا؟"

"دے دیجئے گا کسی یتیم خانے کو یا کسی بے اولاد جوڑے کو۔"

"کیوں دیں ہم اپنا بچہ کسی کو؟" انیس نے اس کے سامنے آ کر سپاٹ لہجے میں کہا۔

"کیونکہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔"

"ہاں ہم تو جیسے پہلے ہی درجن بھر بچوں کے مما پپا ہیں نا کہ ہم اپنا بچہ کسی غیر کی جھولی میں ڈال دیں۔ یہ بچہ تمہاری گود میں ہی پروان چڑھے گا...... اور اگر تم اسے ختم کرانا چاہتی ہو تو ایسا

کرنے سے پہلے تم مجھے ختم کر دینا۔'' وہ سپاٹ اور اٹل لہجے میں بولا۔

''ایسا مت کہیے پلیز! میرا اب کون ہے آپ کے سوا؟ آپ کے بغیر تو میں پھر سے ذلت و رسوائی کے گڑھے میں گر جاؤں گی، بے سائبان ہو جاؤں گی۔'' وہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر تڑپ کر روتے ہوئے بولی۔

''اچھا روؤ مت پلیز! تمہارے یہ آنسو مجھے رات بھر بے چین کئے رکھتے ہیں۔ میں تمہارا ہوں تمہارے ساتھ ہوں پھر کیوں ڈرتی ہو تم بھول جاؤ گزرے لمحوں کو، مت دہراؤ ماضی کو تمہارا آج اور کل اب میں ہوں مجھ پر بھروسہ کرو ثنا۔'' وہ اسے پیار سے سمجھاتے ہوئے اس کے آنسو پونچھ کر نرمی سے بولا۔

''آپ پر تو بھروسہ ہے لیکن تقدیر سے ڈر لگتا ہے اگر وہ شخص کبھی اچانک میرے سامنے آ گیا تو......''

''تو کیا تم اسے پہچان لوگی۔''

''نہیں، اس نے اپنا چہرہ سیاہ ماسک میں چھپا رکھا تھا لیکن اگر کبھی وہ دوبارہ میرے سامنے آیا تو میں اُسے گولی مار دوں گی، ختم کر دوں گی اُسے۔'' وہ غصے سے، نفرت اور آنسوؤں میں بھیگتے لہجے میں بولی۔

''فی الحال تو تم آرام کرو اور ایک بات اور آئندہ ہمارے بیچ اس موضوع پر کوئی بات نہیں ہوگی۔ ہم یہاں ہنی مون منانے آئے ہیں رونے رُلانے نہیں آئے...... تم بھی عجیب لڑکی ہو اتنے رومینٹک ماحول میں اتنی اَن رومینٹک گفتگو کر رہی ہو۔ میں تمہارا دھیان بٹانے، دل بہلانے کے لئے یہاں لایا ہوں اور تم ہو کہ خیر چھوڑو تم ناشتہ کرو اپنی صحت کا خاص خیال رکھنا ہے اب تمہیں۔'' وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولا۔ وہ مزید شرمندہ ہو گئی۔ وہ اس کا اتنا خیال رکھ رہا تھا اور وہ تھی کہ اُسے مسلسل ہرٹ اور نظر انداز کئے جا رہی تھی۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟'' اسے جیکٹ پہن کر دروازے کی جانب بڑھتے دیکھ کر اس نے فوراً پوچھا۔

''باہر مارکیٹ تک جا رہا ہوں۔'' وہ اس کی جانب دیکھے بغیر جواب دے کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ وہ اس کے رویے کی وجہ سے ہرٹ ہوا ہے اور خفا بھی ہے اس لئے اکیلا چلا گیا ہے۔ اس نے دروازہ اندر سے لاک کر لیا۔

''میں کیا کروں اتنے پیارے شخص کو خفا کر کے میں کب خوش ہوں؟'' وہ بیڈ پر بیٹھتے

ہوئے بے بسی سے بولی۔

''ثنا تم خوش نصیب ہو کہ انیس جیسے اعلیٰ ظرف اور کشادہ دل انسان کی شریک حیات بنی ہو۔ اس نے تمہیں، تمہاری ذات سے وابستہ ہر ذلت، بدنامی اور رسوائی سمیت دل و جان سے قبول کیا ہے۔ حد یہ ہے کہ تمہارے وجود میں پھوٹنے والی کونپل کو بھی اپنا نام دے رہا ہے تمہاری پیشانی پر لگا داغ اپنی محبت کے پانی سے دھو رہا ہے اور تم اس شخص کو اپنی محبت سے، اس کے جائز اور شرعی حق سے محروم رکھے ہوئے ہو...... اس نے تو تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی، پھر تم کیوں اس کے ساتھ یہ زیادتی کر رہی ہو؟ بھول جانے میں ہی عافیت ہے، اللہ کا شکر ادا کرو اور انیس کو اپنی محبت کا یقین دلا کر اُسے منا لو۔ وہ بہت محبت کرتے ہیں تم سے...... ایک خرم تھا جس کی محبتیں محض دعویٰ تھیں، باتیں تھیں اور ایک انیس احمد ہیں جن کی محبت عمل سے شروع ہو کر عمل پر محیط ہو جاتی ہے۔ اپنے آج اور آنے والے کل میں جینا سیکھو ثنا...... یہ مت دیکھو اور سوچو کہ گزرے ہوئے کل نے تمہیں کیا دیا ہے......؟ یہ دیکھو اور سوچو کہ آج اور آنے والا کل تمہیں کیا دے رہا ہے...... اپنے دامن میں پڑے ماضی کے دکھوں کے پتھر پھینک دو ورنہ یہ پتھر تمہیں تمام عمر لہولہان کرتے رہیں گے۔ لہٰذا اپنے دامن میں کھلنے والے پھولوں پر نظر رکھو جو انیس احمد کی محبت سے مہک رہے ہیں۔''

ثنا کے دل و دماغ نے اسے سمجھایا تو ان کی باتیں اس کی سمجھ میں آ گئیں۔ اب وہ اس کے آنے کی منتظر تھی لیکن پانچ گھنٹے گزر جانے کے باوجود جب وہ نہیں آیا تو ثنا کی جان پر بن آئی۔ وہ انجان جگہ پر اکیلی تھی۔ ہمت کر کے وہ کمرے سے ہی نہیں ریسٹ ہاؤس سے بھی باہر نکل آئی اور انیس کی تلاش میں چاروں طرف نگاہ دوڑا کر دیکھا تو اسے دائیں جانب ایک ہوٹل کے باہر رکھے سنگی بنچ پر بیٹھا دکھائی دیا۔

''یا اللہ! تیرا شکر ہے۔'' ثنا کی جان میں جان آئی وہ کلمہ شکر ادا کرتی ہوئی تیزی سے اس کی جانب بڑھی تھی اور اس کے قریب پہنچتے ہی شکوہ کناں ہوئی۔

''آپ...... یہاں بیٹھے ہیں اور میں وہاں اکیلی پریشان ہو رہی ہوں کب سے، ایک اجنبی جگہ پر آپ مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے آئے۔''

''آئی ایم سوری تم چلو میں آتا ہوں۔'' انیس نے چونک کر اس کے چہرے کو دیکھا جہاں سچ مچ پریشانی اور خوف تھا۔ وہ شرمندہ ہو کر بولا۔

''نہیں آپ بھی میرے ساتھ چلیں مجھے وہاں ڈر لگ رہا تھا۔''

''اچھا چلو۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا ہوا،

"ریسٹ ہاؤس" آگیا۔

"مجھے بھوک لگ رہی ہے۔" ثنا نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جان! بھوک تو مجھے بھی لگ رہی ہے۔ صبح سے ہم دونوں نے کچھ کھایا ہی نہیں ہے۔ میں ابھی کھانا منگواتا ہوں پھر مل کر ہی کھائیں گے۔" انیس نے مسکرا کر اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا اور پھر کھانے کا آرڈر دے دیا۔ کھانا آیا تو دونوں نے بہت خاموشی سے کھایا۔ پھر وضو کر کے عصر کی نماز ادا کی اور اس کے بعد انیس ٹی وی آن کر بیٹھ گیا اور ثنا بھی خاموشی سے ٹی وی دیکھنے لگی مگر جلد ہی وہ اُکتا سی گئی اور اُٹھ کر کمرے سے باہر آگئی۔ انیس نے کن اکھیوں سے اُسے جاتے ہوئے دیکھا۔ کافی دیر کے بعد بھی جب وہ واپس نہ آئی تو انیس کو تشویش لاحق ہوئی۔ وہ اُٹھ کر باہر آگیا وہ بالکونی میں کھڑی دُور اُفق پر نجانے کیا تلاش کر رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اُداسی رقم تھی۔ انیس لب کاٹنے لگا اور سرد ہوا کے جھونکے نے اسے کانپنے پر مجبور کیا تو وہ بڑھ کر ثنا کے قریب آیا اور اس کے شانوں پر پیچھے سے ہاتھ رکھ دیئے۔ ثنا نے سٹپٹا کر گردن گھمائی۔

"اندر چلو ٹھنڈ لگ جائے گی میری غلطی کی سزا خود کو کیوں دے رہی ہو؟" وہ نرمی سے بولا۔

"آپ کی غلطی......" وہ سمجھی نہیں اس کا اشارہ کس جانب تھا۔

"ہاں بھئی میں تمہیں اکیلا چھوڑ کر کئی گھنٹے باہر جو رہا ہوں آؤ شاباش رات ہو رہی ہے۔" وہ محبت سے بولتا اسے اپنے ساتھ لگائے کمرے میں لے آیا۔ رات کو جب سونے کا وقت ہوا تو انیس بیڈ پر لیٹنے کی بجائے تکیہ اٹھا کر صوفے پر آگیا۔ ثنا نے حیرت سے اسے دیکھا اور پوچھا۔

"آپ صوفے پر سوئیں گے کیا؟"

"ہاں!"

"کیوں......؟"

"میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تم تکلیف محسوس کرو اور سکون سے سو ہی نہ سکو۔" انیس نے سنجیدگی سے جواب دیا تو وہ شرمندگی سے زمین میں گڑھ گئی اور پھر چند لمحوں بعد خود کو سنبھال کر بولی۔

"آپ پلیز بیڈ پر آ کر سوئیں، میری نیند تو ویسے بھی خراب ہو چکی ہے۔"

"جبھی تو میں بیڈ پر نہیں سونا چاہ رہا۔" انیس نے اس کی بات سن کر کہا۔

"میں آپ کو صوفے پر بھی سونے نہیں دوں گی۔"

"اچھا بابا نہیں سوتا صوفے پر لو آ گیا بیڈ پر اب خوش۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا اور بیڈ پر آ کر نیم دراز ہو گیا۔

"آپ خفا ہیں مجھ سے؟" وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ انیس نے کوئی جواب نہیں دیا ثنا نے بے قرار ہو کر اسے دیکھا اور دلگیر لہجے میں کہا۔

"آئی ایم سوری۔"

"سوری مگر کس لئے......؟"

"کل رات میں نے آپ کو ہرٹ کیا تھا نا۔ پتا نہیں مجھے کیا ہو گیا تھا؟" وہ نظریں جھکائے ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کرتے ہوئے بھیگے لہجے میں بولی تو انیس کو اس پر بے اختیار پیار آنے لگا۔

"مجھے تم پر گزری قیامت کا اندازہ ہے۔ ثنا میں تمہاری کیفیت سمجھ سکتا ہوں۔ تمہارے دکھ کو سمجھ سکتا ہوں لیکن میری جان، زندگی کسی ایک سانحے، واقعے یا حادثے پر ختم نہیں ہو جاتی۔ جب تک سانسیں باقی ہیں اسے تو جاری رہنا ہے تو اچھا نہیں ہے کہ ہم اس زندگی کو نئی خوشی پیار محبت سے گزارنے کی کوشش کریں...... اور ثنا میری جان میں تمہارا شوہر ہوں۔ تم بیوی ہو میری اور میاں بیوی ایک دوسرے کا لباس ہوتے ہیں۔ ان کی ہر خوشی اور راحت ایک دوسرے سے وابستہ ہوتی ہے لیکن اگر تمہیں میرا قرب تکلیف دیتا ہے تو میں آئندہ تمہیں نہیں چھوؤں گا۔ بس تم رویا نہ کرو تمہاری آنکھوں کے آنسو میری آنکھوں کے رت جگے بن جاتے ہیں۔" وہ اس کے چہرے کو محبت سے دیکھتے ہوئے گویا ہوا۔

"پلیز! مجھے معاف کر دیجئے میں جانتی ہوں آپ صحیح کہہ رہے ہیں...... میں آئندہ خیال رکھوں گی۔ آپ نے مجھے محبت دی ہے بھلا مجھے آپ سے کیوں تکلیف ہو گی؟" وہ اس کے چہرے کو پرنم آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"پکی بات ہے؟" انیس نے مسکراتے ہوئے اس کی شربتی آنکھوں میں دیکھا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر یہاں آؤ۔" انیس نے مسکراتے ہوئے اپنی بانہیں پھیلا کر کہا تو وہ لمحے بھر کو جھجکی مگر اب وہ اسے مزید امتحان میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی سو فوراً اس کی مہربان بانہوں میں آسمائی اور اس کے کشادہ سینے پر سر رکھ کر پُر سکون ہو گئی۔ انیس نے اسے متاعِ حیات کی طرح سمیٹ لیا تھا۔

چادرِ شب شانوں سے سرکتی جا رہی تھی۔ چاند اس کے آنچل میں ستارے ٹانک رہا تھا۔ کتنی خوبصورت، انوکھی اور حسین رات تھی یہ انیس کی محبت بھری باتیں، اس کے پیار کا لمس، اس کی چاہت کا جادو ثنا کے پورے وجود کو سرشار، سیراب، شاداب کرتا جا رہا تھا۔

وہ رات بھر اسے اپنی محبتوں کا خراج پیش کرنے کے بعد صبح نیند کی وادی میں اتر گیا، وہ بہت مسرور سی اس کے چہرے کو محبت سے دیکھ رہی تھی جو کسی معصوم بچے کی مانند لگ رہا تھا۔ ثنا کے دل میں اس کے لئے محبتوں کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ وہ اسے تکے جا رہی تھی۔ محبت اور چاہت سے، جس کی محبتوں نے اس کی زندگی کی غمزدہ، تاریک شب میں مسرتوں کا ماہتاب روشن کر دیا تھا۔

اور پھر انیس احمد کی سنگت میں گزرتا ہر دن، ہر شب ہر پل ثنا کے تن و من میں گلاب کھلاتا جا رہا تھا وہ بہت خوش تھی انیس احمد کے لئے اس کا دل محبت سے بھرا ہوا تھا۔ وہ انیس کی بے حد ممنون تھی کہ جس نے اس کی مانگ میں اُڑتی راکھ کو اپنے پیار کی افشاں میں بدل ڈالا تھا۔ اس کے تار تار آنچل کو ستاروں سے ٹانک کر بھر دیا تھا۔ وہ دونوں پندرہ دن تک شمالی علاقہ جات میں سیر کرنے کے بعد گھر واپس لوٹے تو ان دونوں کے چہروں پر بہت تازگی اور شادابی تھی۔ جسے دیکھ کر سب گھر والے بہت خوش تھے کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوشگوار لمحات گزار رہے ہیں۔

ندا "نفیس ولا" ثنا سے ملنے آئی ہوئی تھی۔ ثنا نے اُسے پورا گھر دکھایا پھر چائے کے ساتھ ڈھیروں لوازمات سے اس کی تواضع کی۔ باقی گھر والے کہیں گئے ہوئے تھے اس لئے ثنا کو اکیلے ہی اسے کمپنی دینا تھی۔ ندا دیکھ رہی تھی کہ شادی کے ایک مہینے کے اندر اندر ہی ثنا کھل کر پھر سے گلاب بن گئی تھی۔ اس کے چہرے کی سرخی اور بڑھ گئی تھی۔ سیاہ ویلوٹ کے نفیس سوٹ میں ہیرے کا نازک سا سیٹ پہنے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ ندا کو اس سے حسد محسوس ہو رہا تھا۔ بہن کی خوشی اسے ایک آنکھ نہیں بھا رہی تھی۔

"ثنا تم خوش تو ہو نا یہاں؟" ندا نے اسے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"ہاں اللہ کا شکر ہے میں بہت خوش ہوں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"حالانکہ جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا تھا اس کے بعد تو تمہیں شرم سے ڈوب مرنا چاہئے تھا۔ خودکشی کرنے کی بجائے تم خوشی خوشی زندگی بسر کر رہی ہو۔ بہت ہی ڈھیٹ ہو بھئی تم تو۔" ندا نے زہرافشانی کی تو اس کا دل چھلنی ہو گیا۔

"جب میرا کوئی دوش ہی نہیں تھا تو میں کیوں حرام موت مرتی؟ تم لوگوں کو تو خوش ہونا چاہئے کہ مصیبت سے تمہاری جان چھوٹ گئی ہے ہمیشہ کے لئے۔ انیس بہت اچھے انسان ہیں تو پھر میں خوش کیوں نہ رہوں۔ اللہ کا شکر ادا کیوں نہ کروں؟" ثنا نے اپنی ہمت مضبوط کر کے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"تمہیں انیس بھائی بزنس ڈنر وغیرہ میں تو لے جاتے ہوں گے۔ سنا ہے کہ امیر آدمی

خوبصورت بیوی کے عیب صرف اس لئے بُھلا دیتا ہے کہ اسے بیوی کی خوبصورتی اور حُسن کو اپنے بزنس کی ترقی کا زینہ بنانا ہوتا ہے تمہارے شوہر تمہیں طعنہ تو ضرور دیتے ہوں گے اغواء شدہ اور رُسوا لڑکی ہونے کا ہے نا۔" ندا نے طنزیہ لہجے میں کہا تو وہ فوراً بولی۔

"نہیں...... انہوں نے مجھ سے اس واقعے کے متعلق کبھی کچھ نہیں پوچھا۔ وہ بہت نفیس اور عظیم انسان ہیں۔ انہوں نے مجھ سے اپنے بزنس کے متعلق بھی کوئی بات نہیں کی۔ وہ تو مجھے کچھ بُھول جانے کے لئے کہتے ہیں۔ اُن کے متعلق تم ایسی فضول باتیں نہ ہی کرو تو اچھا ہے اس ایک واقعے نے کس طرح تمہاری ذہنی پستی کو سامنے لا کھڑا کیا ہے۔ افسوس صد افسوس۔"

"تمہیں اتنا اچھا رشتہ نہ ملتا تب پتہ چلتا کہ زندگی کیسے گزرتی ہے۔"

"مس ندا! آپ کے بھائی آپ کو لینے آئے ہیں۔ جائیے۔" اسی وقت انیس ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے اس کی طرف دیکھ کر سنجیدہ لہجے میں کہا وہ ان دونوں کی ساری گفتگو سن چکا تھا۔

"اوہ انیس بھائی آپ کیسے ہیں؟" ندا نے سٹپٹا کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کم از کم میں ویسا نہیں ہوں جیسا آپ مجھے سمجھتی ہیں۔ میں بیوی کو اپنے دل اور گھر میں رکھنے کا قائل ہوں ندا بی بی۔ اُسے بزنس کی ترقی کا زینہ بنانے والوں میں سے نہیں ہوں اور الحمدللہ ہمارا بزنس پہلے ہی بہت ترقی کر چکا ہے ہمیں ایسی گھٹیا حرکتیں کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں ایک بات اور۔" انیس نے اس کے شرم سے زرد ہوتے چہرے کو دیکھتے ہوئے بارعب لہجے میں کہا۔

"آئندہ اپنے دل و دماغ سے منفی سوچوں کو نکال کر اپنی بہن کے گھر تشریف لائیے گا۔ اس سے حسد کرنے کی بجائے اپنی سطحی سوچ کو صحیح کرنے کی پاکیزہ اور مثبت بنانے کی کوشش کیجئے گا۔ ثنا ایک باحیا اور باکردار لڑکی ہے اس کے کردار پر کیچڑ اُچھالنے سے بہتر ہے کہ آپ اپنے کردار و گفتار پر غور کریں۔ سگی بہن ہو کر آپ کے یہ خیالات ہیں اپنی بہن کے لئے بہت افسوس کی بات ہے۔"

"آئی ایم سوری اللہ حافظ۔" ندا نے شرمندگی سے کہا اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

"لندن...... ہم لندن چلے جائیں گے پاپا مجھے وہاں بزنس کی دیکھ بھال کے لئے بھیجنا چاہ رہے تھے تب جلیس بھائی نے وہاں کا آفس سنبھال رکھا تھا۔ وہ اب اپنی فیملی کے ساتھ پاکستان آ گئے ہیں تو میں تمہیں لے کر وہاں شفٹ ہو جاؤں گا اور اس طرح تم بھی ان کم ظرف لوگوں کی باتوں کے نشتر سے محفوظ رہو گی۔" انیس نے سنجیدگی سے بتایا تو وہ اسے پیار سے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"آپ کیوں میرے لئے یہ سب کرنا چاہ رہے ہیں آپ اتنے اچھے کیوں ہیں؟"

''میں کہاں اچھا ہوں ڈارلنگ! میں تو بہت گناہ گار اور خطا کار انسان ہوں۔ بس تمہاری معصومیت اور محبت نے بہت پہلے مجھے بے بس کر کے رکھ دیا تھا۔'' وہ ذرا سا مسکرا کر بولا تو اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''آپ خود کو گناہ گار کیوں کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ آپ نے کبھی کوئی چیونٹی بھی ماری ہوگی۔''

''ہاں چیونٹی تو نہیں ایک تتلی میرے ہاتھوں میں دم توڑ گئی تھی۔'' انیس نے گہری سانس لے کر کہا تو وہ اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔

ان دونوں کے لندن جانے کے تمام انتظامات مکمل ہو گئے تھے اور انیس نے جانے سے پہلے بیگم آسیہ نفیس احمد یعنی اپنی مما کو اپنے باپ بننے کی خبر سنا کر نہال کر دیا تھا اور انہوں نے اسے بہت ساری ہدایات دی تھیں۔

''انیس بیٹا! ثنا کا ہر طرح کا خیال رکھنا۔ اسے پریشان اور تنہا مت کرنا۔''

''او کے مما اور ثنا سے بھی کہیئے کہ یہ میرا بہت سارا خیال رکھے وہاں۔'' وہ مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے بولا۔ ثنا شرمیلے پن سے مسکرا رہی تھی۔

''تم دونوں ہی ایک دوسرے کا خیال رکھنا۔ ثنا بیٹا ڈرنا مت انیس تم سے بہت پیار کرتا ہے جانتی ہو تمہارے والدین کے رشتے سے انکار کے صدمے نے انیس کو بیمار کر دیا تھا اور پھر جس روز اس نے تمہیں ہسپتال میں سے جاتے دیکھا تھا گھر آتے ہی میری منت سماجت کرنے لگا کہ مما ثنا کو میرے لئے مانگ لیں ورنہ اس کے گھر والے اسے ماردیں گے اور میں مر جاؤں گا۔ یہ تو دیوانہ ہے تمہارا۔'' بیگم آسیہ نفیس احمد اس پر انکشافات کر کے اسے حیران اور شاداں کر رہی تھیں۔ وہ بہت چاہت سے انیس کو دیکھ رہی تھی۔

''مما! آپ میرے سارے سیکرٹ آؤٹ کر رہی ہیں۔ دیکھ لیجئے گا یہ وہاں جا کر نخرے دکھائے گی سر چڑھ جائے گی۔'' انیس نے مصنوعی خفگی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اس ہنسی سے انیس کی روح میں جیسے قوسِ قزح آ گئی ہو۔ اس نے بہت چاہت سے ثنا کو دیکھا تھا۔

سب سے مل کر وہ دونوں لندن کے لئے پرواز کر گئے۔ ثنا کے میکے والوں نے اس کے لندن جانے پر کلمہ شکر ادا کیا تھا کہ اب لوگوں کی باتیں خود بخود دم توڑ دیں گی۔

☆☆☆

رات کا تیسرا پہر تھا۔ ثنا کی اچانک آنکھ کھلی تھی اور اس نے انیس کو آج پھر اپنی جگہ سے غائب پایا تھا۔ ایسا اکثر ہوا تھا کہ انیس بستر سے غائب ہوتا تھا وہ اس کو ڈھونڈنے نکلتی تو وہ دوسرے کمرے میں جائے نماز پر رکوع و سجود میں تسبیح و مناجات میں مشغول دکھائی دیتا۔ وہ پانچ وقت باقاعدگی سے نماز ادا کرتا تھا اور تہجد بھی پڑھتا۔ اس کی آنکھیں رات کے اس پہر بھیگتی، چھلکتی رہتی تھیں۔ وہ اتنا کیوں روتا ہے یہ بات ثنا کی سمجھ میں آج تک نہیں آئی تھی۔ وہ خاموشی سے اپنی جگہ پر آ کر لیٹ جاتی تھی لیکن آج اس نے اس سے پوچھنے کا تہیہ کر لیا تھا سو اس کے نماز و دعا سے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔ وہ جائے نماز رکھ کر واپس پلٹا تو اسے دروازے میں کھڑا دیکھ کر ٹھٹھک گیا اور اس کے پاس آتے ہوئے استفسار کرنے لگا۔

''تم...... کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری کیوں چلی آئیں؟''

''ایک بات پوچھوں......؟'' ثنا نے اس کی بھیگی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''پوچھو......''

''آپ اس وقت عبادت کیوں کرتے ہیں؟''

''اس وقت عبادت کا ثواب سب سے زیادہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ساتویں آسمان پر آ کر اپنے بندوں کی دعائیں، التجائیں اور فریادیں سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کوئی ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اس کا دامن بھر دوں۔ کوئی ہے جو بخشش کا طلب گار ہو میں اسے بخش دوں معاف کر دوں۔'' انیس نے بھاری لہجے میں نرمی سے جواب دیا۔

''وہ تو میں جانتی ہوں لیکن آپ اتنا روتے کیوں ہیں؟''

''اس کو آنسو بہت پسند ہیں نا اس لئے، اور اس کی نعمتوں کے شکر کے لئے اپنی خطاؤں کی بخشش کے لئے اور اس نے مجھے تم سے ملا دیا اس کا شکر تو میں تمام عمر سجدے کر کے ادا کرتا رہوں تب بھی نہ ادا کر پاؤں گا تمہاری محبت کا شکریہ بھی تو ادا کرنا تھا آج کے آنسو اس لئے بہے تھے کہ انیس احمد تمہاری محبت پا کر مالا مال ہو گیا ہے۔ شکر کرنے سے نعمت بڑھتی ہے اور میں تمہاری محبت کی نعمت بڑھتے ہوئے دیکھتے رہنا چاہتا ہوں زندگی کی آخری سانس تک تمہارا پیارا چاہتا ہوں اس لئے شکر ادا کرتا رہتا ہوں معافی مانگتا رہتا ہوں۔'' انیس نے اس کے چہرے کو ہاتھوں میں تھام کر مسکراتے ہوئے جواب دیا تو وہ اس کے جذبوں کی شدتوں پر ششدر رہ گئی۔ اس کی دیوانگی پر سہم سی گئی۔

''انیس!'' وہ اس کے سینے سے لپٹ کر رونے لگی۔

''نہیں، رونا نہیں، تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا نا ادھر دیکھو۔'' وہ پیار سے بولا۔

"آپ بھی تو رو رہے ہیں۔" اس نے سر اٹھا کر اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو چپ کراؤ نا یار تم میرے آنسو پونچھ لو اور میں تمہارے آنسو پونچھ لیتا ہوں۔" وہ بھیگتی آواز میں بولا تو وہ روتے روتے ہنس پڑی اور دونوں نے ایک دوسرے کے آنسو اپنے ہاتھوں میں جذب کر لئے۔

انیس کی پُر خلوص اور پُر جوش محبتوں میں وقت اتنی تیزی سے گزرا تھا کہ اُسے پتہ ہی نہیں چلا تھا اور اس کی ڈلیوری کا دن بھی آ گیا۔ انیس پریشان سا لندن کے ایک معروف ہسپتال میں آپریشن تھیٹر کے باہر کھڑا تھا۔ ثنا کی طبیعت کافی خراب تھی وہ اس وقت اس صدمے سے رو رہی تھی۔ وہ بار بار انیس سے کہہ رہی تھی کہ میں اس بچے کو نہیں پالوں گی۔ اس کی صورت بھی نہیں دیکھوں گی اور انیس نے بمشکل اُسے چُپ کرایا تھا۔ وہ اس کی سلامتی کے لیے دعائیں مانگ رہا تھا۔ اس کی بگڑتی حالت دیکھ کر اسے بچے سے زیادہ ثنا کی سلامتی کی فکر تھی۔ اب ایک گھنٹے بعد انگریز نرس نے اسے باپ بننے کی نوید سنائی۔ ثنا نے ایک صحت مند بچے کو جنم دیا تھا۔ ڈلیوری نارمل ہوئی تھی۔ یہ سنتے ہی انیس نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ بچے کو نرسری میں شفٹ کر دیا گیا تھا آدھے گھنٹے کے لئے ، اور ثنا کو ریکوری روم میں پہنچا دیا گیا تھا۔ انیس بچے کو دیکھنے گیا تو حیران رہ گیا۔ وہ بچہ ہو بہو اُن دونوں کا عکس تھا۔ گول مٹول سرخ و سفید رنگت، سیاہ بال نین نقش بھی ثنا اور انیس کے چرائے تھے اُس نے۔ وہ بچے کو دیکھ کر دیر تک مسکراتا رہا پھر اُسے پیار کر کے نرسری سے باہر آیا تو نرس نے آ کر اسے اطلاع دی۔

"آپ کی مسز مسلسل رو رہی ہیں۔ انہیں جا کر سنبھالیں ورنہ ان کی حالت بگڑ جائے گی۔"

"اوہ نو....." انیس پریشان ہو کر ثنا کے کمرے میں آیا وہ بیڈ کی پشت سے تکیہ لگائے نیم دراز تھی اور رو رو کر اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ انیس نے دیکھا تو تڑپ کر اس کے قریب چلا آیا۔

"ثنا! یہ کیا کر رہی ہو تم کیوں اپنی جان ہلکان کر رہی ہو اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں خیریت سے اس مرحلے سے گزار دیا اور تمہاری آغوش میں ممتا کا پھول کھلا دیا ہے۔" وہ اس کے قریب بیٹھ کر اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے بولا۔

"وہ..... پھول نہیں ہے..... ببول ہے..... جو ساری زندگی میرے دل میں چبھتا رہے گا۔"

"نہیں ثنا! تم کیوں اس معصوم سے متنفر ہو رہی ہو۔" وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے نرمی سے بولا۔

"اس لئے کہ وہ ایک شیطان کی اولاد ہے جس نے میری عزت کا آنچل تار تار کیا تھا۔

میں اُسے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔ اس کے بچے کو نہیں پالوں گی..... اس کی..... شکل بھی نہیں دیکھوں گی..... وہ....." وہ روتے روتے ہچکیاں لینے لگی۔ انیس کی بے چینی و بے قراری میں اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ اسے اپنی بانہوں میں لے کر نرمی اور محبت سے گویا ہوا۔

"ثنا میری جان! سنبھالو خود کو پُر سکون ہو کر سوچو ثنا، تمہارے لہو نے اس کے وجود کو سینچا ہے وہ تمہارے وجود کا حصہ ہے ثنا تمہارا رنگ روپ لے کر پیدا ہوا ہے کیا تم اسے اپنی آغوش سے جدا کر کے چین سے جی سکو گی؟ جسے اس دنیا میں لانے کے لئے تم نے اتنی تکلیف جھیلی ہے کیا اسے اپنی ممتا سے محروم کر کے خوش رہ سکو گی؟ ثنا تم نے اسے جنم دیا ہے تم ماں ہو اس معصوم کی کسی غیر کے حوالے کر دو گی اپنے بچے کو۔"

"ا..... انیس..... انیس" ثنا کا روتے روتے سانس اُکھڑنے لگا تھا۔ انیس کی باتیں اس کی سمجھ میں تو آ رہی تھیں لیکن اس کی حالت بگڑ گئی تھی۔

"ثنا! کیا ہوا ثنا؟ ڈاکٹر نرس۔" انیس نے پریشان ہو کر پکارا اور بیڈ کی سائیڈ پر لگی ہوئی بزر پر ہاتھ رکھ دیا۔

"ثنا تمہیں میرے لئے جینا ہے اپنے بچے کے لئے جینا ہے تمہیں میری قسم مجھے چھوڑ کے مت جانا ورنہ میں بھی یہ دنیا چھوڑ دوں گا..... اور..... اور تمہارا بیٹا اکیلا رہ جائے گا۔ ثنا میری خاطر خود کو سنبھالو پلیز یا اللہ رحم کر میں بہت گناہ گار ہوں مانتا ہوں کہ میں بہت خطا کار ہوں لیکن یہ سزا مجھے مت دینا..... میری ثنا کو مجھ سے جُدا مت کرنا۔"

انیس اس کا سر اپنے بازو پر رکھے کبھی اسے مخاطب کر رہا تھا اور کبھی رب سے فریاد کر رہا تھا۔

اتنے میں ڈاکٹر اور نرس کمرے میں داخل ہوئے۔ ثنا منہ کھول کر سانس لینے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس نے انیس کا گریبان اپنی مٹھی میں بھینچ رکھا تھا۔ ڈاکٹر نے ثنا کو فوراً آکسیجن لگا دی اور نرس سے اسے آئی سی یو میں شفٹ کرنے کا کہا۔ انیس اپنا دل تھام کر رہ گیا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کی محبت ریت کی طرح اس کے ہاتھوں سے پھسلتی جا رہی ہے۔ وہ اسی کمرے میں بستر کے کنارے کا سہارا لیتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔

"پریشان مت ہوں۔ خدا بہتر کرے گا۔" نرس نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر اسے تسلی دی تو وہ اپنی آستینوں سے اپنے چہرے کو صاف کرتا ہوا باہر آ گیا۔ ایک گھنٹے بعد ثنا کی حالت سنبھل گئی۔ اس کے منہ سے آکسیجن ماسک ہٹا دیا گیا تھا۔ ثنا نے آنکھیں کھولیں تو انیس کا اشکبار چہرہ اس کی نگاہوں کے عین سامنے تھا۔ وہ دیوار سے لگا کھڑا اُسی کو تک رہا تھا۔ اس کے ہوش میں

آنے پر اس کی روح کو بھی قرار آ گیا۔

"یہ پیارا انسان میرے سارے زخم اپنی محبت سے بھرتا رہا ہے اب تک میرے نام سے منسوب ساری ذلت و رسوائی اس نے اپنے نام کر لی مجھے اپنا نام دیا، مقام اور احترام دیا۔ بچے کو اپنے نام کی پہچان دے رہا ہے اور میں...... میں کتنی ناشکری خود غرض و بے حس ہوں انیس کو شروع دن سے ہرٹ کرتی آ رہی ہوں۔ میرے اللہ مجھے معاف کر دے میں اپنے بچے کو اپنے سینے سے ضرور لگاؤں گی۔" ثنا نے دل میں کہا۔ انیس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا اور ہونٹوں سے لگا لیا۔ وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ اس کی اس حالت نے اس کی جان پر بنا دی تھی۔

"سوری انیس......" وہ آہستگی سے بولی۔

"ثنا! آئی لو یو ثنا۔" اس نے روتے روتے اپنی پیشانی اس کے شانے پر رکھ دی۔ ثنا نے آہستگی سے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کے سر پر رکھتے ہوئے بھیگتے لہجے میں کہا۔

"آئی لو یو اینڈ آئی ایم سوری۔"

نرس نے ثنا کو بتایا کہ وہ اس کے آئی سی یو میں جانے کے بعد بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا۔ ثنا تو اس کی محبتوں کی مقروض ہو گئی تھی۔ اتنی محبت، اتنی چاہت، اتنا پیار انیس نے اس کے جیون میں بھر دیا تھا کہ اس کا دامن تنگ پڑ گیا۔ وہ اس سے بہت شرمندہ تھی۔

"انیس ہمارا بیٹا کہاں ہے؟" اس نے مدھم اور پرنم آواز میں پوچھا تو انیس نے فوراً سر اٹھا کر اس کے چہرے کو دیکھا۔

"ثنا! تم...... تم دیکھو گی اُسے، پیار کرو گی نا اسے۔" انیس خوشی سے بھیگی ہوئی آواز میں پوچھ رہا تھا تو اس نے مسکراتے ہوئے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تھینک یو ثنا! میں ابھی اُسے لے کر آتا ہوں۔" وہ خوشی سے اس کا ہاتھ چوم کر بولا اور بچے کو لینے چلا گیا۔ چند منٹ بعد وہ سفید کمبل میں لپٹے سرخ و سفید نومولود کو لئے اس کے پاس آ بیٹھا۔ ثنا نے بچے کو دیکھنے کے لئے اٹھنا چاہا تو انیس نے اسے بازو سے سہارا دے کر احتیاط سے بٹھا دیا۔ ثنا نے اپنی سانسیں نارمل ہونے پر بچے کو اپنی گود میں لینے کے لئے اپنی بانہیں انیس کے سامنے پھیلا دیں۔ اس نے مسکراتے ہوئے بچے کو اس کی بانہوں کے پالنے میں لٹا دیا۔ بچے نے کسمسا کر آنکھیں کھولیں تو ثنا کے لب مسکرا دیئے۔ اس نے جھک کر اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تو وہ رونے لگا۔ اُسے بھوک ستا رہی تھی۔ ثنا نے اپنے سینے سے لگا کر ڈھیروں پیار کیا۔ اس کے آنسو بہہ رہے تھے لیکن یہ خوشی کے آنسو تھے۔ انیس بہت محبت سے یہ منظر دیکھ رہا تھا۔ ثنا اس وقت اسے

صرف ایک ماں دکھائی دے رہی تھی۔ ممتا کی محبت سے بھرپور ماں۔

"انیس! یہ تو ہم دونوں کی شبیہہ ہے۔" اس نے انیس کو دیکھ کر کہا۔

"ہاں کیونکہ تم اس کی ماں ہو اور بچے کی ماں جو چہرہ سب سے زیادہ اپنی نگاہوں کے سامنے دیکھتی ہے یا دیکھنا چاہتی ہے سُنا ہے کہ اس کے بچے میں اسی چہرے کا عکس شامل ہو جاتا ہے اس لئے یہ میرا ہم شکل بھی ہے کیونکہ تم نے پورے 9 ماہ یہی چاند چہرہ دیکھا ہے نا۔" انیس نے مسکراتے ہوئے اپنے چہرے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ہاں!" وہ ہنس پڑی تو جیسے انیس کے اندر اطمینان کے جزیرے پھر سے آباد ہونے لگے۔ بچہ رو رہا تھا۔ انیس نے اٹھتے ہوئے اس سے کہا۔

"اُسے بھوک لگ رہی ہے تم اسے فیڈ کراؤ میں ڈاکٹر سے مل کر آتا ہوں۔" انیس کے جانے کے بعد اس نے بچے کو دودھ پلایا اور ڈھیر سارا پیار کیا۔

تیسرے دن وہ احد کو لے کر گھر آ گئی تھی۔ بچے کا نام انیس کے علاوہ نفیس احمد نے بھی احد تجویز کیا تھا۔ ثنا کے میکے اور سسرال میں ثنا کے ہاں بیٹا پیدا ہونے کی خبر بہت خوشی سے سنی گئی تھی۔ انیس نے بچے کی تصاویر کھینچ کر بھجوائی تھیں پاکستان۔ بیگم آسیہ نفیس احمد تو پوتے کو دیکھنے اور بہو سے ملنے لندن چلی آئی تھیں اور پورے چار ماہ رہ کر واپس پاکستان آ گئی تھیں۔

"ہم لندن چلے جائیں گے۔ وہاں صرف ہم ہوں گے میں محبت اور تم اور کوئی نہیں ہو گا۔" انیس کی بہت پہلے کہی گئی بات اسے یاد آ رہی تھی۔ اس نے اپنا کہا سچ کر دکھایا تھا۔ ان دونوں کے بیچ محبت ہی محبت تھی بس۔ انیس کی محبت میں گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ثنا کو بھی اس سے پل بھر کی جُدائی محال لگنے لگی تھی۔ وہ آفس میں ہوتا تو دن میں کئی بار گھر فون کر کے اس سے بات کرتا تھا۔ وہ اس کی محبت میں گم ہو کر اپنے سارے دکھ بھول گئی تھی۔ اس کا گھر جنت کا نمونہ تھا۔

"میں محبت اور تم
اِک لڑی میں ایسے گم۔
جیسے سیپ میں موتی کی چھب جیسے پھول میں خوشبو کا ڈھب۔
دونوں کو اِک دوجے سے کون جدا کر سکتا ہے اب۔"

☆☆☆

انہیں لندن آئے تقریباً تین سال ہونے والے تھے۔ وہ اس دوران پاکستان نہیں گئے

تھے البتہ ندا کی شادی چند ماہ پہلے ہوگئی تھی۔ بیگم آسیہ نفیس اور نفیس احمد دو تین بار ان سے اور اپنے پوتے سے ملنے آچکے تھے۔ اب تو ثنا کا دل بھی پاکستان واپس جانے کو بے چین رہنے لگا تھا۔ انیس بھی وطن واپس جانا چاہتا تھا لیکن ثنا کی وجہ سے اس سے اپنی خواہش کا اظہار کرنے سے قاصر تھا۔ لندن میں اس نے بہت عمدگی سے بزنس سنبھالا تھا اور ہر کام کے لئے ورکرز بھی ٹرینڈ کر دیئے تھے۔ زبیر ہمدانی کو وہ اپنی جگہ آفس میں چھوڑ کر جانا چاہتا تھا۔

بارش فرشِ گل پر مسلسل ناچ رہی تھی۔ ہوا کی لے بے حد شوخ تھی پیڑ خوشی سے جھوم رہے تھے۔ ساری فضا پتوں کی ہنسی سے گونج رہی تھی اور وہ اُداسی کی چادر اوڑھے بیٹھا تھا اس کی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ آج ان دونوں کی شادی کو پورے تین برس ہوگئے تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے اس نے ثنا کو شادی کی سالگرہ کا تحفہ دیا تھا۔ اسے ڈھیر سارا پیار کیا سالگرہ کا کیک اس کے ساتھ مل کر کاٹا تھا۔ اسے اپنے ہاتھ سے کھلایا تھا اور پھر اس سے کافی کی فرمائش کی تھی۔ ثنا کافی بنا کر لے آئی تھی مگر انیس کی اداسی نے اسے بھی پریشان کر دیا تھا۔ اس نے کافی کے دونوں مگ میز پر رکھ دیئے۔

''انیس!'' جیسے ثنا نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیئے۔

''ہوں......'' اس نے چونک کر دیکھا۔

''کیا کوئی پریشانی ہے آپ کو؟''

''کوئی نہیں۔'' وہ مسکرا دیا۔

''کوئی پریشانی، کوئی دکھ، کوئی غم، کوئی پچھتاوا کچھ تو ہے انیس جو آپ کو ہر خوشی کے موقع پر ایک دم سے اُداس اور بے چین کر دیتا ہے۔ تین سال ہوگئے ہیں آج ہماری شادی کو اور ان تین سالوں میں میں نے بارہا آپ کو اشک بہاتے ربّ کے حضور گڑگڑاتے دیکھا ہے۔ ایسا کون سا دکھ ہے آپ کو اتنا رونے کے بعد بھی جو کم نہیں ہوتا۔ بتایئے ناں انیس......آپ مجھ سے شیئر کیوں نہیں کرتے کیا مجھے اس قابل نہیں سمجھتے؟''

وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سنجیدہ مگر اپنائیت بھرے نرم لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

''نہیں جان! میں تو خود کو تمہارے قابل نہیں سمجھتا۔''

''ایسا مت کہئے میرے لئے اس پوری کائنات میں آپ سے اچھا، قابل، پیارا اور قابلِ محبت کوئی دوسرا شخص نہیں ہے انیس۔ آپ نے مجھے اس وقت سہارا دیا تھا جب سارے سہارے مجھ سے چھن گئے تھے۔ مجھے اس وقت اپنایا تھا جب سب اپنے غیر بن گئے تھے۔ آپ نے تو مجھے نئی زندگی دی تھی انیس! آپ نے مجھے پھر سے معتبر اور معزز بنایا ہے۔ میرے انیس جیسا عظیم انسان تو اس پوری کائنات میں بھی نہیں ہوگا۔'' وہ اس کے ہاتھ تھام کر نیچے گھٹنوں کے بل بیٹھی اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے دل سے اعتراف کر رہی تھی اور وہ خوشی سے رُو ہی تو پڑا تھا۔

''ثنا! تم نے مجھے اس قدر محبت اور چاہت دی ہے کہ اب اگر تم نے کبھی اپنی محبت سے دُور یا محروم رکھا تو سچ کہتا ہوں میرا دل بند ہو جائیگا۔''

''اللہ نہ کرے۔'' وہ تڑپ کر اس کے لبوں پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''ہاں ثنا! میں تو پہلے ہی تمہارے بغیر زندگی گزارنے کا تصور کر کے مرنے لگتا تھا اور اب تو میرا روم روم تمہاری محبت کے بل پر زندہ ہے۔ مہک رہا ہے، مجھے خود سے کبھی جدا نہ کرنا ثنا ورنہ موت مجھ سے آملے گی۔''

''انیس! خدا کے لئے مجھ سے مرنے کی باتیں مت کریں ورنہ میں رونے لگوں گی۔ میں اتنی بہادر نہیں ہوں کہ آپ کی جُدائی کا غم سہہ لوں۔ آئندہ اگر آپ نے ایسی بات کی تو......'' وہ بولتے بولتے رو پڑی۔

''آئی ایم سوری میری جان رئیلی سوری۔ اُٹھو میرے پاس بیٹھو آؤ ناں۔'' انیس اسے روتا دیکھ کر بے قرار ہوگیا اور بازوؤں میں پکڑ کر اٹھایا اور پورے استحقاق کے ساتھ اپنی آغوش میں سمولیا۔ وہ رو رہی تھی اور وہ اس کے آنسو پونچھ رہا تھا۔

''آپ کو...... میری محبت پر اعتبار نہیں ہے نا...... جبھی تو ایسی باتیں کر کے میرے دل کو تڑپاتے اور آزماتے رہتے ہیں۔'' وہ روتے ہوئے بولی۔

''پگلی! میں تمہیں تڑپانے، آزمانے یا رلانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ تم تو سراپا محبت ہو میں اپنی خوش بختی پر جتنا ناز کروں وہ کم ہے۔ پتہ نہیں کبھی کبھی مجھے کیا ہو جاتا ہے۔'' وہ اس کے سر پر بوسہ دے کر پیار سے سمجھاتے ہوئے بولا۔

''ایک بات کہوں؟'' وہ خود کو سنبھال چکی تھی۔ اس کے چہرے کو دیکھا جو اس کے چہرے سے مَس ہو رہا تھا۔ دھڑکنیں دھڑکنوں سے ٹکرا رہی تھیں۔ وہ اُن کے قرب کی خوشبو میں مہک رہی تھی۔

''ہاں کہو......'' اس نے بہت پیار سے کہا۔

''گھر واپس چلیں۔''

''ہم گھر میں ہی ہیں۔'' وہ اس کی بات کا مطلب نہیں سمجھا تھا۔

''میرا مطلب ہے پاکستان واپس چلیں۔ مجھے اپنا وطن اپنا گھر اور سب گھر والے بہت یاد آتے ہیں۔'' ثنا نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"یاد تو مجھے بھی بہت آتے ہیں۔"

"تو پھر چلیں نا اس بار بڑی عید ہم وہاں سب کے ساتھ منائیں گے اور آپ کی سالگرہ بھی، میرا اب یہاں رہنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"تم نے میرے دل کی بات کہہ دی ثنا میں بھی بہت دنوں سے سوچ رہا تھا کہ تم سے بات کروں مگر میں یہ سوچ کر خاموش رہ گیا کہ شاید تم جانا نہ چاہو اور میری وجہ سے زبردستی ہاں کر دو تو یہ زیادتی ہوگی تمہارے ساتھ لیکن اب تم نے خود سے کہا ہے تو میں بہت خوش ہوا ہوں۔ انشاء اللہ ہم بہت جلد پاکستان واپس چلے جائیں گے اور عیدالاضحیٰ سب کے ساتھ مل کر منائیں گے۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کے مہکتے وجود کی نرماہٹوں کو محسوس کرتے ہوئے بولا، اور پھر وہ ایک دم سنجیدہ ہو کر بولا۔

"ثنا اگر تمہیں میرے بغیر جینا پڑے تو......"

"تو جی نہیں سکوں گی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیوں کہا آپ نے ایسا، یہ کیا ہو جاتا ہے اچانک آپ کو؟" ثنا نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"ثنا! مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

"کہیے......" وہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"ثنا میرا جرم، میرا گناہ بہت بڑا ہے اس لئے وعدہ کرو کہ تم مجھے معاف کر دو گی۔" وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔ "میں اس احساسِ جرم کے ساتھ مزید نہیں جی سکوں گا کیونکہ میں اپنی ہی نظروں میں گر چکا ہوں۔ اٹھنا بھی چاہوں تو نہیں اٹھ سکتا لیکن......شاید تمہارے معاف کر دینے سے میرے احساسِ جرم میں کچھ کمی ہو جائے۔"

"ایسا کیا کیا ہے آپ نے؟" ثنا نے حیرانگی سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پہلے وعدہ کرو کہ تم مجھے معاف کر دو گی۔ مجھے چھوڑ کر نہیں جاؤ گی۔ مجھے اپنی محبت سے کبھی محروم نہیں کرو گی۔" وہ اس کے ہاتھ تھامے بے قراری سے بولا۔

"آپ بتایئے تو کیا کیا ہے آپ نے؟" اس کی حالت محال ہو رہی تھی۔

"میں نے وہ سب کیا جس کی بدولت تم اپنے گھر اور شہر بھر میں بدنام اور رُسوا ہوئیں اور بحالتِ مجبوری میرے نکاح میں دے دی گئیں۔" انیس نے نظریں جھکا کر یہ انکشاف کرتے ہوئے بتایا۔

"کیا......؟" ثنا کی سماعتوں میں تو جیسے ایٹم بم پھٹ گیا تھا۔

"ہاں......اَحد میرا ہی خون ہے۔ میں ہی وہ بے غیرت ہوں جس نے تمہارے ساتھ......"

"بس کیجئے پلیز!" وہ چیخ اٹھی جھٹکے سے اپنے ہاتھ بھی اس کے ہاتھوں سے چھڑا لئے۔

"ثنا!" انیس نے تڑپ کر پکارا۔

"کچھ مت کہیے انیس احمد!" وہ اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی۔

"بے شک تم مجھے جان سے مار دو مگر مجھے میرے جیتے جی چھوڑ کر مت جانا۔ میں بہت بے بس ہو گیا تھا تمہارے گھر والوں کے انکار نے مجھے تار تار کر دیا تھا ثنا۔" وہ روتے ہوئے بولا۔

"اور آپ نے مجھے تار تار کر دیا انیس احمد مجھے......اپنی محبت کو۔" وہ روتے ہوئے بولی

انیس نے کچھ کہنا چاہا مگر وہ روتی ہوئی دوسرے کمرے میں بھاگ گئی اور بستر پر گرتے ہی پُھوٹ پُھوٹ کر رونے لگی۔

"یا اللہ! یہ تُو نے کیسی تقدیر لکھی ہے میری مانگ میں راکھ ڈالنے اور میرا آنچل تار تار کرنے والے ہاتھوں نے میری مانگ افشاں سے بھر دی اور آنچل ستاروں سے ٹانک دیا۔ ذلت و رسوائی کا سبب بننے والے انیس احمد کو میری محبت اور پذیرائی کا باعث بنا دیا۔ کیا سزا دوں میں انیس احمد کو اس گناہ کی جو وہ خود تین سال سے اس احساسِ گناہ میں گھرے تیرے دربار میں اشکوں کے موتی لٹاتے رہے ہیں۔ میں تین ہفتے جس کرب سے گزری تھی انیس احمد تین سال اور تین ماہ سے اس کرب کو جھیل رہے ہیں۔ ان کا ضمیر انہیں چین نہیں لینے دیتا اور ضمیر کا زہر تو سقراط کے پیالے سے بھی بڑا ہوتا ہے......اس واقعے کے بعد میرے سگے رشتے سوتیلے بن گئے تھے۔ اپنے پرائے [illegible] گئے تھے۔ ماں باپ، بہن بھائی، بھابیاں رشتے دار دوست سب ہی کی نگاہوں میں میرے [illegible] حقارت اور تمسخر بھر گیا تھا۔ سب کی باتوں، لہجوں اور رویوں نے میری روح کو چھلنی کر دیا تھا۔ سب مجھ سے نجات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مجھے مار دینا چاہتے تھے اور سارے خون کے رشتے خو[illegible] رشتوں میں بدل گئے تھے۔ میرے کردار کو سب نے غلط جانا تھا اور یہ سب انیس احمد کے غلط اقد[illegible] سے ہوا تھا۔ ایک گناہ، ایک جرم جو یقیناً ناقابلِ معافی ہے لیکن......انیس احمد بھی تو انسان [illegible] فرشتے تو نہیں ہیں کہ ان سے کوئی غلطی، کوئی گناہ، کوئی خطا سرزد نہ ہو سکے۔ یہ گناہ، یہ جرم انہ[illegible] نے مجھے پانے کے لئے کیا تھا۔ ان کی محبت اتنی خطرناک تھی کہ وہ مجھے، خیر جو گزر گیا اس پر کیا [illegible] سزا تو میں تب انیس احمد کو دوں کہ انہوں نے مجھے بے آبرو کر کے بے یار و مددگار چھوڑ دیا ہو۔ ا[illegible] نے اپنے جرم کا اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنے، اس زیادتی کی تلافی کرنے کی ہر ممکن کوشش کی [illegible] ان تین برسوں میں انیس نے مجھے اتنی محبتیں دی ہیں کہ میری تین زندگیوں کے لئے [illegible] بہت ہوں گی......انیس نے مُجھ سے بہت دھوم دھام سے شادی کی۔ اَحد کو اسی لئے اپنا نام [illegible]

اور مجھے جنم دینے پر آمادہ کرتے رہے کہ وہ جانتے تھے کہ احد اُن کا خون ہے ان کا بچہ ہے، اسے بہرحال انہوں نے جائز اولاد کی صورت میں اس دنیا میں لانے کے لئے مجھ سے نکاح کرلیا تھا ازالہ تو کردیا تھا اپنے گناہ کا مجھ سے شادی کرکے، بچے کو اپنا نام دے کر۔ میں ان کا یہ جرم کیسے ان کے سامنے رکھوں۔ اب تو وہ خود ہی احساسِ جرم سے اندر ہی اندر گھلتے رہے ہیں۔ ان کا راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اللہ کے حضور گڑگڑانا اس امر کی گواہی دیتا ہے کہ وہ اپنے کیئے پر بہت نادم تھے۔ اتنے برس احساسِ جرم کی آگ میں تنہا چپ چاپ جلتے رہے۔ اس ڈر سے مجھے بھی نہ بتایا کہ کہیں میں ان سے نفرت نہ کرنے لگ جاؤں۔ انہیں چھوڑ کر نہ چلی جاؤں۔ یہ سزا تو بڑی تھی ان کے لئے اب میں کیا سزا دوں انیس کو اور کیوں دوں؟

''شادی کے ان تین برسوں میں انیس نے مجھے ایک بار بھی تو نہیں ڈانٹا۔ اتنی محبت دی ہے مجھے کہ میں تو ان کی جدائی کے تصور سے ہی مرنے لگتی ہوں۔ اتنا زیادہ خیال رکھا ہے میرا کہ مجھے ان سے دُوری کا خیال بھی تڑپانے لگتا ہے...... میرے روم روم میں انیس احمد نے اپنی محبت کی حرارت بھردی ہے۔ اتنی محبت کرنے والے جانثار اور کیئرنگ انسان کی میں ایک غلطی، ایک گناہ بھی معاف نہیں کرسکتی کیا......؟ اُن کی زبان سے یہ حقیقت جان کر میرے دل میں ان کے لئے نفرت کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی۔ بالفرض میں انیس کو سزا کے طور پر چھوڑ دوں تو میں کہاں جاؤں گی؟ یہ دنیا والے مجھے نہیں چھوڑیں گے۔ میکے والوں کے رویے پھر سے ناقابل برداشت ہو جائیں گے جو کچھ میرے اغواء کے بعد انہوں نے میرے ساتھ کیا تھا۔ اب کی بار اس سے زیادہ نفرت اور ذلت دیں گے مجھے...... انیس احمد کا سلوک اگر مجھ سے بُرا ہوتا تو پھر بھی میں واپسی کا نہیں سوچ سکتی تھی کیونکہ میں جانتی ہوں کہ انیس احمد کے سوا میری کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ اب بھی میں واپس جانے کا نہیں سوچ سکتی میرے پاس واپسی کا کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ اس اغواء والے واقعے کے بعد جو ذلت، اجنبیت، غیریت نف ت اور اذیت میں نے سہی تھی۔ اپنوں پرائیوں سب کی باتوں کے نفرتوں کے نشتر برداشت کیئے تھے۔ وہ سب پھر سے جھیلنے کا حوصلہ نہیں ہے مجھ میں۔ انیس کا جرم بے شک بڑا تھا لیکن انہوں نے اس کی تلافی [illegible] کردی ہے اور کر رہے ہیں اتنی محبت، توجہ اور خیال کے خوبصورت جذبے مجھے سونپ کر...... وہ م[illegible]ادیتا اگر بُرے ہوتے تو مجھے کبھی نہ اپناتے یا کم از کم مجھ سے اعترافِ جرم نہ کرتے مگر وہ ایک اچھے انسان ہیں اور اچھے انسان کو اگر اپنی غلطی کا احساس ہو جائے تو اسے معاف کردینا چاہیئے۔''

ثنا کے دل ودماغ سوچنے سمجھنے کی جانب گامزن تھے۔ رات کی چادر شانوں سے سرکتی جا

رہی تھی۔ وہ اپنی سوچوں میں گم تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی حالت پہ تڑپ رہے تھے۔

''تم نے کہا تھا ناثنا کہ اگر وہ شخص تمہارے سامنے آگیا تو تم اسے گولی ماردو گی ختم کردو گی...... وہ شخص تمہارے سامنے ہے ثنا لو اُسے گولی ماردو، ختم کردو اپنی عزت کے دشمن کو۔''

پستول لئے انیس نے بھیگتی آواز میں کہا تو چند سیکنڈ وہ اسے دیکھتی رہی پھر آہستہ سے ہاتھ بڑھا کر پستول اُٹھالیا اور بستر سے اُتر آئی۔

''یہ شخص تو میری عزت کا دشمن ہرگز نہیں ہے اس شخص کی وجہ سے میرے میکے والے اب مجھے سرآنکھوں پر بٹھاتے ہیں۔ ان کے سامنے بچھ بچھ جاتے ہیں۔'' ثنا نے دل میں کہا اور پستول میں سے گولیاں نکال کر ڈسٹ بن میں پھینک دیں۔ پستول اس کے ہاتھوں سے پھسل کر نیچے جاگرا۔

''ختم کردوں اپنا سب کچھ ختم کردوں۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔'' آپ دنیا والوں کی نظروں میں ایک عظیم انسان ہیں۔ میرا سہاگ ہیں میرے بچوں کے باپ ہیں...... اور...... اور میری محبت بھی تو ہیں میں...... میں کیسے ماردوں آپ کو انیس احمد کیسے؟ میں پھر سے رسوائیوں کے بھنور میں نہیں پھنسنا چاہتی۔ آپ کو مار کر مجھے کیا ملے گا؟ ذلت، رسوائی جیل اور جگ ہنسائی...... میرا بچہ رُل جائے گا۔ پہلے کیا کم رسوائی ہوئی تھی میری کہ اب میں شوہر کو قتل کرکے پھر سے ذلت کا اشتہار بن جاؤں۔ نہیں انیس احمد میری بے گناہی اور پارسائی پر تو پھر بھی کوئی قیامت تک یقین نہیں کرے گا۔ آپ تو تب بھی...... مظلوم...... معصوم اور عظیم ہی کہلائیں گے۔ جایئے انیس احمد میں نے آپ کو معاف کیا۔ اس محبت کے صدقے جو آپ نے مجھے...... ان تین برسوں میں دی ہے۔ اس راحت ومسرت کے صدقے جو آپ مجھے مہیا کرتے رہے ہیں اور...... اور اس اولاد کے صدقے جس کا ہونا آپ کے وجود کے سبب ہے...... میں نے آپ کو اس گناہ کے لئے معاف کیا انیس احمد...... میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ بھی آپ کو معاف کرے۔'' وہ روتے ہوئے اس کے دل پر پہاڑ جتنا بوجھ اُٹھاتی اس کے لئے اور بھی انمول ہوگئی تھی۔

''ثنا! میں تمہارا قصوروار ہوں...... مجرم ہوں تمہارا مجھ سے بُھول ہوگئی تھی ثنا میں بہک گیا تھا۔ شیطان کے بہکاوے میں آگیا تھا۔ میرے دوست فیضان نے میری تمہاری لئے بے قراری دیکھتے ہوئے یہ مشورہ دیا تھا وہ دبئی میں ہوتا ہے آج کل اسے معلوم ہے کہ میں نے تم سے شادی کرلی تھی۔''

''تو وہ دوسرا شخص آپ کا دوست تھا۔'' ثنا نے اس کا ندامت سے چور چہرہ دیکھتے ہوئے کہا تو نظریں جھکا کر سنجیدگی اور رنجیدگی سے گویا ہوا۔

''ہاں میں کمزور لمحے کی گرفت میں آگیا تھا اور پستی میں جا گرا تھا مگر یہ سچ ہے کہ میں نے تمہیں پانے کے لئے وہ سب کیا تھا۔ میرے پاس اور کوئی راستہ ہی نہیں بچا تھا...... ثنا اگر تم میری زندگی میں نہ آتی تو مر جاتا۔ تمہاری محبت کی شدت نے مجھے اس حد تک جانے پر مجبور کر دیا تھا۔ میں اپنے کیے پر بہت نادم ہوں۔ ثنا ان تین برسوں میں مَیں پل پل مرا ہوں، احساسِ گناہ نے مجھے چین نہیں لینے دیا ثنا تمہاری محبت، قربت اور رفاقت پر جب جب میں نازاں اور شاداں ہوتا مجھے تب تب اپنے اس جرم نے لعن طعن کیا۔ آج میرا ضبط جواب دے گیا تھا ثنا میں مزید تمہیں اندھیرے میں نہیں رکھ سکتا تھا سو سب سچ سچ بتا دیا ہے۔ اب تم مجھے...... جو چاہو سزا دے لو لیکن جیتے جی مجھے اپنی جدائی کی سزا مت دینا۔''

''کتنی عجیب بات ہے مجھے آپ سے نفرت نہیں ہو سکی۔ یہ سب جان کر بھی نہیں یا شاید اس لئے کہ آپ نے اپنی محبتوں سے اپنا کفارہ ادا کر دیا ہے۔ میں نے آپ کو معاف کر دیا ہے انیس اب آپ خود کو سزا دینا چھوڑ دیں...... لیکن کسی سے اتنی محبت نہیں کرنی چاہئے کہ اس کی عزت اور آبرو کے بدلے رسوائی حاصل کرنی پڑ جائے۔ محبت کو اپنی عزت سمجھنا اس کی اولین شرط ہے۔''

وہ بھیگتی آواز میں بولی تو اس نے شرمندگی سے کہا۔

''جانتا ہوں سب جانتا ہوں لیکن میں بے بس ہو گیا تھا کیا کرتا میں...... میں اندھا ہو گیا تھا تمہاری محبت میں۔''

''اور پھر مجھے ابھی اندھا کر دیا اپنی محبت میں۔'' وہ بے بسی سے بولی۔

''ثنا! میری جان!'' وہ خوشی سے بانہیں پھیلائے اس کی جانب بڑھا تو وہ بھی تڑپ کر اس کی پناہوں میں آسمائی۔

کل اس نے جو بھی کیا تھا آج وہ اس کے لئے خوشیوں اور محبتوں کا محور تھا۔ اس کی سب سے مضبوط، محفوظ اور محبت بھری پناہ گاہ تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے میں گم پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے تھے۔ جب مَن کا سارا میل ڈھل گیا تو محبتوں کا چاند مَن کے اُفق پر پُوری آب و تاب سے چمکنے لگا۔ ان دونوں نے ایک دوسرے کے آنسو صاف کیے۔ ثنا اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''آج کے بعد آپ نہیں روئیں گے۔ ہم نئے سال کا آغاز نئے اعتماد اور اعتبار کے ساتھ کریں گے۔ اب اشکوں کا بادل ہماری آنکھوں میں نہیں چھائے گا۔ آپ میرے لئے اب بھی وہیں انیس ہیں جو اس اعترافِ جرم سے پہلے تھے۔ آپ کی محبتوں نے آپ کے اس گناہ کو بھی دھو دیا ہے۔ آپ میرے لئے بہت پیارے، اُجلے اور اچھے انسان ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ آپ کو نگاہ جھکا کر نہیں بلکہ نگاہ اٹھا کر ہمیشہ میرے سامنے رہنا ہے۔ میرے ساتھ میرے پاس...... لیکن یہ بھی سن لیجئے کہ اگر آپ کی محبتوں میں ذرا سی بھی کمی محسوس ہوئی تو میں آپ سے خفا ہو جاؤں گی۔''

''اوں ہوں میں اپنی زندگی کو کبھی خفا ہونے نہیں دوں گا میری محبتیں ہمیشہ تم پر سایہ فگن رہیں گی۔ ہم ہمیشہ ساتھ رہیں گے۔ میں محبت اور تم۔'' وہ اس کو اپنی بانہوں کے حصار میں لئے خوشی سے کانپتے ہوئے لہجے میں بولا۔

''انشاء اللہ!'' وہ خوشی سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''تھینک یو جان! تم بہت عظیم ہو آج تم نے میرے دل کا بوجھ ہلکا کر دیا ہے اب میں تمہیں عید اور نئے سال کے تحفے دوں گا بہت محبت سے۔'' انیس نے محبت پاش لہجے میں کہا وہ مسکرائے گئی۔

نئے دن کا سورج طلوع ہو رہا تھا ان کی محبتوں اور رفاقتوں کے نئے سال کا آغاز نئے اور انوکھے انداز میں ہو رہا تھا۔



چاندرات کو چاندنی ملی

ابر برسے تو وہ ساون کی پھواروں جیسا
اور کھل جائے تو پھر چاند ستاروں جیسا
اس کا آنچل ہے کہ ڈھلکا ہی چلا جاتا ہے
پھر بھی معصوم ہے وہ ابر کے پاروں جیسا

''ٹرن ٹرن'' ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو رانیہ باہر جاتے جاتے پلٹی۔

''تھینکس گاڈ! لائن تو ملی۔'' دوسری جانب مامون ضیاء نے لائن ملنے پر کلمہ شکر ادا کیا۔

''ہیلو۔'' رانیہ کی مترنم آواز مامون کے کان میں پڑی۔

''السلام علیکم! یہ رضیہ خالہ کا گھر ہے؟''

''جی ہاں! آپ کون صاحب؟''

''میں رضیہ خالہ کا بھانجا بات کر رہا ہوں کراچی سے، رضیہ خالہ سے بات کرا دیجئے۔'' مامون نے مہذب لہجے میں اپنا تعارف کرایا۔

''آپ کا نام؟''

''بھئی کیا یہ کہہ دینا کافی نہیں ہے کہ میں رضیہ خالہ کا بھانجا بات کر رہا ہوں۔'' مامون نے چڑ کر کہا۔

''مسٹر بھانجے! یہاں محلے میں میری اماں کو سب لڑکے لڑکیاں خالہ کہتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ سب کے سب اماں کے بھانجے، بھانجیاں ہو گئے وہ بھی سگے والے۔'' رانیہ نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''لاحول ولا قوۃ۔'' وہ غصے سے بولا۔

''یہ آپ نے اپنے لئے پڑھا ہے نا۔'' رانیہ نے اسے مزید تپانے کو معصومیت سے کہا تو وہ سمجھ گیا کہ اتنی دیر سے لائن بزی کیوں مل رہی تھی، یقیناً یہ باتونی لڑکی ٹیلی فون پر اپنی کسی سہیلی سے گپیں مار رہی ہوگی۔

''میں ہارون ضیاء کا بھائی اور ضیاء الدین کا بیٹا، مامون ضیاء بات کر رہا ہوں، آیا آپ کی سمجھ میں، اب بات کرایئے میری رضیہ خالہ سے۔'' مامون نے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے اپنا مکمل تعارف کرایا۔

''اور اگر نہ کراؤں بات تو۔'' رانیہ کو بھی اب اپنے کزن کو ستانے میں مزا آ رہا تھا، جس کو آج تک اس نے دیکھا نہیں تھا۔ شرارت سے کہا۔

''میں دیکھ لوں گا تمہیں۔'' وہ دانت پیستے ہوئے بولا۔

''دیکھ لینا مگر اچھی نظر سے کہیں مجھے نظر ہی نہ لگا دینا۔''

''دل تو تھپڑ مارنے کو چاہ رہا ہے۔'' وہ بولا تو رانیہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور مامون کو محسوس ہوا کہ جیسے اس کی سماعتوں میں جھرنے گنگنانے لگے ہوں، کتنی دلنشین ہنسی تھی اس کی وہ کھو سا گیا۔

''اماں! آپ کے بھانجے مامون ضیاء کا کراچی سے فون ہے لیں بات کریں ہامون جادوگر سے۔'' رانیہ نے رضیہ بیگم کو آواز دے کر کہا مامون کو اس کا ہامون جادوگر کہنا سلگا گیا، کتنی دلیر تھی یہ لڑکی کیسی بے تکلفی سے کزن ہونے کا حق استعمال کر رہی تھی۔ مامون کو حیرت ہو رہی تھی۔ آخر یہ لڑکی کیا چیز ہے؟

رانیہ نے ریسیور رضیہ بیگم کو تھما دیا اور خود چھت پر سوکھے کپڑے اُتارنے چلی گئی۔ کپڑوں کا ڈھیر اتار کر اٹھائے ہوئے نیچے واپس آئی تو رضیہ بیگم کو خوشی سے برآمدے میں ٹہلتے دیکھا۔

''خیر تو ہے اماں! کیا کہہ دیا اس ہامون جادوگر نے جو آپ اس قدر خوش دکھائی دے رہی ہیں؟'' رانیہ نے کپڑے تخت پر رکھتے ہوئے ان کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''اے نام کیوں بگاڑ رہی ہے بچے کا، اتنا تو پیارا نام ہے مامون، سب اسے چاند کہتے ہیں۔ ''مون'' وہ پرسوں یہاں آ رہا ہے، اس کی تین مہینے کی کوئی ٹریننگ ہے، اس لیے کہہ رہا تھا کچھ دن آپ کے پاس رہوں گا پھر کوئی اور بندوبست کر لوں گا۔ تین ماہ تک آپ پر بوجھ نہیں بنوں گا۔ میں نے تو ڈانٹ دیا کہ یہ کیسی باتیں کرتے ہو، خالہ کے گھر پہلی بار آ رہے ہو اور کہیں اور جانے کی بات بھی سوچے ہوئے ہو۔ یہ تو میں نہ ہونے دوں گی۔ تم تین مہینے یہاں رہو گے ورنہ آنے کی

ضرورت نہیں ہے۔ بڑی نہ نہ کرتا رہا بالآخر مان گیا۔'' رضیہ بیگم نے ساری بات تفصیل سے بتا دی۔

''اماں! ابھی کل تو میرے امتحان ختم ہوئے ہیں اور ابھی میری پڑھائی کی تھکن بھی نہ اتری کہ آپ نے مستقل مہمان کو دعوت دے دی ہے۔ وہ بھی تین مہینے کے لیے گویا میری ساری چھٹیاں ان موصوف کی خاطر تواضع کرتے ضائع ہو جائیں گی۔'' رانیہ نے منہ بسور کر کہا۔

''چپ نادان! مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتا ہے اور پہلی بار مامون یہاں آ رہا ہے، کبھی دو چار سال کی عمر میں یہاں آیا تھا، بڑے گھر کا بچہ ہے کار، کوٹھی کا عیش آرام ہے نوکر چاکر آگے پیچھے پھرتے ہیں اس کے۔''

''پھر بھی آپ نے اسے اپنے اس چھ سات مرلے کے گھر میں آنے کے لئے کہہ دیا یہاں کون سے نوکر چاکر ہیں جو اس ہامون جادوگر کی خدمت گزاری میں لگے رہیں گے اور روز روز نت نئے پکوان کہاں سے کھلائیں گے ہم اسے، بے شک ابا کا جنرل اسٹور ہے مگر آپ کے بھانجے کو وہ اس کی حیثیت کے مطابق تو نہیں رکھ سکیں گے یہاں۔'' رانیہ نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہاں تو وہ بولیں۔

''ہم مامون کو اپنی حیثیت کے مطابق رکھیں گے، اس کے ماں باپ کو ہمارے حالات کا علم ہے۔''

''اماں! یہ مامون ضیاء آپ کی خالہ کی بیٹی سلمٰی آنٹی کا بیٹا ہے نا!''

''ہاں اور تمیز سے بات کر، پانچ برس بڑا ہے وہ عمر میں تجھ سے، ایم سی ایس کیا ہے، بڑی اچھی نوکری ملی ہے اسے لاہور میں۔''

''ملی ہوگی میری بلا سے، میری چھٹیاں تو برباد ہو گئیں ناں اس کی وجہ سے۔'' رانیہ کپڑوں کی تہہ لگاتے ہوئے بولی۔

''وہ تجھے کیا کہہ دے گا، خبردار جو اس کے سامنے کوئی الٹی سیدھی بات کی ہاں اوپر والا کمرہ اچھی طرح سے صاف کر کے پلنگ پر نئی چادر بچھا دینا اور غسل خانے میں نیا تولیہ اور صابن وغیرہ بھی رکھ دینا۔'' اماں نے ہدایات دینا شروع کر دیں اور رانیہ غصے سے پیر پٹختی اُوپر چلی گئی۔

رضیہ بیگم اور امجد علی کے دو بچے تھے، ایک بیٹا اسجد علی اور اس سے پانچ سال چھوٹی رانیہ علی، امجد علی کا جنرل اسٹور تھا جو کامیابی سے چل رہا تھا۔ سات مرلے کا مکان بھی اپنا تھا۔ اسجد علی نے ایف اے کے بعد پڑھائی چھوڑ دی اور سنار کا کام سیکھ کر اپنے ایک دوست کے ساتھ دبئی چلا گیا۔ وہاں اس کا کام خوب چل نکلا تھا اور گھر والوں کو بھول گیا تھا۔ سال بھر سے اس کا کوئی خط

نہیں آیا تھا، بس عید بقرا عید پر فون کر کے اس نے جیسے اپنا فرض پورا کر دیا تھا۔ رضیہ بیگم اور امجد علی کو اکلوتے بیٹے کی لاپروائی اور بے حسی کا بہت رنج تھا اور وہ دونوں دل ہی دل میں بیٹے کی یاد میں خون کے آنسو روتے تھے۔ رانیہ کو اسجد علی پر غصہ آیا کرتا تھا، اسے دولت والوں سے اس لئے سخت چڑ ہو گئی تھی کہ وہ خون کے رشتوں کو دولت کی ہوس میں بھلا دیتے ہیں۔ رزق کی اندھی دوڑ میں رشتے کتنے پیچھے رہ جاتے ہیں رانیہ کو بہت کم عمری میں ہی اس کا احساس ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے مڈل کلاس سے تعلق ہونے پر شاکر تھی۔ اسے روپے پیسے، کار، کوٹھی کی خواہش تھی نہ ہوس۔ حال ہی میں اس نے بی ایس سی کا امتحان دیا تھا۔ وہ بہت ذہین تھی ہر سال اعلیٰ نمبروں سے پاس ہوتی تھی۔ ہمیشہ اے گریڈ لیتی تھی۔ اس بار بھی وہ خاصی پُرامید تھی۔ رضیہ بیگم کی ایک ہی خالہ تھیں اور سلمٰی ان کی بیٹی تھیں، ان کی شادی ضیاء الدین سے ہوئی تھی جو فیکٹریوں اور کار کوٹھی کے مالک تھے۔ ان کے دو بیٹے تھے، ہارون ضیاء جو شادی شدہ اور بچوں والے تھے اور فیکٹری چلا رہے تھے ان سے چار سال چھوٹا مامون تھا بہت لائق تھا۔ ایم سی ایس کرنے کے بعد ایک ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کر رہا تھا اور اب اس سے اچھی کمپنی میں جاب ملنے پر ٹریننگ کے لئے لاہور آ رہا تھا۔ رضیہ بیگم کے ایک ہی بھائی تھے، مجید غفار اور ان کی بیوی رخسانہ مجید ان کی تین بیٹیاں اور دو بیٹے تھے، رخسانہ مجید رانیہ کو اپنی بہو بنانا چاہتی تھیں اور امجد علی کے بھائی ارشد علی بھی رانیہ کو اپنی بہو بنانا چاہتے تھے۔ دونوں طرف دولت کا بھاری جہیز کا لالچ تھا کہ اسجد علی دبئی گیا ہے تو خوب دولت کما کما کر بھیج رہا ہوگا، لیکن جب انہیں گھر میں کوئی خوشگوار تبدیلی نظر نہیں آئی اور یہ معلوم ہوا کہ اسجد علی نے گھر والوں سے رابطہ ہی تقریباً ختم کر رکھا ہے، پیسے بھی نہیں بھیجتا تو وہ دونوں پیچھے ہٹ گئے۔ رانیہ ان کی نیتوں سے بے خبر نہیں تھی۔ جبھی وہ ان سب سے اور دولت سے بیزار رہتی تھی۔ جس نے اس کے خون کے رشتوں میں کھوٹ پیدا کر دیا تھا۔ اس کے سگے بھائی کو اس سے دُور کر دیا تھا۔

''امجد ہاؤس'' چم چم کر رہا تھا، رانیہ نے اماں (رضیہ بیگم) کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے اوپر والے کمرے کو بھی دھو کر، جالے صاف کر کے خوب سلیقے سے سیٹ کر دیا تھا اور باقی گھر کو بھی دھو کر صاف ستھرا کر دیا تھا۔ مامون بارہ بجے کی فلائٹ سے آ رہا تھا۔ ابا دوپہر کا کھانا کھانے کے لئے گھر ہی آ گئے تھے۔ رانیہ نے چکن بریانی، مٹن قورمہ، کسٹرڈ اور سلاد بنایا تھا۔

''اماں! یہ موصوف تین ماہ یہاں رہیں گے اور آپ نے آج ہی سارے پکوان پکوا لئے۔'' رانیہ نے پانی پیتے ہوئے کہا۔

''پہلی بار آیا ہے مامون یہاں، کیا سوچتا کہ خالہ ایک وقت اچھا کھانا بھی نہیں کھلا سکتی۔

وہ آ گیا ہے خبردار جو اس کے سامنے الٹی سیدھی بکواس کی۔ شرمندہ نہ کرا دینا مجھے اس کے سامنے۔" رضیہ بیگم نے آہستگی سے اسے ڈپٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں جیسے پہلے تو میں ہر کسی کے سامنے آپ کو شرمندہ کراتی رہی ہوں نا۔"

"اری میری رانی! میرا یہ مطلب تھوڑی تھا، اچھا دس پندرہ منٹ میں کھانا لگا دینا اور ماموں کو بھی آ کر سلام کر دینا۔"

"اس حلیے میں۔" رانیہ نے اپنے میلے کپڑوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ "صبح سے تو آپ نے کچن میں گھسا رکھا ہے میں کھانا لگا کر نہانے چلی جاؤں گی۔"

"اچھا ٹھیک ہے ڈھنگ کے کپڑے پہننا۔" رضیہ بیگم نے جلدی سے کہا اور تیزی سے ڈرائنگ روم میں چلی گئیں۔ جہاں ماموں آ چکا تھا اور امجد علی سے محوِ گفتگو تھا۔ رضیہ بیگم سے بھی وہ بہت مہذب انداز میں ملا کچھ دیر دونوں میاں بیوی اس سے گھر والوں کی، اس کی ملازمت کی بابت گفتگو کرتے رہے پھر تینوں نے مل کر کھانا کھایا، ماموں کو ٹیلی فون پر بات کرنے والی لڑکی یعنی رانیہ کو دیکھنے کی تمنا تھی اور وہ کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ امجد علی کھانے کے بعد ماموں کو آرام کرنے کا کہہ کر واپس اپنے اسٹور پر چلے گئے تھے۔

"خالہ جان! میں نے جب فون کیا تھا تو کس نے اٹھایا تھا؟"

"رانیہ نے اٹھایا تھا۔"

"رانیہ کون؟" اسے سلمٰی بیگم نے بتایا تھا کہ رانیہ ان کی بیٹی ہے مگر وہ انجان بن کر پوچھ رہا تھا۔

"میری اکلوتی بیٹی ہے اور کون، تم لوگ کبھی ملے جو نہیں اسی لئے تمہیں معلوم نہیں ہے۔ کھانا اسی نے پکایا تھا، صبح سے کام میں لگی ہوئی تھی شاید تھک کر سو گئی ہو۔ بیٹا اب تم بھی آرام کرو تمہارا کمرہ اوپر چھت پر ہے اپنا سامان بھی وہیں لے جاؤ انشاء اللہ شام کو ملاقات ہو گی۔" رضیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے خالہ جان!" وہ سعادت مندی سے بولا اور اپنا سوٹ کیس اٹھا کر سیڑھیاں چڑھتا جونہی اوپر پہنچا اس کی نظر رانیہ پر پڑی جو نہانے کے بعد دھوپ سینکنے چھت پر آ گئی تھی۔ وہ سفید شلوار ہلکے نیلے رنگ کی کاٹن کی قمیض دوپٹے میں نکھری نکھری بے حد دلکش لگ رہی تھی۔ رانیہ بھی آہٹ سن کر سیڑھیوں کی جانب مڑی تو اپنے روبرو ایک چھ فٹ لمبے، مضبوط وجیہہ سرخ و سفید رنگت والے خوبرو نوجوان کو دیکھ کر سٹپٹا گئی، اسے خیال ہی نہیں رہا تھا کہ اوپر تو اب ماموں کا کمرہ

سیٹ کر دیا گیا ہے۔ وہ آرام کرنے یہیں آتا مگر رانیہ تو نہا کر حسبِ عادت اوپر آ گئی تھی۔ اب شرمندہ سی واپس جانے لگی تو ماموں نے اس کے سراپے پر گہری نگاہ ڈالتے ہوئے شوخ لہجے میں مسکرا کر کہا۔

"اوہ! تو آپ ہیں ملکہ رانیہ۔"

"اوہ! تو آپ ہیں ہاموں جادوگر۔" رانیہ نے برجستہ جواب دیا تو ماموں کو بے اختیار ہنسی آ گئی اور وہ نروس ہو کر نیچے جانے کے ارادے سے آگے بڑھی ہی تھی کہ ماموں نے اس کا ہاتھ تھامنے کی جسارت کر ڈالی۔ رانیہ اس کی اس حرکت پر حیران رہ گئی۔

"آتے ہی اپنی اوقات دکھا دی نا، چھوڑو میرا ہاتھ۔" رانیہ نے غصے سے اس کے خوبرو چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"فون پر خود ہی تو کہا تھا تم نے کہ مجھے دیکھ لینا مگر اچھی نظر سے کہیں نظر نہ لگا دینا اور میں نظر تھوڑی لگا رہا ہوں، میں تو تمہیں اپنی نظر میں سما رہا ہوں، بسا رہا ہوں۔ رانیہ تم واقعی رانی ہو۔" ماموں نے اس کے چہرے کو والہانہ پن سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"چھوڑو میرا ہاتھ خوب جانتی ہوں میں تم جیسوں کو، کلی کلی منڈلانے والے بھنورے، لڑکی دیکھتے ہی تم جیسوں کی شرافت کا جنازہ نکل جاتا ہے۔" وہ اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے نفرت سے بولی۔

"شٹ اپ!" ماموں کی غیرت وانا پر تازیانہ لگا تھا۔ اس نے غصے میں رانیہ کے گال پر تھپڑ رسید کر دیا۔ رانیہ اس کے اس ردعمل کے لئے ہرگز تیار نہیں تھی لڑکھڑا کر صحن کی دیوار سے جا ٹکرائی، اس کے سر پر زور کی چوٹ لگی تھی۔ رانیہ کی چیخ نکل گئی۔ ماموں کو اپنی سنگین غلطی کا فوراً ہی احساس ہوا تھا، وہ اُسے پکڑنے کے لئے بڑھا تو رانیہ نے غصے سے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے اور اتنی حقارت سے اسے گھورا کہ وہ اندر تک سے شرمسار سا ہو گیا۔ وہ اس پر قہر آلود نگاہ ڈال کر تیزی سے نیچے دوڑ گئی۔ ماموں نے اس کی آنکھوں میں سے چھلکتی نفرت کو محسوس کرتے ہوئے آنکھیں میچ لیں۔

"او گاڈ! یہ مجھ سے کیا ہو گیا؟" ماموں نے بے بسی سے اپنے اس ہاتھ کو دیکھتے ہوئے کہا جو غصے میں رانیہ پر اٹھ چکا تھا۔ "اسے بھی تو وہ سب نہیں کہنا چاہئے تھا میں نے کب کسی لڑکی کو اس نظر سے دیکھا یا چھوا ہے کسی کو بھی نہیں...... رانیہ کو دیکھتے ہی میں بے قابو، بے خود اور بے اختیار ہو گیا تھا۔ شاید شرارت اور مذاق کی نیت سے، اسے تنگ کرنے کے لئے بول گیا تھا۔ پتہ نہیں کیا ہو گیا تھا مجھے؟ وہ تو مجھے ایک بُرا انسان سمجھے گی۔ اب کتنی نفرت تھی اس کی آنکھوں میں میرے لئے، یہ

آتے ہی میں نے کیا گل کھلایا ہے۔ اُف میرے اللہ۔" مامون اپنے کمرے میں آ گیا تھا اور سامان رکھ کر بے چینی سے کمرے میں ٹہلتے ہوئے سوچ رہا تھا، خود کلامی کر رہا تھا، بہت بے چین ہو رہا تھا۔

"گھٹیا، آوارہ، فلرٹ کیسے مجھے دیکھتے ہی لٹو ہو گیا اور میں نے آئینہ دکھایا تو الٹا مجھی پر ہاتھ اُٹھا لیا۔ مامون ضیاء تم نے بہت بُرا کیا ہے میرے ساتھ اور اب اچھا تو میں بھی تمہارے ساتھ نہیں کروں گی۔ میں اماں کو شرمندہ نہیں دیکھ سکتی ورنہ ابھی میں تمہاری اس گھٹیا حرکت کے بارے میں ضرور بتا دیتی۔ تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھا کر دشمنی مول لی ہے، تمہارا پہلا تاثر ہی قابل نفرت ہے، آئی ہیٹ یو مامون ضیاء، آئی ہیٹ یو، تم نے اپنی اس حرکت سے ثابت کر دیا ہے کہ تم ایک بگڑے ہوئے آوارہ مزاج امیر زادے ہو لیکن میں تمہارے مزاج کی لڑکی نہیں ہوں، یہ تم بھی جان لو گے۔" رانیہ اپنے کمرے میں آ کر بستر پر ڈھے گئی۔ خاموشی سے روتے ہوئے دل میں سوچتے سوچتے نیند کی وادی میں اُتر گئی۔

دو دن ہو گئے تھے اس واقعے کے بعد رانیہ اور مامون کا آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔ رانیہ دانستہ اس کے سامنے آنے سے کترا رہی تھی۔

"رانیہ بیٹی! یہ مامون ابھی تک نیچے نہیں آیا، دیکھنا جا کر کہیں سو ہی نہ رہا ہو، دفتر بھی تو جانا ہے اسے۔ کبھی دیر ہو جائے۔" رضیہ بیگم نے اگلی صبح رانیہ سے کہا امجد علی ناشتہ کر کے اسٹور پر چلے گئے تھے اور مامون ابھی تک ناشتے کے لئے آیا نہیں تھا۔

"اماں! میں نہیں جا رہی بھوک لگے گی تو آ جائیں گے موصوف۔" رانیہ نے منہ بنا کر جواب دیا۔ انہوں نے ٹرے اٹھا کر کہا۔

"اچھا چل یہ ناشتہ بھائی کو اُوپر ہی دے آ۔"

"میرا کوئی بھائی نہیں ہے، جب سگا بھائی اپنا نہیں بنا تو یہ کیوں میرا بھائی بننے لگا۔" وہ غصے سے کہتی کچن سے تیزی سے باہر نکل گئی اور اس جانب آتے مامون سے ٹکرا گئی۔

"اپنی آنکھیں کھلی رکھا کرو مسٹر۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا رانیہ نے فوراً ہی اسے اس ٹکراؤ کا دوش دیتے ہوئے غصے سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"آنکھیں کیا میں نے تو اپنے دل کے دروازے بھی تمہارے لئے کھول رکھے ہیں۔"

"اپنی کھال میں رہو ورنہ میں ابا سے تمہاری شکایت کر دوں گی اور اس گھر کے دروازے تم پر ضرور بند کر دیئے جائیں گے سمجھے تم۔" رانیہ نے غصے سے اسے گھورتے ہوئے کہا تو وہ بھی سپاٹ لہجے میں بولا۔

"سمجھ گیا تم بھی سمجھ جاؤ، پانچ چھ سال بڑا ہوں میں، تم سے عمر میں، تمیز سے آپ کہہ کر بات کیا کرو مجھ سے۔"

"عمر میں بڑے ہو حرکتیں تو بہت چھوٹی اور گری ہوئی کرتے ہو۔" یہ کہہ کر وہ رکی نہیں تھی اور اپنے کمرے میں جا گھسی تھی۔

"مامون بے بسی سے لب کاٹتا ناشتہ کیے بغیر ہی آفس کے لئے نکل گیا۔

"رانی! تو نے کیا کہا ہے مامون سے جو وہ ناشتہ کیے بغیر ہی آفس چلا گیا؟"

رضیہ بیگم نے باورچی خانے کی جالی دار کھڑکی سے اسے مامون سے الجھتے دیکھ لیا تھا جبھی اس کے جانے کے بعد رانیہ کے سر پر جا پہنچیں اور جرح کرنے لگیں۔

"واپس آئے گا تو اسی سے پوچھ لیجئے گا۔" رانیہ نے چڑ کر جواب دیا۔

"تمہاری ان حرکتوں اور روّیوں کو دیکھ کر وہ یہی سمجھے گا کہ تمہیں اس کا یہاں آنا اچھا نہیں لگا، وہ واپس چلا جائے گا تو کیا عزت رہ جائے گی میری۔ اس کے ماں باپ کی نظر میں، کیا سوچیں گے وہ کہ رضیہ چار دن بھی ہمارے بیٹے کو اپنے گھر مہمان نہیں رکھ سکی۔ آخر تیرا مسئلہ کیا ہے بتا مجھے؟" رضیہ بیگم نے غصے سے سوال کیا۔

"آپ جانتی ہیں مجھے امیر لوگ اچھے نہیں لگتے۔"

"لالچی لوگ اچھے نہیں لگتے مجھے۔" "سارے امیر بُرے تھوڑے ہوتے ہیں اور مامون کی طبیعتِ کتنی سادہ ہے، امیروں والے چونچلے ہیں نہ نخرے اتنا پیارا سعادت مند اور نیک بچہ ہے کبھی اس سے ہنس بول بھی لیا کر کون سا پردہ ہے تیرا اس سے؟" رضیہ بیگم نے اس کی بات کی تصحیح کرتے ہوئے مامون کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے اسے ہدایت دی۔

"اچھا اماں، کر لوں گی بات ابھی تو مجھے سونے دیں۔" اس نے ان کی ڈانٹ سے بچنے کے لئے ان کی بات مانتے ہوئے کہا۔

"نہ یہ کون سا وقت ہے سونے کا۔ اٹھ کر کام ختم کر، نحوست پھیلانے کی ضرورت نہیں ہے۔" رضیہ بیگم کو پھر جلال آ گیا سختی سے بولیں۔

"کام ختم کر تو لیا ہے، جھاڑو پوچا، ڈسٹنگ کر دی ہے بستر درست کر دیئے اب اور کون سا کام کروں؟"

"مامون کا کمرہ اس گھر کا حصہ نہیں ہے کیا چار دن ہو گئے آج تُو نے صفائی تک نہیں کی وہ کیا سوچے گا کیسے گندے کمرے میں رہ رہا ہوں۔"

"آپ کو تو بس اپنے اس لاڈلے کی فکر ہے، وہ کیا سوچے گا۔ اس کے اماں ابا کیا سوچیں گے، کر دیتی ہوں صفائی۔" وہ جلتی ہوئی بستر سے اترتے ہوئے بولی تو انہوں نے ہدایت دی۔

"صحن میں بھی جھاڑو لگا دینا، وہ گیا ہوا ہے اس کے آنے سے پہلے ہی صفائی کر لے، بعد میں اس کے سامنے جاتے ہوئے نخرے کرے گی۔"

"جی اچھا، سارا سکون برباد کر کے رکھ دیا ہے موصوف نے۔"

کمرے میں جھاڑو پوچا لگانے کے بعد منہ ہاتھ دھویا اور اس کے کمرے کی ڈسٹنگ کرنے لگی۔ مامون کی تمام چیزیں ترتیب سے رکھنے کے بعد وہ ڈسٹنگ کرتے ہوئے رائٹنگ ٹیبل پر رکھی اس کی فریم شدہ تصویر اٹھا کر دیکھنے لگی۔ وہ ایک وجیہہ مرد تھا۔ سرخ و سفید رنگت، ڈارک براؤن گھنے سلکی بال، ڈارک براؤن چمکدار آنکھیں پرکشش چہرہ اس پر مسکراتے احمریں لب، دراز قامت، کسرتی بدن کا مالک مامون ضیاء کسی شہزادے سے کم نہیں تھا۔ لڑکیاں اس کی مردانہ وجاہت پر مرتی تھیں مگر رانیہ سوچ رہی تھی کہ کاش! اس خوبصورت مرد کی سیرت بھی اتنی ہی خوبصورت ہوتی، یہ دل پھینک نہ ہوتا، کہ لڑکی دیکھتے ہی ڈائیلاگ بولنے لگے۔"

مامون کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اسے ہلکا سا بخار تھا وہ اسی لیے دیر سے گھر سے نکلا تھا اور آفس میں دو دن کی چھٹی کی درخواست دے کر ڈاکٹر سے چیک اَپ کروا کے دوا خریدتا ہوا واپس گھر آیا تھا اور اپنے کمرے میں قدم رکھتے ہی اس کی نظر رانیہ پر پڑی جو اس کی تصویر پر اپنا آنچل پھیرتے ہوئے اسے بغور دیکھ رہی تھی، وہ لمحے بھر کو ٹھٹکا پھر جانے کیوں مسکرا دیا۔ رانیہ عام سے گھریلو حلیے میں بھی بے حد پُرکشش دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب کر رہی تھیں۔

"اتنے غور سے میری تصویر میں کیا دیکھ رہی ہو؟" مامون نے اپنے بھاری دلکش لہجے میں سوال کیا تو وہ بری طرح سٹپٹا کر اس کی سمت دیکھنے لگی اور پھر اس کی مسکراہٹ سے گھبرا کر تصویر واپس میز پر رکھتے ہوئے بولی۔

"دیکھ رہی تھی کہ اس تصویر کی آنکھوں میں شرم و حیا ہے کہ نہیں۔"

"پھر ملی؟" وہ دو قدم آگے چلا آیا اور دواؤں کا لفافہ میز پر رکھ دیا۔

"کیا؟"

"شرم و حیا" وہ بولا

"ہونہہ۔" وہ سر جھٹک کر بولی اور کمرے سے جانے لگی تو مامون نے اپنا بازو آگے کر

کے اس کا راستہ روک لیا۔ رانیہ نے اسے خونخوار نظروں سے دیکھا۔

"کبھی پیار سے بھی دیکھ لیا کرو۔"

"تمہیں بخار ہے۔" رانیہ نے بے اختیاری میں پوچھا تھا، اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

"ہاں!"

"کب سے۔"

"جب سے تمہیں دیکھا ہے۔"

"اچھا! تو یہ دوا ڈاکٹر سے کیوں لینے گئے تھے؟" وہ طنزیہ لہجے میں پوچھنے لگی۔

"تم نے اپنے بیمار کو مسیحائی سے جو محروم کر رکھا تھا پھر مرتا کیا نہ کرتا۔" مامون نے مخمور لہجے میں جواب دیا۔

"بکواس۔" وہ جھلائی۔ "میں نے غلطی کی جو یہاں صفائی کرنے چلی آئی، مجھے کیا معلوم تھا کہ اس وقت شیطان بھی نازل ہو سکتا ہے۔" وہ غصے سے بولی۔

"میں شیطان نہیں ہوں رانیہ! بلکہ تمہارا قدر دان ہوں۔" وہ تڑپ کر بولا تو اس نے تلخی سے کہا۔

"آتے ہی تھپڑ دے مارا ایسے ہی ہوتے ہیں ناں قدر دان۔"

"آئی ایم سوری! تمہارے سامنے کھڑا ہوں چاہو تو بدلہ لے سکتی ہو۔ کیونکہ میں تب سے بہت بے چین تھا، اب تک اس تھپڑ کا بہت افسوس تھا مجھے، چاہو تو یہ ہاتھ ہی قلم کر دو جو تم پر غصے میں، انجانے میں اٹھ گیا تھا۔" مامون نے اس قدر ندامت کے احساس سے پُر لہجے میں کہا کہ اس کا دل پگھل گیا۔ اس نے ایک نظر اس کے پھیلے ہوئے ہاتھ پر ڈالی اور خاموشی سے سائیڈ سے نکل کر چلی گئی۔ مامون مسرور سا ہو کر مسکرانے لگا۔

"اماں! مامون کو بخار ہے، دوا لائے ہیں وہ ڈاکٹر سے چیک اَپ کرا کے۔" نیچے آ کر اس نے رضیہ بیگم کو بتایا۔

"ہائے جبھی تو میں کہوں کہ بچہ نیچے کیوں نہیں آیا، وہ تو فجر کے وقت اٹھ جاتا ہے۔ بخار تھا اور ہمیں بتایا تک نہیں۔ اوپر ٹھنڈ بھی بہت ہوتی ہے، نہ کوئی ہیٹر ہے کہ سردی کا اثر کچھ کم ہو سکے وہ تو کراچی کا باسی ہے، کراچی والوں سے اتنی سردی کہاں برداشت ہوتی ہے۔ میں دیکھتی ہوں جا کے ایک تو یہ جوڑوں کے درد نے الگ سیڑھیاں چڑھنے اترنے میں مشکل پیدا کر دی ہے۔" رضیہ بیگم نے فکر مندی سے کہا اور اوپر جانے لگیں۔

شام تک مامون کا بخار مزید بڑھ گیا تھا۔ اتنی سردی میں اسے گرمی لگ رہی تھی کبھی کمبل اوڑھ لیتا کبھی اتار پھینکتا، سب ہی گھبرا گئے تھے اس کی حالت دیکھ کر۔

امجد علی نے گیلا کپڑا اس کے ہاتھوں اور چہرے پر پھیرا تا کہ گرمی کم ہو، اور رضیہ بیگم سے ایسا ہی کرنے کی تاکید کی۔

"میں ڈاکٹر کو بلا لاتا ہوں۔" امجد علی نے نیچے آکر رضیہ بیگم سے کہا اور ڈاکٹر کو لینے چلے گئے۔

"رانیہ جا بھائی کے پاس اور جیسے تیرے ابا نے کہا ہے ویسے کر مجھ سے بار بار سیڑھیاں نہیں چڑھی جاتیں۔" رضیہ بیگم نے اسے کہا تو چونکہ مامون کی حالت کی وجہ سے پریشان تھی اس لئے انکار نہ کر سکی اور فوراً اوپر اس کے کمرے میں چلی آئی اور وہ تکئے پر سر دائیں بائیں بے چینی سے ہلا رہا تھا۔

وہ خاموشی سے رومال اٹھا کر اس کے چہرے پر پھیرنے لگی، مامون مسکرا دیا اور اس کے ہاتھ تھام لئے، وہ سٹپٹا گئی دروازے کی سمت دیکھا کہ کہیں اماں ابا نہ آ رہے ہوں۔ مامون نے آنکھیں موند لیں اور اس کے ہاتھوں کو اپنے چہرے پر پھیرنے لگا۔

"رانیہ، رانیہ۔" مامون مدہوشی کے عالم میں اسے پکار رہا تھا۔

"چپ کرو، اماں ابا نے سن لیا تو، شرم نہیں آتی تمہیں، بیماری میں بھی چین نہیں ہے، میں باز آئی تمہاری مسیحائی سے۔" رانیہ غصے سے اسے دیکھتے ہوئے بولی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

ڈاکٹر نے مامون کا چیک اپ کیا، اسے 102 بخار تھا۔ امجد علی نے اسے دلیہ کھلانے کے بعد دوا کھلا دی۔ پھر وہ سو گیا تو سب نیچے آ گئے۔ مگر مامون کی فکر بھی تھی کہ اگر وہ رات کو جاگ گیا تو اس کی دوا کا خیال کون رکھے گا اسی خیال سے امجد علی اس کے کمرے میں جا کر سو گئے۔ صبح تک اس کا بخار اُتر چکا تھا مگر کمزوری محسوس ہو رہی تھی۔ ناشتے کے بعد اس نے دوا کھائی اور کمرے سے باہر صحن میں رکھی کرسی پر آ بیٹھا جہاں دھوپ کی سنہری کرنیں اپنی نرم گرم شعاعیں چار سو پھیلا رہی تھیں۔ وہ رانیہ کے بارے میں سوچ رہا تھا جو پہلی نظر میں ہی اس کے دل کو بھا گئی تھی۔ اس کی روح میں سما گئی تھی۔ اس کی آنکھوں کو اپنے سندر سپنوں سے سجا گئی تھی۔ اس کی بیماری نے اسے بھی پریشان کر دیا تھا۔

☆☆☆

رخسانہ مجید اپنی بیٹی شبانہ کے ساتھ "امجد ہاؤس" آئی تھیں۔

"بھابھی! خیریت ہے نا آج اتنے مہینوں بعد ہمارے گھر کا رستہ کیسے بھول گئیں، آپ اور

وہ بھی اتنی صبح صبح۔" رضیہ بیگم نے انہیں بٹھانے کے بعد مسکراتے ہوئے پوچھا تو رخسانہ مجید کہنے لگیں۔

"بھئی ہم نے سنا ہے کہ سلمیٰ کا بیٹا تمہارے ہاں آیا ہوا ہے اور تم لوگوں نے ہمیں بھنک تک نہیں پڑنے دی کہاں ہے وہ؟"

"اوپر ہے، ذرا طبیعت ٹھیک نہیں ہے اسی لئے آج آفس بھی نہیں گیا۔"

رضیہ بیگم نے مسکرا کر بتایا رخسار مجید تیز لہجے میں بولیں۔

"طبیعت کیوں خراب ہو گئی اس کی، کیا کھلا پلا دیا بچے کو کہ وہ یہاں آتے ہی بیمار پڑ گیا۔"

"انہیں سردی لگی ہے۔" رانیہ نے اپنا غصہ ضبط کر کے کہا۔

"سردی تو لگے گی ہی اوپر چھت پر پہنچا دیا اسے نیچے بندوبست کر دیتے، ورنہ ہمارے ہاں بھیج دیتے، آخر ہمارا گھر بھی تو اس کے ماموں کا گھر ہے، اس کا حق ہے ماموں پر اور ہمارا حق ہے اس پر۔ نام کیا ہے اس کا، مامون ہے نا؟" رخسانہ مجید تیزی سے بولتی چلی گئیں۔

دراصل وہ اپنی بیٹی کے لئے مامون کو رام کرنے کے ارادے سے یہاں آئی تھیں، مامون کو اپنا داماد بنانا چاہتی تھیں۔ رضیہ اور رانیہ ان کی آمد کا سبب خوب سمجھتی تھیں۔

"اسے تو بلاؤ نا اسے کیا ہم سے پردہ کرے گا وہ؟"

"رانیہ! جاؤ بھائی کو بلا لاؤ، کہنا رخسانہ ممانی آئی ہیں اور ساتھ شبانہ بھی ہے وہ بہت خوش ہو گا ان سے مل کے۔" رضیہ بیگم نے رانیہ کو دیکھتے ہوئے کہا تو رخسانہ مجید فوراً بول پڑیں۔

"ہم اس سے اوپر جا کر ہی مل لیتی ہیں۔"

"ممانی وہ سو رہے تھے، ویسے بھی وہ مہمانوں سے اپنے کمرے میں نہیں ملتے۔ میں جا کر دیکھتی ہوں اگر جاگ رہے ہوں گے تو انہیں آپ کی آمد کی اطلاع کر دوں گی۔" رانیہ نے سنجیدگی سے کہا اور ان کا بگڑتا منہ دیکھ کر دل ہی دل میں مسکراتی ہوئی اوپر مامون کے کمرے میں چلی آئی تو اسے موجود نہ پا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"مامون! کہاں چلے گئے؟" وہ بآواز بولی تھی اور جواب بھی فوراً ملا تھا۔

"مامون کہاں جا سکتا ہے، اب تم نے تو اس کے جانے کے تمام راستے ہی بند کر دیئے ہیں۔" مامون نے اسے اپنے کمرے میں جاتے دیکھ لیا تھا جبکہ رانیہ اپنی دھن میں چلتی ہوئی صحن میں دھوپ والی جگہ پر نگاہ دوڑائے بغیر ہی سیدھی کمرے میں چلی آئی تھی۔

"نیچے مجید ماموں کی بیگم اور بیٹی آئی ہیں آپ سے ملنے، یہی بتانے آئی تھی۔ اماں نے بلانے کے لئے کہا ہے۔" رانیہ نے اس کی بات دانستہ نظر انداز کرتے ہوئے اپنے آنے کا مقصد

بیان کیا۔

''ٹھیک ہے، تم چلو میں آتا ہوں۔'' مامون نے جواب دیا تو وہ سر ہلا کر واپس جانے لگی، مامون دروازے کی چوکھٹ پر کھڑا تھا۔

رانیہ کے قریب آنے پر ایک طرف ہو گیا مگر جونہی رانیہ گزرنے لگی اس نے اس کے آگے پیچھے اپنے ہاتھ چوکھٹ پر رکھ کر اس کا راستہ مسدود کر دیا اور پھر اس کی بے باک اور شرارت بھری جسارت پر رانیہ کے رخسار دہک اٹھے۔ یہ کیا بدتمیزی ہے؟'' وہ کسمسا کر غصے سے بولی۔

''یہ اس تھپٹر کا کفارہ ہے اور اس مسیحائی کا شکریہ ہے جو تم نے دن بھر کی تھی، آئی لو یو رانیہ، آئی ریئلی لو یو، تم میری زندگی ہو، روح ہو راحت ہو، اب کوئی دوسرا تمہیں مجھ سے نہیں چھین سکتا، تم صرف میری ہو، صرف میری۔'' مامون نے اس کے حیا کی لالی اور غصے کی حدت سے سرخ ہوتے چہرے کو دیکھتے ہوئے محبت پاش لہجے میں کہا اور اس سے پہلے خود ہی نیچے چلا گیا اور رانیہ وہیں حیران، پریشان اور غصے سے بھری کھڑی رہ گئی۔

''مامون بیٹا! کچھ دن اپنے ماموں کے گھر بھی آ کر رہ لو، کیا ہم تمہارے کچھ نہیں لگتے؟'' رخسانہ مجید نے اسے دیکھتے ہوئے لگاوٹ سے کہا۔

''آنٹی! یہ بات نہیں ہے، دراصل میں یہاں کام کے سلسلے میں آیا ہوں۔ صبح گھر سے نکلتا ہوں تو شام کو لوٹتا ہوں، انشاء اللہ کسی روز آؤں گا آپ کی طرف بھی۔'' مامون نے نرمی سے جواب دیا۔

''یعنی آپ ہمارے گھر رہنے کے لئے نہیں آئیں گے۔'' شبانہ نے بڑی ادا سے کہا۔ فل میک اَپ اسٹائلش لباس میں وہ اسے مرعوب و مائل کرنے کے ارادے سے آئی تھی۔ رخسانہ مجید بھی یہی چاہتی تھیں کہ ان کی تینوں بیٹیوں میں سے کسی ایک کو تو مامون پسند کر ہی لے تو مزے آ جائیں گے وہ بھی ادب [illegible] یا داماد ملنے پر اترایا کریں گی۔

''میں آپ لوگو [illegible] حمت نہیں دینا چاہتا، یہاں آرام ہے، تنہائی ہے، خاموشی ہے، میں سکون سے اپنا کام کرتا ہوں۔ آپ [illegible] میری وجہ سے بہت سی باتوں کا خیال رکھنا پڑے گا، جو میں نہیں چاہتا۔'' مامون نے مہذب [illegible] طریقے سے جواب دیا اور کھڑا ہو گیا۔

''ارے بیٹھو نا بیٹا، کہاں چل دیئے؟'' رخسانہ مجید نے فوراً کہا۔

''آنٹی پلیز! آپ مائنڈ مت کیجئے گا میری طبیعت خراب ہو رہی ہے، میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں، انشاء اللہ سنڈے کو آپ کی طرف ضرور آؤں گا۔'' مامون نے نرم اور مہذب لہجے

میں جواب دیا۔

''ضرور آنا، ہم انتظار کریں گے۔'' رخسانہ مجید نے تاکید کی۔

''جی ضرور اچھا خدا حافظ!'' وہ یہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

پھر رخسانہ مجید اور شبانہ بھی مزید نہیں رکیں اپنے آنے کا مقصد پورا ہوتے ہی واپس چلی گئیں۔

''مجھے لگتا ہے اس کلموہی رانیہ نے مامون کو قابو میں کر لیا ہے، جبھی تو وہ تمہاری طرف دیکھنے سے بھی کترا رہا تھا۔ حالانکہ تم رانیہ سے زیادہ حسین ہو، گوری چٹی ہو، اس کا تو رنگ ہی کالا ہے۔'' گھر آتے ہی رخسانہ مجید نے اپنی بھڑاس نکالتے ہوئے شبانہ سے کہا۔

''توبہ کریں امی، رانیہ کا رنگ کھلتا ہوا گندمی سا ہے، اتنی اٹریکشن ہے اس کے چہرے میں کہ سچ اگر میں لڑکا ہوتی تو رانیہ کو اپنی دلہن بناتی۔'' سب سے چھوٹی رانیہ کی ہم عمر رومانہ نے مسکرا کر کہا تو ڈپٹ کر بولیں۔

''چپ بے شرم، میں اپنے گھر میں کسی غریب سی لڑکی کو دلہن بنا کر نہیں لانے والی ہاں، اور تُو تو ہمیشہ رانیہ کی حمایت میں ہی بولا کر۔ اپنی فکر کرو تم تینوں، مامون سنڈے کو آنے کا کہہ رہا تھا، ذرا ڈھنگ سے تیار ہونا کسی ایک کو تو وہ پسند کر ہی لے گا۔''

''رانیہ نے کوئی بناؤ سنگھار نہیں کر رکھا تھا، عام سے کپڑے پہن رکھے تھے، بھلا مامون جیسا امیر گھر کا لڑکا ایسی لڑکی کو کیوں پسند کرے گا اور پھوپھی بھی تو رانیہ سے کہہ رہی تھیں کہ بھائی کو بلا لاؤ، وہ بھی بھائی ہی کہتی اور سمجھتی ہو گی مامون کو۔'' شبانہ نے کہا۔

''جو بھی سمجھتی ہے سمجھا کرے، مامون یہاں سے ہو کر چلا جائے پھر میں اس کی ماں کو فون کروں گی اور طریقے سے بات اس کے کان میں ڈال دوں گی۔'' رخسانہ مجید نے بیزاری سے کہا تو وہ تینوں مسکرانے لگیں۔

سنڈے کو مامون مجید غفار اور رخسانہ مجید کے گھر پہنچا تو اس کا بہت گرمجوشی سے استقبال کیا گیا تھا۔ رخسانہ مجید تو اس پر صدقے واری جا رہی تھیں اور وہ حیران حیران سا انہیں دیکھ اور سن رہا تھا۔ مجید ماموں بہت کم بولتے تھے۔ ان کی کمی بھی رخسانہ مجید ہی پوری کر رہی تھیں۔ شبانہ، شاہانہ اور رومانہ بہت اہتمام سے تیار ہوئی تھیں۔ جیسے کسی فیشن شو میں شرکت کے لئے جا رہی ہوں، ان کے دونوں بھائی، حمید اور نوید بھی مامون کو کمپنی دے رہے تھے۔ مامون کو اپنی اس قدر پذیرائی کی وجہ بھی جلد ہی معلوم ہو گئی کیونکہ رخسانہ مجید اپنی بیٹیوں کے سلیقے کی ان کی خوبیوں کی کہانی بار بار سنا رہی

تھیں اور کھانے کی میز پر انواع واقسام کے کھانے چنے دیکھ کر مامون حیران رہ گیا۔

"مامون بیٹا یہ کباب لونا، یہ شبانہ نے خاص ترکیب سے تمہارے لئے بنائے ہیں۔" رخسانہ مجید نے کبابوں کی پلیٹ ان کی جانب بڑھا کر کہا تو شبانہ نے بڑی ادا سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔

"شکریہ آنٹی!" مامون نے ایک کباب اٹھالیا۔

"یہ چکن قورمہ میری شاہانہ نے بنایا ہے، لو کھا کر دیکھو، بہت ذائقہ ہے میری شاہانہ کے ہاتھ میں۔" دوسری ڈش اس کی جانب بڑھا کر اب کی بار شاہانہ کو سراہا گیا، حالانکہ سوائے بریانی اور روٹی سلاد وغیرہ کے تمام لوازمات ہوٹل سے پکے پکائے منگوائے گئے تھے۔

"بس آنٹی! بہت کھا لیا، آپ نے ناحق اتنا تکلف کیا، میں تو ابھی تازہ تازہ بیماری سے اُٹھا ہوں، پرہیزی کھانا کھا رہا ہوں، اتنی مرغن اور مصالحے دار چیزیں کھا کر تو میں پھر سے بیمار پڑ جاؤں گا۔" مامون نے ان کی نیت کو بھانپتے ہوئے ایک دم سے بیزار ہوتے ہوئے بمشکل نرم اور مہذب لہجے میں کہا۔

"لو بھلا کھانے سے بھی کوئی بیمار پڑتا ہے، صبح سے شام تک کام کرتے ہو، کھاؤ پیو گے نہیں تو طاقت کیسے آئے گی۔ اچھا لو یہ فرنی تو کھاؤ اس سے تمہاری صحت پر بُرا اثر نہیں پڑے گا۔" یہ رومانہ نے بڑے شوق سے بنائی ہے تمہارے لئے۔" رخسانہ مجید نے اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا اور فرنی کا ڈونگہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ مجبوراً مامون نے دو چمچ فرنی چکھ ہی لی۔

"آنٹی! تمام چیزیں تمام ڈشز بہت مزیدار تھیں۔"

"تو بیٹا لو نا تم نے تو کچھ لیا ہی نہیں۔" وہ خوش ہو کر بولیں۔

"شکریہ آنٹی میرا آپ سے وعدہ تھا اس لئے میں چلا آیا اگر مجھے معلوم ہوتا کہ آپ اتنا اہتمام کرلیں گی تو میں آپ کو پہلے ہی منع کر دیتا بہر حال بہت بہت شکریہ۔" مامون نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ کو سب سے زیادہ کون سی ڈش پسند آئی ہے۔" شبانہ نے پوچھا۔

"بھئی تمام ڈشز ہی بہت مزیدار تھیں کسی ایک کی تعریف کر کے میں باقی دو بہنوں کی دل آزاری نہیں کرسکتا۔ میری تینوں بہنوں نے ہی بہت مزیدار پکوان تیار کئے ہیں شاباش۔" مامون نے دانستہ بہنوں کا لفظ استعمال کرتے ہوئے کہا تو جہاں رومانہ کی ہنسی بے ساختہ نکلی تھی وہاں رخسانہ مجید، شبانہ اور شاہانہ کے چہروں پر اترنے والی بیزاری اور شرمساری بھی برمحل تھی۔ مامون نے ان

سب کی صورتوں کو بغور دیکھا تھا اور خوب حظ اٹھایا تھا بلکہ واپسی پر اس نے بطور خاص تینوں بہنوں کی سر پر دست شفقت پھیرتے ہوئے دعا بھی دی تھی اور رخسانہ مجید کی امیدوں پر پانی پھیر دیا تھا۔

"بیٹھے بٹھائے دو ہزار روپے کی چوٹ لگ گئی اور مامون میاں دو تین سو روپے کا کیک لا کر دو چار نوالے کھا کے جاتے ہوئے لڑکیوں کو بہنیں کہہ کر ان کے سر پر دست شفقت دھر گئے۔ خیر میں ہار ماننے والی نہیں ہوں، رانیہ کا جادو نہیں چلنے دوں گی اس پر۔" رخسانہ مجید غصے سے بولتے ہوئے کبابوں پر ہاتھ صاف کرنے لگیں۔

مامون خاصہ بیزار ہوا تھا مجید ماموں کے گھر جا کر "امجد ہاؤس" واپسی پر اس کی ساری بیزاری دور ہوگئی چونکہ اسے وہاں اپنی اولین محبت و چاہت رانیہ کی معصوم اور دلکش صورت زندگی کا احساس دلانے کے لئے موجود تھی۔ عصر کا وقت ہو رہا تھا جس وقت وہ گھر میں داخل ہوا۔ رانیہ صحن میں رکھے گملوں کو پانی دے رہی تھی۔

"ایک کپ چائے مل سکتی ہے؟" مامون نے اپنے دونوں ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں ڈالتے ہوئے اس کے پاس آ کر آہستگی سے کہا۔

"دعوت پر گئے تھے انہوں نے چائے نہیں پلائی کیا؟" وہ شاور بند کر کے رکھتے ہوئے بولی۔

"انہوں نے تو میز پر انواع واقسام کے کھانے چن رکھے تھے، مگر سچ پوچھو تو میں ڈھنگ سے کھانا بھی نہیں کھا سکا، کچھ عجیب سی نہیں ہیں یہ رخسانہ آنٹی۔" مامون نے سنجیدگی سے بتایا۔

"پتا نہیں۔" رانیہ نے یہ کہتے ہوئے کچن کی چوکھٹ پر ہاتھ رکھا تھا عین اسی وقت اس نے رانیہ کا ہاتھ تھام لیا۔

"یہ کیا حرکت ہے؟" رانیہ ایک دم سے جیسے ہوش میں آگئی۔

"یہ محبت ہے جس کی مسیحائی کا لمس ہر تکلیف مٹا دیتا ہے۔" وہ محبت سے بولا۔

"چھوڑو میرا ہاتھ بدتمیز آدمی۔"

"یہ ہاتھ تو میں نے اب زندگی بھر تھامے رکھنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

"یک طرفہ فیصلہ۔" وہ سلگ کر بولی۔

"انشاء اللہ یہ فیصلہ دوطرفہ ہوگا رانی جان۔ میری ٹریننگ مکمل ہوتے ہی جاب ہو جائے گی، زبردست سیلری و گھر اور گاڑی بھی ملے گی۔ یہ جاب نہ بھی رہے گی تو بھی میرے نام فیکٹری ہے، گاڑی ہے، میں تمہیں بہت آرام اور راحت سے رکھوں گا۔" وہ نرم اور دھیمے لہجے میں بولتا اسے نروس کر رہا تھا۔

"مجھے اپنی دولت سے مرعوب کرنے کی کوشش مت کرو۔"

"تو اپنی محبت سے مرعوب کرنے کی کوشش کروں۔" وہ شرارت سے کہتے ہوئے بولا۔

"پیچھے ہٹو۔"

"میں پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

"ہونہہ، بہت دیکھے ہیں تم جیسے محبت کے دعوے دار۔" رانیہ نے مذاق اڑایا۔

"میری بات سچی ہے، ایک دن تم جان لوگی، تم پر ثابت ہو جائے گا کہ میں تم سے کتنی شدید محبت کرتا ہوں۔"

"لیکن میں تم سے محبت نہیں کرتی، میں صرف اس شخص سے محبت کروں گی جس سے میری شادی ہوگی اور وہ تم نہیں ہوگے۔" اس نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔

"وہ شخص میرے سوا کوئی اور بھی ہرگز نہیں ہوگا، میں تمہیں کسی اور کی ہونے نہیں دوں گا، تمہاری نفرت کو اپنی محبت میں بدل کر رہوں گا۔" وہ اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے یقین اور اٹل لہجے میں بولا۔

"ایسا اظہار نکاح کے بعد ہی اچھا لگتا ہے مامون ضیاء۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

"تو تم نکاح کے لئے تیار ہو؟" وہ شریر ہوا۔

"شٹ اپ!" وہ جھلا کر بولی اور وہاں سے چلی گی۔

رات کو مامون نے اپنے موبائل فون سے اپنے گھر فون کیا اور اپنی ممی کو رانیہ کے لئے اپنی پسندیدگی کا احوال کہہ سنایا، انہیں کوئی اعتراض نہ تھا سوائے اس کے کہ وہ مڈل کلاس سے تعلق رکھتی تھی۔

"ممی! آپ کا تعلق بھی تو مڈل کلاس سے تھا نا، ڈیڈی سے شادی کے بعد آپ کا اسٹیٹس ہائی ہوا ہے پھر رانیہ کے معاملے میں آپ ایسا کیوں سوچ رہی ہیں، وہ بہت شاندار اور باوقار لڑکی ہے۔ خالہ جان اور انکل بھی بہت نائس ہیں، کوئی بناوٹ، دکھاوا اور غرض شامل نہیں ہے ان کے خلوص میں، بس میں نے کہہ دیا ہے کہ میری شریک حیات صرف رانیہ ہی بنے گی، ورنہ کوئی نہیں۔ آپ کو خالہ اور انکل سے میرے رشتے کی بات کرنا ہوگی۔" مامون نے سنجیدگی سے کہا تو وہ ہار مانتے ہوئے بولیں۔

"اچھا بابا! کرلیں گے تمہارے رشتے کی بات لیکن دس بارہ روز تک تو ہم بالکل فارغ نہیں ہیں، یہاں کئی شادیاں اٹینڈ کرنی ہیں، اس کے بعد انشاء اللہ تمہاری شادی کی تیاری شروع کردیں گے۔"

"او تھینک یو ممی آئی لو یو ممی۔" وہ خوش ہو کر بولا تو وہ ہنس پڑیں۔

"آئی لو یو مائی سن او کے اللہ حافظ۔" دوسری جانب سے فون بند ہوگیا تو مامون خوشی خوشی سونے کے لئے لیٹ گیا۔

☆☆☆

رانیہ کا بہت اچھا رشتہ آیا تھا، لڑکا بینک منیجر تھا، دو بہنوں کا اکلوتا بھائی تھا، بہنیں شادی شدہ تھیں، باپ کا انتقال ہو چکا تھا، ماں حیات تھی۔ انہیں امجد علی کے دوست نے امجد علی کے گھر کا راستہ دکھایا تھا۔ امجد علی لڑکے سے مل چکے تھے، انہیں لڑکا بہت پسند آیا تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے لڑکے والوں کو گھر آنے کی اجازت دے دی تھی۔ رضیہ بیگم نے چائے کے ساتھ بہت سی چیزیں تیار کرلی تھیں، کباب اور چکن رولز تو رانیہ نے بنالئے تھے۔ مٹھائی، کیک اور سموسے امجد علی بازار سے خرید لائے تھے۔ رانیہ نے رضیہ بیگم کی ہدایت پر نہا کر نیا جوڑا پہنا تھا۔ میرون شلوار قمیض پر چنری کا دوپٹہ بالوں کی لمبی سی چٹیا بنائے آنکھوں میں کاجل سجائے وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ شام کو امجد علی جلدی گھر آگئے تھے۔ چار بجے ان لوگوں کو آنے کا کہا تھا اور ساڑھے چار بجے کے قریب وہ لوگ "امجد ہاؤس" کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ لڑکے انور صغیر کی والدہ، دونوں بہنیں اور انور صغیر کے بڑے بہنوئی ریاض پر مشتمل یہ قافلہ ڈرائنگ روم میں بیٹھا چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ رانیہ خوشگوار احساسات، تیز تیز دھڑکتے دل اور شرم و حیا سے جھکی ہوئی نظروں میں رضیہ بیگم کے ساتھ ڈرائنگ روم میں آئی تو سبھی نے اسے دیکھ کر ماشاء اللہ کہا۔ رانیہ کو لڑکے کی والدہ نے اپنے پاس بٹھالیا۔

"بھئی ہم تو منگنی کی تاریخ لے کر ہی جائیں گے۔" لڑکے کی ماں نے مسکرا کر کہا۔

"جیسے آپ کی خوشی بہن جی۔" امجد علی نے خوش ہو کہا۔

"رانیہ کا بھائی کہاں ہے؟" لڑکے کی ماں نے پوچھا تو وہ تینوں سٹپٹا گئے۔

"ہماری رانیہ تو چاند کا ٹکڑا ہے۔" انور صغیر کی بڑی بہن نے رانیہ کی ٹھوڑی پکڑ کر چہرہ اوپر کر کے دیکھتے ہوئے کہا تو رانیہ نے بے اختیار ہی پلکیں اٹھا کر سامنے دیکھا تھا جہاں مامون کھڑا تھا اور اس کی حالت ایسی تھی کہ ابھی گر جائے گا۔ دروازے کی چوکھٹ کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے اس کی انگلیاں سفید ہو رہی تھیں۔ اسے اپنی آنکھوں اور سماعتوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔ رانیہ نے اس کی حالت دیکھ کر شرمندگی اور گھبراہٹ سے نظریں جھکالیں۔

"مامون! آؤ بیٹا اندر آجاؤ، اچھے وقت پر آئے، اپنی رانیہ کو دیکھنے کچھ لوگ آئے ہوئے

ہیں۔" امجد علی کی نظر ماموں پر پڑی تو فوراً بولے۔

"السلام علیکم!" ماموں نے اندر آتے ہوئے ان سب پر نگاہ ڈال کر مرے مرے لہجے میں سلام کیا، سب نے اسے بغور دیکھا۔

"وعلیکم السلام!" سب نے ایک ساتھ جواب دیا۔

"یہ ہیں رانیہ کے بھائی۔" لڑکے کی بڑی بہن نے پوچھا۔

"جی ہاں رانیہ کا خالہ زاد بھائی ہے۔ میرا بیٹا تو دبئی میں ہوتا ہے۔" رضیہ بیگم نے بتایا اور امجد کے ذکر پر ان کا دل تو بہت دکھا تھا۔

"آنٹی ہم تو چٹ منگنی اور پٹ بیاہ کریں گے بس آپ ہاں کردیں۔" لڑکے کی دوسری بہن نے مسکراتے ہوئے کہا تو رضیہ بیگم مسکراتے ہوئے بولیں۔

"بیٹی جو اللہ کو منظور ہماری طرف سے تو ہاں ہی سمجھو۔"

"مبارک ہو!" وہ سب خوشی سے بولیں اور ماموں کے دل کا خون کر گئیں اور وہ اپنے آپ کو سنبھالتا کھڑا ہوگیا۔

"خالہ جان! میں ضروری فائل لینے آیا تھا مجھے دوبارہ آفس جانا ہے۔ اس لئے میں اجازت چاہوں گا۔"

"ٹھیک ہے بیٹا خیر سے جاؤ۔" رضیہ بیگم نے محبت سے کہا وہ سب کو خدا حافظ کہہ کر سیدھا اوپر اپنے کمرے میں گیا تھا۔

"آپ کا یہ بھانجا کیا یہیں رہتا ہے آپ کے ساتھ؟" لڑکے کی ماں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"جی نہیں! مون تو کراچی میں رہتا ہے، وہیں بزنس گھر اور فیملی ہے یہاں تو آفس کے کام کو دو چار دن کے لئے آیا ہوا ہے۔" رضیہ بیگم ان کی بات کی تہہ تک پہنچ گئی تھیں سمجھداری سے بولیں۔

"اچھا!" وہ مطمئن سی ہو کر سر ہلانے لگیں۔

"پھر منگنی کی تاریخ طے کرلیں میری بیٹیوں کے سسرال والے اور شہر میں جتنے بھی رشتہ دار موجود ہیں سبھی مدعو ہوں گے چالیس کے قریب تو ہو ہی جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے، اتنے ہی مہمان ہماری طرف سے بھی ہوں گے تو پھر اگلے جمعے کی شام چھ بجے کا وقت رکھ لیتے ہیں۔" امجد علی نے کہا۔

"یہ بہت مناسب رہے گا۔ بھائی صاحب مبارک ہو۔" لڑکے کی ماں نے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا تو رانیہ شرما کر وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔ یہ خوشی کا موقع تھا اور

وہ نجانے کیوں افسردہ ہو رہی تھی۔ اس کی نظروں میں ماموں کی صورت گھوم رہی تھی۔ کیسے اس کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا تھا۔ آنکھوں میں کس قدر یاسیت اور دکھ در آیا تھا۔ وہ بے چین سی ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگی۔

"رانیہ تمہیں ماموں سے نفرت ہے نا پھر اس کے لئے پریشان کیوں ہو رہی ہو؟" رانیہ کے دل نے سوال کیا۔

"میں کسی کو دکھی نہیں دیکھ سکتی اپنی وجہ سے کسی کو آزردہ نہیں کرسکتی، اس کے انداز مجھے برے لگتے تھے، وہ بہت بے باک ہے اپنی محبت کے اظہار میں مگر پتا نہیں وہ محبت بھی تھی کہ محض وہ مجھے آزما رہا تھا، یہ امیر زادے دل لگی تو کرسکتے ہیں محبت ان کے بس کا روگ نہیں ہے لیکن مون کا میری منگنی کی خبر سن کر شاک میں رہ جانا یہ سب کیا ہے؟"

اس کے دماغ نے جواب دیا اور پھر خود ہی سوال بھی کر ڈالا وہ الجھ کر رہ گئی تھی۔ مہمانوں کے جانے کے بعد رضیہ بیگم رانیہ کے کمرے میں آئیں تو بہت خوش نظر آرہی تھیں، اسے دیکھ کر کہنے لگیں۔

"بیٹا ماموں کو بھی چائے کے ساتھ کچھ کھانے کو دے آؤ وہ اوپر ہی ہے اپنے کمرے میں۔"

"اماں! میں ابھی شادی نہیں کروں گی، مجھے ابھی بہت آگے تک پڑھنا ہے، ایم ایس سی کرنا ہے، کالج میں لیکچرار بننا ہے، اتنی جلدی شادی کر کے میں کچھ بھی نہیں کرسکوں گی۔" وہ ان کے ہاتھ تھام کر بے چینی و بے قراری سے بولی۔

"بیٹا! انہیں کونسا تم سے نوکری کروانی ہے ماشاء اللہ اچھا کماتا ہے لڑکا، میاں بیوی اور ساس ہی تو ہوگی، مزے سے رہو گی اتنا اچھا رشتہ پھر نہیں ملے گا اور ضرورت کیا ہے مزید پڑھنے کی۔ بی ایس سی کرلیا ہے بہت ہے اب گھر داری سنبھالنے کی فکر کرو۔" رضیہ بیگم نے نرمی سے سمجھایا مگر دل نہیں سمجھ رہا تھا۔ دل بے کل اور بوجھل ہو رہا تھا۔

"اماں! مجھے ڈر لگ رہا ہے پتا نہیں کیا ہونے والا ہے؟" وہ پریشانی سے بولی دماغ میں ماموں کی صورت اور باتیں گھوم رہی تھیں۔

"خواہ مخواہ کے وسوسے دل میں لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے ابا نے سب پتا کروالیا ہے، لڑکا بہت نیک اور شریف ہے۔ اچھا خاندان ہے اور کیا تم نہیں چاہتیں کہ ہم جلد از جلد تمہارے فرض سے سبکدوش ہو جائیں اور سکون سے مرسکیں۔" رضیہ بیگم نے سنجیدہ لہجے میں کہا تو وہ تڑپ کر بولی۔

"اللہ نہ کرے اماں، آپ کو اور ابا کو کچھ ہو ایسی باتیں نہ کریں اماں۔"

"ارے پگلی! یہاں تو تندرست انسان کی زندگی کا بھروسہ نہیں ہے اور ہم تو پھر بیمار ہیں، کیا خبر کس گھڑی بلاوا آجائے۔ تیرے بھائی کی جدائی نے تو ہمیں ادھ موا کر کے رکھ دیا ہے۔ تجھے محفوظ ہاتھوں میں سونپ دیں گے تو تیری فکر تو ختم ہوگی اب ہمارے دل بہت کمزور ہو گئے ہیں، کوئی صدمہ برداشت کرنے کے قابل نہیں رہے۔ یہ خوشی ہی شاید دل کو سکون دے دے۔ بس تُو فکر نہ کر اللہ نے تیرا نصیب اچھا ہی لکھا ہوگا۔ میری رانیہ انشاء اللہ رانی بن کر راج کرے گی اپنے گھر پر بھی اور شوہر کے دل پر بھی۔" رضیہ بیگم نے اسے گلے لگا کر بھیگتی آواز میں کہا تو وہ افسردگی سے مسکرا دی۔

رانیہ چائے کے ساتھ چکن رولز کباب اور مٹھائی ٹرے میں رکھ کر مامون کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ اس کا اپنی منگنی کے حوالے سے ردعمل دیکھنا اور سننا چاہتی تھی اس لئے چلی آئی۔ مامون بیڈ پر نیم دراز بازو آنکھوں پر رکھے ہوئے تھا۔ رانیہ نے ایک نظر اسے دیکھا پھر ٹرے میز پر رکھی تو آہٹ سن کر مامون نے آنکھوں سے بازو ہٹا کر دیکھا، جانے کیا تھا اس کی آنکھوں میں کہ رانیہ جیسی مضبوط اعصاب کی لڑکی کا دل ڈوب ڈوب گیا۔ وہ نظریں چرا کر جانے لگی تو اس نے تڑپ کر پکارا۔

"رانیہ......"

اور رانیہ کے قدم خود بخود ساکت ہو گئے۔ اس نے گردن گھما کر اس کی سمت دیکھا۔ وہ بستر سے اٹھ کر اس کے پاس چلا آیا اور بغور اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے مدھم اور تھکے تھکے شکستہ لہجے میں پوچھا۔

"کیوں کیا تم نے ایسا؟ کیوں اعتبار نہیں کیا میرے پیار کا؟ کیوں کسی اور کے نام کی انگوٹھی پہننے کے لئے راضی ہو گئیں تم، بولو؟"

"کیونکہ مجھے تم سے محبت نہیں ہے اور نہ ہی میں نے تم سے کوئی عہدِ وفا باندھا تھا جو میں تمہاری پابند ہو جاتی اور اماں ابا کے سامنے اس رشتے کا انکار کر دیتی۔" رانیہ نے ہمت کر کے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"تم میری ہو رانیہ میں نے تم سے کہا تھا نا تم صرف میری ہو، ٹھیک کہا تھا اس خاتون نے کہ تم چاند کا ٹکڑا ہو، یعنی میرا ٹکڑا ہو مون کا ٹکڑا۔ حصہ ہو میرے وجود کا، میں کسی اور کو اپنی زندگی میں شامل کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتا رانی، میں یہ منگنی نہیں ہونے دوں گا۔ اگر یہ منگنی ہو گئی تو ختم کرا دوں گا تمہارے ہاتھوں پر صرف میرے نام کی مہندی سجے گی، سنا تم نے، تم صرف میری دلہن بنو گی۔ کسی اور کے لئے ہاں کرنے سے پہلے سوچ لینا رانیہ علی کہ مامون ضیاء کا قتل تمہارے سر ہوگا۔" وہ اسے شانوں سے پکڑ کر غور سے دیکھتے ہوئے بے حد سنجیدہ لہجے میں بولا تو وہ اندر سے ڈر گئی۔

"پاگل پن کی باتیں مت کرو، میں وہی کروں گی جو میرے باپ چاہیں گے۔" وہ اس کے ہاتھ جھٹک کر غصے سے بولی۔

"تمہارے ماں باپ بھی وہیں چاہیں گے جو میں چاہتا ہوں میں نے ممی سے بہت دن پہلے تمہارے متعلق بات کر لی تھی۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے، اس رشتے پر، میں کل شام کی فلائٹ سے کراچی جا رہا ہوں۔ ممی ڈیڈی کو ساتھ لے کر ہی آؤں گا اور تمہیں اپنے نام کرا کے ہی دم لوں گا۔"

"میں کوئی فیکٹری یا زمین کا ٹکڑا نہیں ہوں جو تم مجھے اپنا نام کروالو گے۔"

"تم تو چاند کا ٹکڑا ہو۔ میرے دل کا ٹکڑا ہو۔"

"سطحی جملے بولنے کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے تمہیں ایڈیٹ۔"

"وہی کچھ بولو رانیہ ڈیئر جس پر تمہیں بعد میں ندامت نہ محسوس ہو۔" مامون نے سنجیدگی سے کہا تو وہ "ہونہہ" کہہ کر اسے پیچھے دھکیل کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

مامون کراچی پہنچ گیا تھا، پہلی فرصت میں اس نے سلمیٰ بیگم سے اپنی اور رانیہ کی شادی کی بات کی تو سلمیٰ بیگم نے نرم اور سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"چھوڑو رانیہ کو میں نے تمہارے لئے جو لڑکی پسند کی ہے اسے دیکھو گے تو وہی تمہیں اپنے سپنوں کی رانی اور شہزادی لگے گی۔"

"ممی! میری زندگی صرف رانیہ ہے، میں کسی دوسری لڑکی کو اس نظر سے دیکھنا بھی گناہ سمجھتا ہوں۔" مامون نے نہایت سنجیدہ اور اٹل لہجے میں ایمانداری سے کہا۔

"اور رانیہ جو گناہ کا کھیل کھیلتی رہی ہے وہ تمہیں نظر نہیں آیا۔"

"ممی، یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" وہ سناٹے میں آگیا۔

"میں نے تمہیں وہاں بھیج کر ہی غلطی کی، مجھے کیا پتہ تھا کہ رانیہ بیگم میرے بیٹے پر ڈورے ڈالے گی۔ اسے اپنی اداؤں سے اپنی محبت کے جال میں پھنسا لے گی۔ بڑا لمبا اور اونچا ہاتھ مارنے کی کوشش کی ہے اس نے۔"

"ممی! اسٹاپ اٹ پلیز!" وہ غصے سے چلا اٹھا۔ "آپ کو اُس معصوم اور باکردار لڑکی کے متعلق ایسی نازیبا گفتگو کرنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ وہ معصوم تو کئی کئی دن میرے سامنے بھی نہیں آتی۔ میں ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے اس کی صورت دیکھنے کو ترس جاتا ہوں اور نہ ہی اس نے اس ڈیڑھ ماہ کے دوران مجھ سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی ہے۔ وہ تو صرف کھانے کے لئے

مجھے بلانے آتی تھی، میں ہی اسے روک کر بات کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ وہ امیرزادوں سے نفرت کرتی ہے کیونکہ اس کا بھائی بھی دولت کمانے دبئی گیا تھا اور پھر ان لوگوں کو بھول گیا۔ اُسے تو میرا اپنے گھر میں آنا اور رہنا بھی سخت ناپسند ہے، وہ بھلا مجھے کیوں ادائیں دکھائے گی۔ وہ تو اتنی معصوم اور من موہنی ہے کہ دل وروح خود بخود اس کی طرف کھینچے چلے جاتے ہیں۔ وہ مجھ سے گریز کرتی ہے۔ مجھے نظر انداز کرتی ہے۔ میری صورت سے بھی بیزار رہتی ہے ممی اور اس لئے تو وہ مجھے اور زیادہ اچھی لگتی ہے، کیونکہ اس میں لالچ نہیں ہے۔ خودغرضی اور بناوٹ نہیں ہے۔ میں اسے اپنی محبت سے جیت لوں گا۔ آپ میرے ساتھ اس کے گھر تو چلیں، بات تو کریں خالہ خالو سے۔" وہ سنجیدگی سے رانیہ کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے بولا۔

"یہی معصومیت تو اس کا ہتھیار ہے، خوب اُلو بنایا ہے اس نے تُمھیں۔ میں تمہیں ایسی چلتر لڑکی سے کبھی نہیں بیاہوں گی، محلے بھر کے لڑکوں سے تو اس کی دوستی اور دل لگی رہ چکی ہے۔" سلمٰی بیگم نے غصے سے کہا۔

"جھوٹ ہے، یہ بکواس ہے سب، نجانے کس نے آپ کو اس معصوم کے خلاف بھڑکایا ہے۔ پہلے جب میں نے بات کی تھی تب تو آپ راضی ہوگئی تھیں، پھر دس بارہ دن کی بجائے بیس دن ہوگئے آپ نے خاموشی اختیار کررکھی تھی یا تو آپ پہلے ہی رانیہ کو اپنی بہو نہیں بنانا چاہتی تھیں اور مجھے ٹال رہی تھیں یا پھر ضرور کسی کی باتوں میں آکر آپ اس باکردار اور بہادر لڑکی کی کردار کشی پر اتر آئی ہیں۔ معاملہ جو بھی ہے میں رانیہ سے کسی صورت دستبردار نہیں ہوں گا، یہ میرا آخری اور اٹل فیصلہ ہے۔" وہ غصے اور جوش سے بولا۔

"دیکھا کیسا بہکایا ہے میرے بیٹے کو اس کلموہی نے۔ اب ماں کے سامنے زبان چلا رہا ہے، ماں کو جھوٹا کہہ رہا ہے اور جب اس کی منگنی طے ہوچکی ہے تو ہم کیوں بات کریں جا کر، بھول جاؤ اسے۔" سلمٰی بیگم نے غصے سے کہا تو اس نے دلگیر لہجے میں سوال کیا۔

"آپ بھول سکتی ہیں مجھے؟"

"کیسی بات کر رہے ہو تم میرے جگر کا ٹکڑا ہو، میں کیسے بُھول سکتی ہوں تمہیں۔" سلمٰی بیگم نے بے قرار ہو کر جواب دیا۔

"تو رانیہ بھی میرے دل کا ٹکڑا ہے، میری محبت ہے میں کیسے بُھول سکتا ہوں اسے۔" مامون نے بہت جذب سے کہا۔

"اس جیسی ہزار مل جائیں گی تمہیں۔"

"ہزار ضرور مل جائیں گی مگر اس جیسی کوئی دوسری نہیں ملے گی۔"

"دیوانے ہوگئے ہو تم تو۔" سلمٰی بیگم مزید برہم ہو کر بولیں۔

"ہاں میں مانتا ہوں، بس آپ مجھے یہ بتائیں کہ آپ اور ڈیڈی میرا رشتہ لے کر رانیہ کے گھر جا رہے ہیں یا نہیں؟"

"نہیں!" سلمٰی بیگم نے فوراً صاف انکار کر دیا۔

"ٹھیک ہے ممی، میرا فیصلہ بھی دوبارہ سن لیجئے، رانیہ نہیں تو کوئی دوسری بھی نہیں، اب میں جانوں اور میری قسمت، آپ سے کچھ نہیں کہوں گا میں۔" مامون نے نرم مگر سنجیدہ لہجے میں کہا اور باہر جانے لگا تو ضیاء الدین کو دروازے میں کھڑے پایا، وہ ان دونوں کی ساری باتیں سن چکے تھے۔ انہیں مامون کی خوشی عزیز تھی مگر جو کچھ وہ اپنی بیوی کی زبان سے سن چکے تھے اس نے انہیں بھی الجھن میں مبتلا کر دیا تھا۔

"خدا حافظ ڈیڈی!" مامون انہیں دیکھ کر کہتا ہوا باہر نکل گیا۔

"سلمٰی بیگم آپ اس بچی رانیہ سے نہ ملی ہیں نہ اس کو قریب سے دیکھا ہے پھر آپ کیسے اسے بدکردار کہہ سکتی ہیں اور مامون گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے ان کے ہاں مقیم ہے، اس نے رانیہ کو قریب سے دیکھا ہے، وہ اسے جانتا ہے، جبھی تو وہ اس سے شادی کا خواہش مند ہے۔" ضیاء الدین نے اندر آکر سلمٰی بیگم کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو وہ بولیں۔

"وہ تو باؤلا ہوگیا ہے، اسے تو ہر لڑکی سے پیار ہو جاتا ہے۔"

"غلط، بالکل غلط اگر ایسا ہوتا تو وہ اب تک آپ کی پسند کی جانے والی لڑکیوں سے بھی عشق فرما چکا ہوتا اور کسی سے شادی بھی کر چکا ہوتا مگر اس نے تو انہیں بغور دیکھنا بھی پسند نہیں کیا۔ مامون نے رانیہ سے محبت کا دعویٰ کیا ہے اس لڑکی میں کچھ تو ایسا ہوگا نا جو ہمارے بیٹے کے من کو بھا گئی ہے۔ سلمٰی بیگم! بڑے بیٹے کی شادی میری بھتیجی سے ہوئی ہے اور چھوٹے بیٹے کی شادی آپ اپنی بھانجی سے کرا دیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔ اس طرح دونوں خاندانوں سے مستقبل میں بھی رشتہ جڑا رہے گا۔" ضیاء الدین نے نرمی سے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"لیکن میں رانیہ کو اپنی بہو نہیں بناؤں گی، مامون جذباتی ہو رہا ہے جب اس کی اصلیت جان جائے گا تو خود ہی پیچھے ہٹ جائے گا اور رانیہ کی منگنی ہو رہی ہے، جمعے کو، ہم کیوں وہاں جا کر رنگ میں بھنگ ڈالیں۔" سلمٰی بیگم نے سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں کہا۔

"سلمٰی بیگم! سوچ لیں جو کچھ آپ رانیہ کے متعلق کہہ رہی ہیں اگر وہ جھوٹ اور الزام ہوا

تو آپ اپنے بیٹے کو کھو دیں گی۔ جانتی ہیں ناں مامون کو، اس نے آج تک ہمیں کسی معاملے میں پریشان اور شرمسار نہیں ہونے دیا کوئی ایسا کام یا فیصلہ نہیں کیا جس سے ہمارا سر جھک گیا ہو۔ وہ بہت سمجھدار اور دُھن کا پکا ہے۔ اگر اس نے کہا ہے کہ وہ رانیہ کے سوا کسی لڑکی سے شادی نہیں کرے گا تو لکھ لیجئے کہ وہ اپنے کہے پر عمل کر کے دکھائے گا تب کیا آپ اپنے بیٹے کو تنہا اور آزردہ دیکھ کر خوش رہ سکیں گی؟'' ضیاء الدین نے سنجیدگی سے کہا تو وہ لاجواب ہو کر وہاں سے اٹھ گئیں۔

مامون کو اپنی کمپنی کی طرف سے گھر کی سہولت ملی ہوئی تھی مگر وہ رانیہ کو دیکھنے کی چاہ میں ''امجد ہاؤس'' میں رکا ہوا تھا۔ اب جبکہ رانیہ کسی اور کے نام سے منسوب ہونے جا رہی تھی تو اس نے کمپنی کے گھر میں شفٹ ہونے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ وہ کراچی سے سیدھا لاہور ہوٹل آیا تھا اور اگلے روز اپنے گھر کی چابیاں لے کر اپنا سامان وہیں لے گیا تھا۔ ''امجد ہاؤس'' میں اس کا کچھ سامان موجود تھا لیکن وہ اس قدر دکھی اور دلگیر تھا کہ وہاں جانے کا حوصلہ نہیں کر سکا۔ اس کو اپنی ماں کی بدگمانی اور رانیہ کے متعلق رائے اور رویے نے بہت مایوس اور دل برداشتہ کر دیا تھا۔ رانیہ کو تو وہ اپنی محبت سے اپنا اسیر بنا لینے کا یقین رکھے ہوئے تھا لیکن وہ اپنی ماں کو کیسے مناتا کس طرح سمجھاتا کہ رانیہ کے متعلق ان کی سوچ غلط ہے۔ وہ خود سے رانیہ کے والدین سے اپنے رشتے کی بات بھی نہیں کر سکتا تھا کہ نہ اس کے والدین اس کے ساتھ تھے اور اب جبکہ اس کی منگنی طے ہو چکی تھی تو رانیہ کے والدین مامون کے پروپوزل اس کے ممی ڈیڈی کی رضا مندی کے بغیر کسی صورت قبول نہ کرتے۔ یہی بے بسی کا احساس مامون کو رُلا رہا تھا۔ وہ رانیہ کو کسی اور کی ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بے قراری سی بے قراری تھی، چین، سکون، نیند، آرام، کھانا پینا سب ختم ہو گیا تھا۔

''مامون اگر رانیہ اس رشتے سے خوش ہے تو تمہیں بھی اس کی خوشی میں خوش ہونا چاہیے۔''
اس کے دماغ نے اسے سمجھایا۔

''کہاں سے لاؤں میں اتنا حوصلہ اپنی محبت کو گنوا کر کیسے خوش رہ سکتا ہوں میں۔''

آج جمعہ تھا، رانیہ کی منگنی انور صغیر سے ہو رہی تھی۔ گھر مہمانوں سے بھرا ہوا تھا، مامون آج اپنی محبت کو دیکھنے نہیں آیا تھا۔ کیسے وہ رانیہ کے سامنے آ کر کہتا کہ وہ اکیلا رہ گیا ہے۔ اس کے ماں باپ نے اس کا فیصلہ قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ وہ تو بڑے یقین اور مان سے رانیہ کو بتا کر گیا تھا کہ وہ اپنے ممی ڈیڈی کو لینے جا رہا ہے، وہ اسے اس کے والدین سے ہمیشہ کے لئے مانگ لیں گے، لیکن اس کا یقین اور مان تو اس کی پیاری ماں نے ہی توڑ دیا۔ وہ اپنے کمرے میں اندھیرا کئے تنہائی میں تڑپ رہا تھا۔

''مامون سنبھالو خود کو جو لڑکی تم سے نفرت کرتی ہے تم اس کے لئے خود کو روگ کیوں لگا رہے ہو؟'' دماغ نے سمجھایا۔

''نہیں وہ مجھ سے نفرت نہیں کر سکتی وہ تو کسی سے بھی نفرت نہیں کر سکتی۔ بس چڑتی ہے، میں نے بھی تو اسے خوب تنگ کیا تھا مگر اب کیا ہو سکتا ہے۔ میں تو اس سے ہمیشہ محبت کرتا رہوں گا۔''

''امجد ہاؤس'' میں خاندان اور محلے کی عورتوں کا جمگھٹا لگا ہوا تھا۔ رخسانہ مجید بھی اپنی تینوں بیٹیوں کے ہمراہ آئی ہوئی تھیں۔ مجید ماموں بھی بھانجی کی منگنی میں خوشی خوشی شریک تھے۔ رخسانہ مجید کو تو آگ لگ رہی تھی کہ ان کی بیٹیاں بیٹھی ہیں اور رانیہ ان سے چھوٹی ہونے کے باوجود منگنی شدہ ہو گئی ہے اور وہ بھی پچیس ہزار کی تنخواہ والے اکلوتے بیٹے کا رشتہ ملا تھا اسے۔ جب سے انہوں نے رانیہ کی منگنی طے ہونے کا سنا تھا تب سے وہ انگاروں پر لوٹ رہی تھیں اور ایک تیر سے دو شکار کرنے کا سوچ رہی تھیں۔ منگنی کی رسم دھوم دھام سے ادا ہوئی تھی۔ رانیہ گلابی شرارہ سوٹ میں بہت ہی حسین لگ رہی تھی۔ مامون کو موجود نہ پا کر اور اس کے رضیہ بیگم کی زبانی کراچی جانے کا سن کر رخسانہ مجید کو دلی مسرت ہوئی تھی۔ سب مہمان کھانا کھا رہے تھے جب رخسانہ مجید رانیہ کی ہونے والی ساس بیگم صغیر کے قریب چلی آئیں جو بڑی رغبت سے بریانی اور چکن قورمہ کھا رہی تھیں۔ رخسانہ مجید سے ان کا تعارف ہو ہی چکا تھا۔

''مجھے تو رانیہ کی قسمت پر رشک آ رہا ہے بہن، ورنہ ایسی لڑکی کو کوئی شریف خاندان کیوں قبول کرنے لگا۔ سچ کہتی ہوں بڑا دل ہے آپ کا جو رانیہ کی لغزشوں پر پردہ ڈال کر اسے اپنی بہو بنانے جا رہے ہیں اور وہ بھی اپنے اکلوتے بیٹے کے لئے۔ آپ نے ایسی چالاک لڑکی پسند کی ہے خیال رکھیے گا بہن کہیں رانیہ آپ کے بیٹے کو ہی نہ لے اڑے۔''
رخسانہ مجید نے بیگم صغیر کے قریب ہو کر بہت آہستگی سے زہر اگلا۔

''کیا مطلب ہے آپ کا، کیسی لڑکی ہے رانیہ؟'' بیگم صغیر کھانا بھول گئیں اور پریشان ہو کر پوچھنے لگیں۔

''میں تو آپ کے بھلے کو بتا رہی ہوں، وعدہ کریں میرا نام بیچ میں نہیں آئے گا۔ سمجھا کریں ناں رشتے داری کا معاملہ ہے۔'' رخسانہ مجید نے آہستگی سے کہا تو وہ تیزی سے بولیں۔
''آپ بے فکر ہو کر بتائیں آپ کا نام نہیں آئے گا۔''

''دراصل رانیہ کا کردار اچھا نہیں ہے، محلے کے ہر لڑکے سے تو اس کا چکر چل چکا ہے۔ اب آپ تو جانتی ہیں ناں کہ یہ آج کل کے لڑکے ایسی لڑکیوں سے صرف دل لگی کرتے ہیں۔ شادی

وہ کسی نیک پروین سے ہی کرتے ہیں۔ رانیہ جیسی لڑکی سے سب اپنا مطلب پورا کرنے کے بعد اپنا راستہ بدل گئے۔" رخسانہ مجید نے سازشی لہجے میں کہا۔

"آپ سچ کہہ رہی ہیں؟" بیگم صغیر کے تو پسینے چھوٹ گئے تھے۔ ان کی باتیں سن کر مرے مرے لہجے میں تصدیق چاہی۔

"خدا کو منہ دکھانا ہے بہن، میں بھلا جھوٹ کیوں بولوں گی۔ آپ سے مجھے مل کر بے حد خوشی ہوئی تھی اسی لئے بتا رہی ہوں کہ کل کلاں کو جب رانیہ کے عاشق نے رانیہ سے رابطہ کرلیا تو آپ ہی کی بدنامی ہوگی...... اور اگر رانیہ اتنی ہی باکردار اور نیک ہوتی تو میں اسے اپنی بہو بنا لیتی، خیر سے دو بیٹے ہیں میرے، مجھے رانیہ پسند بھی بہت تھی لیکن جب اس کی حرکتیں سامنے آئیں اور تصویریں دیکھیں تو میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ میں آنکھوں دیکھی مکھی کیسے نگل سکتی ہوں۔ میرے لڑکوں کے لئے رشتوں کی کمی تھوڑی ہے جو میں گناہ کی اس پوٹ کو اپنے بیٹے کے سر منڈھ دیتی۔ اسی لئے خاموش ہوگئی۔ یہ دیکھو یہ تصویر اللہ جانے کس لڑکے کے ساتھ دلہن بنی کھڑی ہے۔"

رخسانہ مجید نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت جلدی جلدی بتایا اور اپنے پرس میں سے ایک تصویر نکال کر ان کے سامنے کردی۔ تصویر رانیہ کی ہی تھی جس میں وہ دلہن بنی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ایک دولہا بھی مونچھوں والا کھڑا مسکرا رہا تھا۔ یہ تصویر دراصل رانیہ کے کالج کے ورائٹی پروگرام کی تھی جس میں اس نے فینسی ڈریس شو میں حصہ لیا تھا۔ رخسانہ مجید کی چھوٹی بیٹی شاہانہ رانیہ سے ایک سال سینئر تھی اور کالج کی فیئر ویل پارٹی میں اس نے یہ تصویر اتاری تھی۔ رانیہ کے ساتھ جو دولہا تھا دراصل رومانہ تھی جو مردانہ لباس اور گیٹ اَپ کی بدولت پہچانی نہیں جا رہی تھی...... رخسانہ مجید اپنے مقصد میں کامیاب ہوچکی تھیں۔ بیگم صغیر نے اپنی بیٹیوں اور بیٹے انور صغیر کو بلا کر تصویر بھی دکھائی اور ساری بات بتانے کے علاوہ منگنی اسی وقت ختم کرنے کا فیصلہ سنا دیا جو ان تینوں نے بلا تامل قبول کرلیا۔ بیگم صغیر رانیہ کے پاس گئیں جو ڈرائنگ روم میں شاہانہ اور شبانہ کے بیچ بیٹھی شرمیلے پن سے مسکرا رہی تھی۔

"لڑکی ہاتھ اِدھر لاؤ۔" بیگم صغیر نے غصے سے کہا تو وہ تینوں انہیں حیرانگی سے دیکھنے لگیں۔ رضیہ بیگم بھی ان کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

"رضیہ بیگم! میں یہ منگنی ابھی اور اسی وقت ختم کر رہی ہوں۔"

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں بہن؟" رضیہ بیگم نے دل تھام کر حیرت و صدمے سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو رانیہ نے بھی جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"اپنی اس بدکردار اور آوارہ لڑکی کو کسی اور بیوقوف کے سر منڈھنا، مجھے نہیں لے جانی یہ گناہ کی گٹھڑی اپنے گھر، یہ منگنی ختم ہوگئی۔" بیگم صغیر نے سفاکی سے کہتے ہوئے رانیہ کے ہاتھ سے منگنی کی انگوٹھی اتار لی۔ تمام مہمان خواتین حیرت اور افسوس سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ رانیہ کے متعلق جو کچھ انہوں نے سنا تھا اس پر کسی کو یقین نہیں آرہا تھا اور رانیہ بے گناہ ہوتے ہوئے بھی گناہ گار قرار دے دی گئی تھی۔ رضیہ بیگم اور امجد علی کے لاکھ سمجھانے، روکنے اور منت وفریاد کے باوجود بیگم صغیر رکی نہیں تھیں اور اپنے بیٹے بیٹیوں اور دیگر رشتے داروں سمیت وہاں سے چلی گئی تھیں۔ ہنستے بستے گھر میں پل بھر میں صف ماتم بچھ گئی تھی۔ امجد علی یہ ذلت ورسوائی بیٹی کی بدنامی اور جگ ہنسائی کا صدمہ برداشت نہ کرسکے تھے اور لڑکے والوں کے اپنے گھر پہنچنے سے پہلے ہی وہ دل کا دورہ پڑنے سے موت کی وادی میں جا پہنچے تھے۔ رانیہ نے سیاہ ماتمی لباس زیب تن کرلیا تھا۔ اسے تو جیسے سکتہ ہوگیا تھا۔ رضیہ بیگم کا رو رو کر برا حال تھا۔ سبھی رشتے دار جو منگنی میں شریک تھے، اب امجد علی کی موت کے غم میں شریک تھے۔ رانیہ کو ہر کوئی حسب توفیق برا کہہ رہا تھا اور وہ سب کی زہر آلود دل فگار باتیں سن رہی تھی۔

"توبہ توبہ، ایسی بے حیا لڑکی جسے ماں باپ کی عزت کا بھی خیال نہ آیا، باپ کی غیرت کا جنازہ نکال دیا، رانیہ نے۔ باپ بے چارہ صدمے سے ہی مرگیا۔" ایک محلے دار عورت کہہ رہی تھی۔

"شکل اور عمل سے تو بڑی معصوم لگتی تھی ہمیں کیا خبر تھی کہ اندر ہی اندر یہ گل کھلا رہی ہے۔" دوسری عورت نے کہا۔

"ارے یہ اچھی شکل ہی برے عمل کراتی ہے۔ لڑکے والوں کا دماغ تھوڑی خراب تھا جو منگنی کرتے ہی توڑ ڈالی۔ آخر انہیں بھی تو اپنے خاندان میں منہ دکھانا تھا۔ ان کی عزت بھی تو مٹی میں مل گئی ایسی لڑکیوں کا ایسا ہی انجام ہوتا ہے۔" تیسری عورت نے رائے دی۔

"ماں باپ کا قصور تو نہیں تھا۔ اتنے نیک ماں باپ کی اتنی بدکردار اولاد۔ چہ چہ چہ...... ہائے رضیہ بہن اکیلی رہ گئی امجد بھائی تو بیٹی سے پیار بھی بہت کرتے تھے اور پیار کا یہ نتیجہ دیا ہے بیٹی نے کہ ذلیل کرا کے مار دیا باپ کو ہائے ہائے۔"

ایک اور آواز رانیہ کی روح چھلنی کرگئی۔ کتنی ہی لفظوں کی انیاں، باتوں کے خنجر اور لہجوں کے نشتر اس کی روح میں پیوست ہوگئے تھے اور اسے لہولہو کر گئے تھے۔

"اگر یہ منگنی ہوگئی تو ختم کرا دوں گا، تمہارے ہاتھوں پر صرف میرے نام کی مہندی سجے گی سنا تم نے۔ تم صرف میری دلہن بنو گی۔" رانیہ کی سماعتوں میں ماموں کی کہی ہوئی بات گونجی تھی

اور وہ چونک کر حواسوں کی دنیا میں لوٹ آئی تھی۔ ''مامون ضیاء تم نے میرے انکار کا بدلہ لے لیا ناں تم نے منگنی ختم کرانے کی دھمکی دی تھی ناں اور اپنے گھٹیا منصوبے پر عمل کر بھی دکھایا۔'' رانیہ نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا تھا، اس کے قریب بیٹھی رخسانہ مجید نے اس کی بات سن لی تھی اور فاتحانہ انداز میں دل ہی دل میں مسکرا دی تھیں۔ اب مامون ضیاء اور انور صغیر دونوں رانیہ کی بدنامی کے سبب اس سے دور ہوگئے تھے اور اب رخسانہ مجید کو انہیں اپنا داماد بنانے کا مرحلہ آسان نظر آرہا تھا، دونوں اتنے اچھے رشتے تھے وہ ہر صورت انہیں حاصل کر لینا چاہتی تھیں۔

☆☆☆

مامون کے موبائل کی بپ بج رہی تھی، اس نے تھکے تھکے انداز میں موبائل اٹھا کر دیکھا ہارون بھائی کا موبائل نمبر تھا۔ اس نے موبائل آن کر کے کان سے لگا لیا۔

''ہیلو!''

''مامون!'' کیا بات ہے یار کب سے ممی ڈیڈی تمہیں فون کر رہے ہیں تم فون کیوں نہیں ریسیو کر رہے؟'' ہارون بھائی نے اس کی آواز سنتے ہی پوچھا۔

''خیریت ہے بھائی۔''

''خیریت نہیں ہے لو ممی سے بات کرو۔''

''ہیلو مون چندا کہاں ہو تم؟'' سلمیٰ بیگم کی آواز اس کے کان میں پڑی۔

''میں ادھر ہی ہوں ممی اپنے گھر میں۔''

''کچھ خبر بھی ہے تمہیں امجد بھائی کا انتقال ہوگیا ہے۔''

''کیا؟'' مامون ایک دم سے اچھل کر کھڑا ہوگیا۔ ''کک کون ممی! رانیہ کے ابا؟''

''ہاں! ان کا ہارٹ فیل ہوگیا ہے، ابھی ابھی ان کے گھر سے فون آیا تھا میں اور تمہارے ڈیڈی کل صبح تک پہنچ جائیں گے، جنازہ کل صبح دس بجے ہے۔ تم بھی وہاں جاؤ، رضیہ اکیلی ہوگی، سو کام ہوں گے کرنے والے۔'' سلمیٰ بیگم نے جلدی جلدی بتایا وہ صدمے سے نڈھال ہوگیا۔

اسے رانیہ کا خیال آرہا تھا۔ رضیہ بیگم کی شفیق صورت نگاہوں میں گھوم رہی تھی۔ امجد علی کی بے ریا محبت و عنایت دل دکھا رہی تھی۔ ''ممی، یہ سب کیسے ہوگیا آج تو رانیہ کی منگنی تھی؟''

''منگنی ہونے کے تھوڑی دیر بعد ہی توڑ دی گئی تھی کہ لڑکی یعنی رانیہ بدکردار ہے آوارہ ہے بس اسی صدمے سے امجد بھائی چل بسے۔ رضیہ کی نجانے کیا حالت ہوگی، بہت ذلت اور رسوائی ہوئی ہے رانیہ کی...... تم اس لڑکی کے گن گاتے تھے نا دیکھ لئے اس کے لچھن، منگنی ہوتے ہی ٹوٹ

گئی اور باپ کی موت کی ذمے دار بھی وہی رانیہ ہے، لعنت ہو ایسی بیٹی پر۔'' سلمیٰ بیگم طنزیہ اور تلخ لہجے میں بولیں۔

''میرا دل نہیں مانتا ممی، رانیہ ایسی نہیں ہے۔ وہ اگر کمزور کردار کی مالک ہوتی تو میری بار بار کی جانے والی پیش قدمی پر نفرت اور غصے کا اظہار نہ کرتی...... نہیں وہ ایسی نہیں ہے۔'' مامون نے پر یقین لہجے میں کہا اور موبائل آف کر دیا۔ دوسری جانب سلمیٰ بیگم رانیہ کو کوس رہی تھیں جس نے ان کے بیٹے پر بقول ان کے جادو کر دیا تھا جو اس کی اس قدر ذلت و رسوائی کے باوجود اسے نیک پارسا اور باکردار سمجھے ہوئے تھا۔

امجد علی کو منوں مٹی تلے دفنا دیا گیا تھا۔ رضیہ بیگم اور رانیہ کا رو رو کر برا حال تھا۔ مامون نے رانیہ کو بس دور سے ہی دیکھا تھا اور اس کی حالت پر تڑپ کر رہ گیا تھا۔ اس کا بس چلتا تو وہ اس کے سارے آنسو، سارے غم اپنے دامن میں جذب کر لیتا۔ اس نے بھی لوگوں کی زبانی رانیہ کی منگنی ٹوٹنے اور امجد علی کو دل کا دورہ پڑنے کی کہانی سنی تھی۔ یہی نہیں ہر زبان پر رانیہ کے لئے لعنت ملامت کے کلمات تھے۔ جنہیں سن سن کر مامون کا دل چھلنی ہو رہا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اس کی یہ حالت ہے تو رانیہ کے دل پر کیا گزر رہی ہوگی۔

''خدا غارت کرے اسے جس نے میری معصوم بچی پر الزام لگایا ہے۔ اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے، وہ ضرور میری بچی کے مجرم کو سزا دے گا۔'' رضیہ بیگم روتے ہوئے بولیں تو رخسانہ مجید نظریں چرا کر وہاں سے اٹھ گئیں۔ سلمیٰ بیگم اور ضیاء الدین سوئم کے بعد واپس چلے گئے تھے۔

دس دن ہوگئے تھے امجد علی کو رخصت ہوئے اور رضیہ بیگم رو رو کر بیمار پڑ گئی تھیں۔ نزلہ، کھانسی، بخار انہیں گھیرے ہوئے تھا۔ امجد علی باپ کی موت پر بھی نہیں آیا تھا، اس کا صدمہ الگ تھا رضیہ بیگم کو، رانیہ کے تاریک مستقبل کے خیال نے بے موت مار دیا تھا۔ شوہر ابدی جدائی دے گیا تھا۔ بیٹا جیتے جی منہ موڑ گیا تھا اور بیٹی کا گھر آباد ہونے سے پہلے ہی برباد ہوگیا تھا۔ ذلت و رسوائی اور بدنامی کا داغ اس کی پیشانی پر لگ گیا تھا۔ رضیہ بیگم یہ سوچ سوچ کر ہلکان ہو رہی تھیں کہ اگر انہیں کچھ ہوگیا تو رانیہ کا کیا بنے گا؟ اسے اتنی ذلت و رسوائی کے بعد اب کون قبول کرے گا؟ اور اکیلی لڑکی کو کون چین سے جینے دے گا؟ ان کے سگے بھائی تک نے رانیہ کے کردار کی اس رونمائی کے سبب اسے اپنی ذمے داری سمجھ کر قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ رانیہ کے سامنے سب کے رویے تھے۔ اس نے ماں کو حوصلہ دینے اور دنیا کو دکھانے کے لئے خود کو سنبھال لیا تھا۔ مضبوط بنا لیا تھا۔ اسے احساس تھا کہ اب اسے اکیلے ہی زندگی کی گاڑی کو کھینچنا ہے۔ لہٰذا اپنے دل اور اعصاب

کو اپنے ارادوں کو مضبوط تر بنانا ہوگا۔ وہ اللہ سے مدد مانگ رہی تھی اور رضیہ بیگم بھی دن رات روتے ہوئے اللہ سے گڑگڑا کر رانیہ کے بہتر و خوشحال اور محفوظ مستقبل کی دعائیں مانگا کرتی تھیں۔

رانیہ کا بی ایس سی کا رزلٹ آؤٹ ہوگیا تھا اور اس نے پورے کالج میں ٹاپ کیا تھا۔ رضیہ بیگم یہ خوشخبری سن کر رو دیں اسے گلے لگا کر خوب پیار کیا، رانیہ اپنی سند لینے کالج جا رہی تھی، جانے سے پہلے دوپہر کے لئے کھچڑی پکا کر ہاٹ پاٹ میں رکھ دی تھی کیونکہ رضیہ بیگم بیماری کی وجہ سے پرہیزی کھانا کھا رہی تھیں۔ رانیہ بھی وہی کھا لیتی تھی۔ اپنے لئے علیحدہ سے کچھ نہیں پکاتی تھی۔

''رانیہ.....'' وہ کالج جانے کے لئے چادر اوڑھ رہی تھی کہ ماموں کی آواز پر چونک کر پلٹی، سیاہ پینٹ شرٹ اور کوٹ میں ہلکی سی شیو بڑھائے وہ کچھ غمزدہ سا دکھائی دے رہا تھا۔

''رانیہ جو کچھ بھی ہوا ہے مجھے اس کا بہت افسوس ہے۔''

''کیوں آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ جو کچھ بھی آپ نے چاہا وہ آپ کی پلاننگ کے تحت کامیابی سے ہوگیا۔'' وہ تلخی سے بولی۔

''تم غلط سمجھ رہی ہو۔'' وہ تڑپ کر بولا۔

''میں تو ہوں ہی غلط، پوچھ لیجئے محلے میں کسی سے بھی، بلکہ شہر بھر آپ کو میرے غلط ہونے کی گواہی دے گا۔'' وہ تلخ لہجے میں بولتی اس کی بے چینی بڑھا رہی تھی۔

''مجھے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، میں جانتا ہوں کہ تم بہت معصوم اور باکردار ہو۔'' وہ دل سے کہہ رہا تھا۔

''ظاہر ہے آپ جانتے تھے جبھی تو آپ نے مجھے بدنام کیا، ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت آپ نے مجھے رسوا کیا۔ آپ کو خود تو معلوم ہی تھا نا کہ رانیہ ایک باکردار لڑکی ہے۔'' وہ اسی لہجے میں بولی۔

''تم کہیں جا رہی تھیں شاید۔'' وہ اس کی بات نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

''کہاں جانا ہے آؤ میں چھوڑ دوں۔''

''آپ مجھے چھوڑ ہی دیں تو اچھا ہے مسٹر ماموں ضیاء۔''

☆☆☆

''رانیہ! ہمیں آپ پر فخر ہے آپ نے پورے سائنس گروپ میں ٹاپ کیا ہے، اب آگے کیا ارادے ہیں آپ کے؟''

رانیہ کالج کی پرنسپل فرحت نسیم کے آفس میں ان کے روبرو بیٹھی تھی اور وہ اسے سراہتے

ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''میڈم میں کیمسٹری میں ایم ایس سی کرنا چاہتی ہوں۔'' رانیہ نے جواب دیا۔

''ہوں ویری گڈ...... لیکن میں نے تو سنا ہے کہ آپ کی منگنی ہوتے ہی ختم ہوگئی تھی۔''

پرنسپل فرحت نسیم نے کہاں کی بات کہاں جوڑی تھی۔ رانیہ کو اندازہ تھا کہ یہ قصہ اب ہر جگہ اس کی زندگی کو متاثر کرے گا اور وہ خود کو اس قسم کے سوالات کے لئے تیار کر چکی تھی۔

''میڈم! منگنی ختم ہوئی ہے میری زندگی تو ختم نہیں ہوگئی۔ مجھے اپنے حصے کی سانسیں اسی عزم و ہمت کے ساتھ پوری کرنی ہیں جس طرح کہ جینے کا حق ہے زندگی پر۔'' رانیہ نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔

''دیٹس لائک اے بریو گرل...... مجھے یقین تھا کہ تم پر تہمت لگائی گئی ہے تم ایک مضبوط کردار اور پاکیزہ اطوار کی لڑکی ہو، تمہارے والد کی وفات کا مجھے بہت افسوس ہے لیکن تم ہمت مت ہارنا، میرے لائق کوئی کام ہو تو مجھے ضرور بتانا میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھے اندازہ ہے کہ ایسے حالات میں ایک جوان اور اکیلی لڑکی کے لئے اس معاشرے میں سروائیو کرنا کس قدر مشکل ہو جاتا ہے، یہ معاشرہ قدم قدم پر ایسی لڑکیوں کو ہتک آمیز سلوک کا نشانہ بناتا ہے۔ ان پر زندگی کے دروازے بند کر دیتا ہے مگر مجھے یقین ہے کہ تم ہمت ہارنے والی لڑکی نہیں ہو، تم زندگی کو اس کے اصل رنگ میں جینے کے قابل ضرور بنالوگی میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔'' پرنسپل فرحت نسیم نے سنجیدہ اور پریقین لہجے میں اس کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے کہا تو رانیہ نے مسکرا کر دھیمے اور مہذب لہجے میں جواب دیا۔

''تھینک یو میڈم! آپ کی باتوں سے مجھے ذلت و رسوائی کے اس اندھیرے میں اُمید اور آبرو کی کرن جگمگاتی دکھائی دے رہی ہے۔ شکر ہے کہ اس معاشرے میں سب عقل کے اندھے اور کانوں کے کچے نہیں ہیں، آپ جیسے لوگوں کی موجودگی بھی غنیمت ہے اس معاشرے میں بلکہ نعمت ہے مجھ جیسے لوگوں کے لئے تو۔ تھینک یو میڈم تھینک یو ویری مچ۔''

''یو آر آل ویز ویلکم مائی چائلڈ...... اور ہاں یہ کارڈ رکھ لو۔'' پرنسپل فرحت نسیم نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے پرس میں سے نکال کر اس کی جانب بڑھا دیا جو اس نے لے لیا۔

''یہ کس کا کارڈ ہے میڈم!''

''یہ میری چھوٹی بہن کا کارڈ ہے اس پر جس اسکول کا ایڈریس اور فون نمبر درج ہیں وہ اسکول میری بہن مدحت نسیم چلا رہی ہے اسے ایک سائنس ٹیچر کی ضرورت ہے تم اگر انٹرسٹڈ ہو تو

میں مدحت سے بات کر سکتی ہوں، تمہارے لئے کسی سفارش کی ضرورت تو نہیں ہے، تمہارا شاندار تعلیمی کیریئر ہی تمہاری سفارش ہے۔'' فرحت نسیم نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ تشکر اور حیرت سے بولی۔

''تھینک یو میڈم! لیکن یہ سکول تو اسلام آباد میں ہے اور میں یہاں لاہور میں ہوں۔''

''اوہ! مجھے خیال ہی نہیں رہا نجانے میں نے تمہیں یہ کارڈ کیوں دے دیا ہے۔ خیر رکھ لو شاید کبھی تمہارے کام آجائے۔'' وہ ہنس کر بولیں تو وہ ان کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے چلی آئی۔

گھر پہنچی تو رضیہ بیگم کو غائب پا کر پریشان ہوگئی۔

''اماں، اماں کہاں ہیں آپ؟'' وہ چیخ رہی تھی۔

''باجی! مون بھائی آپ کی اماں کو ہسپتال لے کر گئے ہیں ان کی طبیعت بہت خراب ہوگئی تھی۔'' محلے کے ایک بچے نے آکر اسے بتایا۔

''یا اللہ خیر میری ماں کو کچھ نہ ہو اللہ میاں۔'' رانیہ نے بے اختیار دعا مانگی۔

''کس ہسپتال لے کر گئے ہیں؟ بھائی جان کہہ رہے تھے کہ آپ کو بتا دوں۔'' اس بچے نے اسے ایک چٹ دیتے ہوئے بتایا رانیہ نے چٹ لے کر پڑھی اور بچے کا شکریہ ادا کر کے اپنی چیزیں اپنے کمرے میں الماری میں رکھنے کے بعد شولڈر بیگ میں کچھ پیسے رکھے اور ہسپتال روانہ ہوگئی۔ ہسپتال پہنچی تو مامون اسے ایمرجنسی کے باہر پریشان ٹہلتا ہوا مل گیا۔ رانیہ نے اس کے پاس پہنچتے ہی سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

''کیا ہوا ہے اماں کو، کہاں ہیں میری اماں؟''

''ایمرجنسی روم میں ہیں خالہ جان، ڈاکٹرز کے مطابق انہیں ٹائی فائیڈ، نمونیا کا اٹیک ہوا ہے۔'' مامون سنجیدہ مگر نرم لہجے میں بولا۔

''اوہ نو......'' وہ ایک دم سے دیوار سے جا لگی۔

''ہمت سے کام لو انشاء اللہ خالہ جان ٹھیک ہو جائیں گی ان کو سانس لینے میں پرابلم ہو رہی تھی پھر بھی وہ ہسپتال نہیں آنا چاہ رہی تھیں مگر میں زبردستی لے کر آیا ہوں، ڈاکٹر کا کہنا ہے کہ اگر ذرا سی دیر ہو جاتی تو......''

مامون اسے ساری تفصیل بتا رہا تھا کہ اچانک اس کے چہرے کا رنگ اڑتے دیکھا تو اپنی بے نیازی کا احساس ہوا اور ایک دم سے خاموش ہو گیا۔

''اف میرے اللہ اگر آپ گھر میں نہ ہوتے تو......'' رانیہ نے خوفزدہ لہجے میں کہا وہ کبھی

اسے آپ کہتی تھی تو کبھی تم مامون اس کی اس پل پل کی بدلتی عادت و کیفیت پر متحیر ہوا۔

''گھبراؤ نہیں اللہ بہتر کرے گا۔''

''تھینک یو!'' رانیہ نے تشکر سے نظریں جھکا کر کہا۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے، وہ خالہ ہیں میری، میرا فرض ہے ان کا خیال رکھنا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تو وہ بس ایک نظر اس کے چہرے پر ڈال کر رہ گئی۔

اس کا لہجہ اور انداز بے حد پرخلوص تھا رانیہ کو شرمندگی ہو رہی تھی کہ اس نے چند گھنٹے پہلے اس کو بہت برا بھلا کہا تھا اور پھر بھی وہ اس کی ماں کو ہسپتال لے کر آیا تھا۔ اس کے لئے پریشان ہو رہا تھا اسے تسلی دے رہا تھا۔

''کہیں موصوف میری ہمدردی، توجہ اور محبت حاصل کرنے کے لئے مجھے اپنا احسان مند بنا کر حاصل کرنے کی غرض سے تو یہ نیکی نہیں کر رہے؟'' رانیہ کے دماغ نے سوال اٹھایا۔

اسی وقت ڈاکٹر ایمرجنسی روم سے باہر نکلا۔ مامون اور رانیہ اس کی جانب متوجہ ہوگئے۔

''ہمیں مریضہ کو ہسپتال میں ایڈمٹ کرنا پڑے گا۔ انہیں آکسیجن لگا دی گئی ہے، آپ دعا کریں کہ وہ نارمل ہو جائیں فی الحال ہم انہیں آئی سی یو میں رکھیں گے۔'' ڈاکٹر وزیر علی نے انہیں رضیہ بیگم کی حالت سے آگاہ کرتے ہوئے بتایا۔

''ڈاکٹر صاحب وہ تندرست تو ہو جائیں گی ناں۔'' رانیہ نے بے چینی سے پوچھا۔

''انشاء اللہ آپ دعا کیجئے اور مسٹر مامون آپ میرے ساتھ آیئے۔'' ڈاکٹر وزیر علی نے رانیہ کو تسلی دینے کے بعد مامون سے کہا تو رانیہ نے حیرت سے اسے دیکھا وہ اس کا شانہ تھپکتے ہوئے اسے تسلی دیتا ڈاکٹر کے ساتھ چلا گیا اور وہ اماں کی صحت و سلامتی کی دعائیں مانگنے لگی۔

''ڈاکٹر صاحب کوئی خاص بات ہے کیا؟''

مامون نے ڈاکٹر کے ساتھ ان کے کمرے میں آتے ہی سوال کیا۔

''جی ہاں! دراصل مریضہ کے پھیپھڑوں میں پانی چلا گیا ہے ان کو نمونیے کا بھی شدید اٹیک ہوا ہے، مجھے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ آپ کی مریضہ زیادہ دن زندہ نہیں رہ سکیں گی۔''

''اوہ مائی گاڈ! یہ کیا ہو گیا ڈاکٹر ابھی تو ان کے شوہر کے انتقال کو بھی دس بارہ روز ہی ہوئے ہیں۔ ان کی بیٹی وہ کیسے سہہ پائے گی یہ صدمہ؟'' مامون نے دکھ اور پریشانی سے اپنا سر پکڑ کر کہا۔

''یقیناً یہ بہت دکھ کی خبر ہے لیکن ہم ڈاکٹرز کی بھی مجبوری ہے، ہم اپنے مریض کے لواحقین کو اندھیرے میں نہیں رکھ سکتے۔''

"ڈاکٹر صاحب! آپ پلیز رانیہ کے سامنے یہ سب باتیں مت کہیے گا۔ ورنہ وہ ان سے پہلے مرجائے گی۔" مامون نے ملتجی لہجے میں کہا۔

"آپ اطمینان رکھیں، مجھے اندازہ ہے اس بات کا اسی لئے میں نے آپ کو علیحدہ بلا کر یہ بات بتائی ہے۔" ڈاکٹر وزیر علی نے سنجیدگی سے کہا۔

"تھینک یو ڈاکٹر۔" مامون نے اٹھتے ہوئے کہا اور واپس رانیہ کے پاس آ گیا۔

"کیا کہا ڈاکٹر نے؟" رانیہ نے بے قراری سے پوچھا۔

"کچھ نہیں وہ ہسپتال کے بل وغیرہ کی بات کر رہے تھے کمرہ بک کرانا ہوگا خالہ جان کے لئے۔" مامون نے فوراً بہانہ بنایا۔

"کتنا خرچہ ہوگا؟" رانیہ نے سوال کیا۔

"جتنا بھی خرچہ ہوگا بل میں پے کروں گا تم فکر نہ کرو۔"

"آپ کیوں پے کریں گے؟"

"کیونکہ وہ میری خالہ ہیں اور وہ مجھے اپنا بیٹا کہتی اور سمجھتی ہیں اور ایک بیٹے کا یہ فرض ہے کہ وہ اپنی ماں کے علاج پر خرچ کرے یہ میرا اور خالہ جان کا معاملہ ہے تمہیں اس معاملے میں شکوے گلے کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔"

وہ لاجواب ہو گئی۔

رانیہ نے مجید ماموں کو فون کر کے رضیہ بیگم کی حالت سے آگاہ کر دیا تھا وہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ کچھ دیر کے لئے انہیں دیکھنے آئے تھے۔ رضیہ بیگم کو ریکوری روم میں شفٹ کر دیا گیا تھا۔

"رانیہ تو ڈائن ہے ڈائن، پہلے اپنے باپ کو کھا گئی اور اب ماں کو موت کے دہانے پر لے آئی ہے۔ ہائے ہائے ابھی تو امجد بھائی کا کفن بھی میلا نہیں ہوا اور ان کی بیوہ بھی مرنے کو پڑی ہے۔" رخسانہ مجید نے دہائی دیتے ہوئے کہا رانیہ کا دل پاش پاش ہو گیا۔ مامون کمرے میں آتے آتے ان کی باتیں سن کر دروازے پر رک گیا تھا۔

"رخسانہ! چپ کرو بچی پہلے ہی بہت پریشان ہے تم مزید پریشان مت کرو اسے، اس کا کیا قصور ہے اس میں؟" مجید ماموں نے کہا۔

"تو اور کس کا قصور ہے اس سے پوچھیں ذرا اپنی بھانجی سے کہ بیگم صغیر نے اسے آوارہ اور بدکردار کہتے ہوئے آدھے گھنٹے کے اندر اندر منگنی کس کے کہنے پر توڑ دی تھی۔ ایک دم سے ان پر اس کی اصلیت کیسے ظاہر ہو گئی تھی؟" رخسانہ مجید نے تلخ لہجے میں کہا۔

"یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے دُعا کرو کہ رضیہ بہن تندرست ہو جائے۔" مجید ماموں نے سختی سے انہیں ٹوک کر کہا۔ رضیہ بیگم بظاہر سو رہی تھیں مگر ان کی باتیں سن رہی تھیں۔ جان بوجھ کر سوتی بن گئی تھیں۔ انہیں اپنی رانیہ کی فکر کھائے جا رہی تھی۔

"تندرست ہو کر کونسی خوشی ملنی ہے اس بے چاری کو، بیٹی نے سہاگ بھی چھین لیا اور ان کی آبرو بھی خاک میں ملا دی، ایسے میں بھلا کوئی ماں تندرست ہو سکتی ہے۔ یہ تو آزاد ہو جائے گی کہ ماں باپ کوئی بھی روکنے ٹوکنے کو موجود نہیں ہے پھر جہاں چاہے گی اور جس کے ساتھ چاہے آوارہ پھرے گی۔"

"بس کریں مامی! آپ بھی بیٹیوں والی ہیں، کیوں کسی کی بیٹی کو الزام دے رہی ہیں، اس کی ساری زندگی آپ کے سامنے گزری ہے، پھر بھی آپ اس کے کردار کو داغدار کر رہی ہیں، بڑے افسوس کی بات ہے۔" مامون سے جب ضبط نہ ہوا تو اندر داخل ہوتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔ رانیہ نے نفرت سے اسے دیکھا تھا اور دل میں کہا تھا۔

"خود ہی مجھے بدنام اور رسوا کیا ہے اور اب خود ہی میرے حق میں بول کر میری نظروں میں معتبر بننے کی کوشش کر رہا ہے۔"

"مامون بیٹا، سارا شہر یہی بات کہہ رہا ہے تو اس میں کوئی نہ کوئی صداقت تو ہوگی نا۔" رخسانہ مجید نے اپنی شرمندگی مٹانے کو نرمی سے کہا تو وہ غصے سے بولا۔

"کیا ثبوت ہے آپ کے پاس، یا شہر بھر کے پاس رانیہ کی آوارگی اور بے حیائی کا بتائیں مجھے، دکھائیں مجھے؟"

"خاموش ہو جائیں آپ لوگ" رانیہ چیخ اٹھی۔ "آپ میری ماں کی تیمارداری اور عیادت کے لئے آئے ہیں یا ہمارے زخموں پر نمک چھڑکنے اور نئے زخم لگانے آئے ہیں۔ میرے کردار پر انگلی اٹھانے والے اور بات کرنے والے اپنے کردار کا جائزہ تو لے لیں۔ مجھے کسی کے سامنے اپنی صفائی پیش نہیں کرنی اور مسٹر مامون ضیاء مجھے آپ کی گواہی کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں کہ میں کس کردار کی مالک ہوں، اس لئے مجھے کسی کی رائے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کو میری پاکبازی کی گواہی دینے یا میرے حق میں بولنے کی اور ماموں آپ! مجید ماموں آپ کیسے بھائی ہیں کہ اپنی بہن سے دو بول تسلی کے بھی ڈھنگ سے نہ بول سکے۔ آپ کی بھانجی آپ پر بوجھ نہیں بنے گی ماموں، بے فکر ہو جایئے۔ مجھے اپنا بوجھ اٹھانا آتا ہے۔"

رانیہ نے سب کو باری باری دیکھتے ہوئے کہا تو وہ شرمندہ سے ایک ایک کر کے کمرے

سے باہر چلے گئے۔ مامون وہیں کھڑا رہا اور رانیہ کا چہرہ تکتا رہا جو غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ حالات و واقعات اور پے در پے ملنے والے صدمات نے اسے غصیلا، چڑچڑا اور گستاخ بنا دیا ہے، اسی لئے وہ اس کی کسی بات کا بُرا نہیں مناتا تھا۔ الٹا اس کے لئے پریشان رہتا تھا۔

''آپ بھی چلے جایئے۔'' رانیہ نے مامون کو کھڑے دیکھ کر سختی سے کہا۔

''میرے پاس واپسی کا کوئی راستہ نہیں ہے رانی۔'' وہ بے بسی سے بولا۔ اس کے لہجے میں کچھ تھا جس نے رانیہ کے دل میں طوفان بپا کر دیا تھا۔

''رانیہ......'' رضیہ بیگم نے آنکھیں کھول کر اسے پکارا۔

''جی اماں! کیسی طبیعت ہے اب آپ کی'' وہ دوڑ کر ان کے قریب چلی آئی۔

''رانی میری بچی مجھے لگتا ہے کہ......میرے پاس زیادہ......وقت نہیں ہے۔''

''اماں! مت کریں ایسی باتیں، مجھے کس کے سہارے چھوڑ کر جائیں گی؟'' وہ روتے ہوئے بولی اور ان کا ہاتھ تھام کر چہرے سے لگا لیا۔

''میری آخری بات مانے گی رانی؟''

''اماں! آپ حکم کریں......جو کہیں گی میں مانوں گی، بس مجھ سے مرنے کی باتیں مت کریں۔'' وہ روتے ہوئے تڑپ کر بولی۔

''مجھے تیری فکر ہے رانی تو......اکیلی کیسے جئے گی، دیکھ یہ میری وصیت بھی ہے......اور آخری خواہش بھی وعدہ کر میری وصیت، خواہش، پوری کرے گی۔ کرے گی نا؟'' رضیہ بیگم نے ٹھہر ٹھہر کر اٹک اٹک کر اپنی بات مکمل کی۔

''ہاں اماں میں وعدہ کرتی ہوں آپ جو کہیں گی، میں پورا کروں گی آپ کی بات، آپ کی خواہش، میں پوری کروں گی اماں۔'' وہ روتے ہوئے بولتی مامون کے دل پر خنجر چلا رہی تھی۔

''چاند بیٹا۔'' رضیہ بیگم نے مامون کی طرف دیکھا۔

''جی خالہ جان!'' مامون نے ان کے بیڈ کے قریب آ کر ان کا ہاتھ تھام لیا۔

''بیٹا! اپنی مرتی ہوئی خالہ کی ایک بات مانو گے۔''

''آپ کہئے تو خالہ جان!'' وہ خلوص سے بولا۔

''مون میرے چاند، میری رانیہ کو اپنا لو اسے اپنا نام دے دو۔ یہ تمہارا بہت بڑا احسان ہوگا اپنی خالہ پر۔'' رضیہ بیگم نے پھولی ہوئی سانسوں کے بیچ اپنی خواہش بیان کی تو مامون پر تو جیسے شادیٔ مرگ طاری ہوگئی اور رانیہ وہ حیرت اور بے بسی سے بولی۔

''اماں! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟''

''دیکھ تُو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، اب مکرنا نہیں، مجھے چین سے مرنے دے میری بچی۔'' رضیہ بیگم نے دکھ سے کہا۔

''اماں!'' وہ رونے لگی۔

''مون بیٹا! کیا سوچنے لگے، کہیں تم بھی تو رانیہ کے نام سے منسوب رسوائی سے خوفزدہ تو نہیں ہو گئے اسے......''

''نہیں خالہ جان! رانیہ میرے لئے بہت مقدس، معصوم اور معتبر ہستی ہے، میں اسے بہت خوش رکھوں گا انشاء اللہ!'' وہ ان کی بات کاٹ کر نرمی سے بولا تو انہوں نے سکون کا سانس لیا۔

''جیتے رہو بیٹا، اللہ تمہیں ہر سکھ اور خوشی نصیب کرے۔ بیٹا مون مجھے......معاف کر دینا چاند! تم بھی کیا سوچتے ہوگے کہ کیسی خودغرض اور مطلبی خالہ ہے اپنا مطلب پڑا تو تمہیں رانیہ کا بھائی بنا دیا......اور اب مطلب پڑا ہے تو شوہر بننے کا کہہ رہی ہے۔'' رضیہ بیگم خوشی سے روتے ہوئے بولیں۔

''خالہ جان! کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ، آپ نے تو مجھ پر احسان کیا ہے، میں تو خود رانیہ کا ہاتھ مانگنا چاہتا تھا لیکن آپ لوگوں نے جب اس کی منگنی طے کر دی تو مجبوراً مجھے خاموش رہنا پڑا ورنہ میں نے تو ممی سے بات بھی کر لی تھی، ہماری قسمت میں شاید اسی طرح ملنا لکھا تھا، آپ کی رانیہ کو میں بہت خوش رکھوں گا، بس آپ بتائیں کہ کیا کرنا ہے، کب کرنا ہے۔'' مامون نے ان کے آنسو صاف کرتے ہوئے بتایا تو وہ نہال ہو گئیں۔

''بیٹا! کیا تم آج ہی رانیہ سے نکاح کر سکتے ہو، یہاں میرے سامنے؟'' انہوں نے اس کے سہارے سے اٹھتے ہوئے پوچھا تو مامون نے پیار بھری نظروں سے رانیہ کو دیکھا جو اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔

''خالہ جان! اطمینان رکھیں میں تھوڑی دیر میں سارا انتظام کر کے آتا ہوں۔'' وہ خوشی سے مسکراتے ہوئے بولا۔

''رانیہ، ادھر دیکھ میری رانی۔'' رضیہ بیگم نے اسے پیار سے بلایا۔

''جی اماں!'' وہ ان کے قریب آ گئی۔

''وہ جو میرا صندوق ہے جامنی کور والا۔ اس میں تیرے کچھ جوڑے رکھے ہیں تیرے جہیز کے لئے بنا کے رکھے تھے۔ اس میں میرون اور سنہری سوٹ نکال کر نہا کے پہن لینا، میں تجھے پوری طرح تو دلہن بنے نہیں دیکھ سکوں گی لیکن آدھی تیاری تو اتنی جلدی میں ہو ہی جائے گی اور مون

بیٹا...... اس کے ہاتھوں پر مہندی ضرور لگوانا...... اسے ابھی اپنے ساتھ لے جاؤ بازار سے مٹھائی وغیرہ خرید لینا، پیسے رانیہ دے دے گی۔“ رضیہ بیگم نے خوشی خوشی ہدایات دیں۔

”خالہ جان! پیسے ہیں میرے پاس، آپ بس اپنا خیال رکھیں میں دو ڈھائی گھنٹے میں سارا انتظام کرلوں گا اور نرس یہاں آپ کے پاس آن ڈیوٹی ہوگی، کسی چیز کی ضرورت ہو، کوئی مسئلہ ہو تو فوراً نرس کو بتا دیجئے گا۔ چلیں رانیہ۔“ مامون نے رضیہ بیگم کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا اور جانے کے لئے کھڑا ہوگیا۔ رانیہ نے رضیہ بیگم کی طرف دیکھا تو انہوں نے اثبات میں سر ہلا کر گویا اسے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ اپنی چادر اوڑھ کر آنسو صاف کرتی ہوئی اس کے ساتھ چلتی ہوئی باہر اس کی گاڑی میں آبیٹھی۔ وہ اس وقت صرف اپنی اماں کی آخری خواہش اور آخری وصیت پر سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔ وہ اپنی زندگی سے اس قدر مایوس لگ رہی تھیں، وہ پھر سے رو پڑی۔

”رانیہ! سنبھالو خود کو۔“ مامون نے گاڑی چلاتے ہوئے اسے فکرمندی سے دیکھ کر کہا تو وہ روتے ہوئے آنسو پونچھنے لگی۔

”کیا ہوا ہے اماں کو، وہ ایسی مایوسی کی باتیں کیوں کر رہی ہیں، آپ مجھے بتاتے کیوں نہیں ہیں؟“

”جس لڑکی کے سر پر باپ بھائی موجود نہ ہوں اس کی بیمار ماں کو اس کی فکر تو ہوتی ہی ہے ناں۔ انشاء اللہ تندرست ہو جائیں گی۔“ مامون نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اسے اصل بات بتا کر مزید ہلکان اور پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔

پھر اسی شام عصر کے بعد رانیہ اور مامون کا نکاح ہسپتال کے اس پرائیویٹ روم میں ہوگیا جس میں مجید ماموں، ان کا بیٹا حمید اور مامون کے دو قریبی دوست یاسر اور سلمان بطور گواہان شریک ہوئے۔ رضیہ بیگم نے خوشی سے رانیہ اور مامون کا ماتھا چوم لیا۔ مہمانوں کو مٹھائی اور چائے پیش کی گئی۔ سبھی انہیں مبارکباد دینے کے بعد چلے گئے۔ مامون سفید شرٹ اور براؤن رنگ کے پینٹ کوٹ میں ملبوس تھا اور رانیہ میرون کامدار شلوار قمیض دوپٹے میں میچنگ چوڑیاں اور مہندی سے سجے ہاتھوں میں گجرے پہنے بے حد دلنشین لگ رہی تھی۔ مامون نے اس کی اور اپنی کئی تصاویر کھینچ لی تھیں۔ رانیہ قدرت کے اس کھیل پر حیران و پریشان بیٹھی تھی کہ جس شخص سے وہ نفرت کرتی تھی، جس کی محبت کو روز اوّل سے ٹھکراتی آئی تھی، آج تقدیر نے، حالات کی سنگینی اور مجبوری نے اسی شخص کو اس کی زندگی کا ساتھی، جملہ حقوق کا مالک بنا دیا تھا۔ وہ اس مرحلے سے گزرنے کے بعد خالی دل اور خالی آنکھوں کے ساتھ سر جھکائے بیٹھی تھی اور مامون اسے بہت پیار سے دیکھ رہا تھا۔ وہ پُر یقین

تھا کہ وہ اپنی محبت سے رانیہ کی نفرت اور بے رُخی کو ختم کر دے گا اور اس کی محبت اس کا نصیب ضرور بن جائے گی۔

”رانیہ بیٹی! مامون ادھر آؤ چندا میرے پاس۔“ رضیہ بیگم نے دونوں کو اپنے پاس بلایا تو وہ ان کے سامنے دائیں بائیں آبیٹھے۔ رضیہ بیگم نے دونوں کے ہاتھ پکڑ لئے اور رانیہ سے کہنے لگیں۔

”رانیہ بیٹی! مامون اس چودھویں کے چاند کو خوش رکھنا، بیٹی، یہ بہت محبت کرنے والا بچہ ہے اس کی قدر کرنا۔“

”کتنی پیاری بات کہی ہے خالہ جان نے اسے اپنی گرہ سے باندھ لو رانیہ مامون۔“ مامون نے شوخ لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا تو اس نے غصے سے منہ پھیر لیا۔

”دیکھ لیجئے خالہ جان، آپ کے سامنے ہی یہ مجھ سے منہ پھیر رہی ہے۔ بعد میں پیچھے نجانے کیا کرے گی؟“ مامون نے معصوم سا شکوہ کیا۔

”رانیہ! تم نے سنا! میں نے کیا کہا ہے ابھی؟“ رضیہ بیگم نے اس سے کہا۔

”اماں! کچھ نہیں ہوتا آپ کے اس چاند کو...... ایک دم سے شکایتیں لگانی شروع کر دی ہیں۔“ رانیہ نے غصے سے مامون کو دیکھ کر کہا تو وہ ہنس پڑا۔

”رانی بیٹی! یہ تو پیار میں کہہ رہا ہے...... ایک دوسرے کی قدر کرنا...... میں بہت خوش ہوں آج...... اب مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے...... مجھے یقین ہے...... اطمینان ہے کہ میں نے اپنی بیٹی کا ہاتھ ایک مخلص اور محبت کرنے والے شخص کے ہاتھ میں دیا ہے...... اللہ تم دونوں کو ایک دوسرے کی راحت اور مسرت کا باعث بنائے۔ سدا شاد آباد رکھے میرے بچو۔“ رضیہ بیگم نے رانیہ کا ہاتھ مامون کے ہاتھ میں دیتے ہوئے دل سے دُعا دی۔

”آمین!“ مامون نے دل سے کہا اور رانیہ کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا جو اس نے بمشکل چھڑایا اور رخ پھیر کر وہاں سے اُٹھ گئی۔ مامون کو ہنسی آگئی۔

”مامون بیٹا...... میرے پاس نرس موجود ہوگی...... تم رانیہ کو گھر لے جاؤ صبح آ جانا۔“ رضیہ بیگم نے جانے کس خیال سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو رانیہ سٹپٹا گئی، وہ تو پہلے ہی اتنا بے باک تھا اب تو نکاح ہوگیا تھا، بھلا اب وہ کیسے باز رہ سکتا تھا اپنی محبت کے عملی اظہار سے۔

”اماں! میں آپ کے پاس رہوں گی۔“ رانیہ نے فوراً کہا۔

”آج نہیں...... آج رات تمہیں مامون کے ساتھ رہنا ہے اپنے شوہر کے پاس جاؤ

شاباش۔" رضیہ بیگم کا لہجہ اور جملہ معنی خیز تھا وہ بلش ہوگئی۔ مامون مسکراتے ہوئے شوخ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"مگر اماں......"

"رانی! اپنی اماں کی بات ماننے کا وعدہ کیا تھا تو نے اتنی جلدی بھول گئی۔" رضیہ بیگم نے یاد دلایا۔

"ٹھیک ہے اماں جیسے آپ کی مرضی۔" اس نے ہار مانتے ہوئے کہا۔

"خوش رہ میری بچی سدا سہاگن رہ۔" رضیہ بیگم نے محبت سے اس کی پیشانی چوم لی اور وہ مامون کے ساتھ باہر نکل آئی۔

مامون بہت خوش تھا۔ اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اُسے اُس کی محبت مل گئی ہے اس کے برابر اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ براجمان ہے، اس نے راستے میں ہوٹل سے کھانا پیک کروایا اور "امجد ہاؤس" آگئے دونوں۔ رانیہ کو اس وقت بھائی اور باپ بے طرح یاد آرہے تھے۔ وہ قدرت کی ستم ظریفی پر اشک بہا رہی تھی۔ اس کی شادی کیسے حالات میں ہوئی تھی اور وہ بھی اس شخص کے ساتھ جسے وہ انکار کر چکی تھی۔ وہ جتنی ناخوش تھی مامون اتنا ہی خوش تھا۔

"آپ رات یہیں رہیں گے کیا؟" رانیہ نے اپنے ساتھ آتے دیکھ کر پوچھا۔

"ظاہر ہے یہ ہماری شادی کی پہلی رات ہے، جو شوہر کو اپنی بیوی کے ساتھ گزارنی چاہئے۔ خالہ جان نے کچھ سوچ کر ہی تمہیں میرے ساتھ بھیجا ہے ناں۔ یقین جانو رانیہ آج میں بہت خوش ہوں، میری محبت مجھے مل گئی ہے۔" وہ شوخ وشریر لہجے میں جواب دیتا اس کے قریب آگیا۔

"لیکن میں خوش نہیں ہو۔" وہ بے رحمی سے بولی۔

"تم نے یہ شادی اپنی مرضی سے کی ہے۔"

"میں آپ کی مرضی اور محبت ہو سکتی ہوں لیکن آپ میری مرضی اور محبت نہیں ہیں۔ آپ صرف میری ماں کی وصیت اور خواہش ہیں بس۔" رانیہ نے سنگدلی سے اس کے جذبات کا خون کرتے ہوئے کہا۔

"ادھر آؤ...... ذرا دیکھوں تو سہی تمہارے سینے میں دل کی جگہ کہیں پتھر تو نہیں جڑا ہوا۔" مامون نے اسے بازو سے پکڑ کر قریب کرتے ہوئے کہا اور اس کے دل پر ہاتھ رکھ دیا وہ تو بری طرح سٹپٹا گئی۔

"کیا ہے؟" وہ اس کا ہاتھ ہٹانے کی کوشش میں بچوں کی طرح چڑ کر بولی تو وہ مسکراتے

ہوئے گنگنایا۔

"پیار ہے بھی تو پیار ہے۔"

"لیکن مجھے کوئی پیار نہیں ہے آپ سے۔" وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر غصے سے بولی۔

"تو ہو جائے گا میری جان! تمہارا یہ دل جو نفرت سے بھرا ہے ناں ایک دن مامون ضیاء کی محبت اور چاہت سے اس کے پیار سے بھرا ہوگا اور تم اس کے ساتھ، اس کے قرب کی تمنا میں بے قرار ہونے لگو گی۔" وہ اس کے کانوں میں پیار بھری باتیں کس یقین سے کہہ رہا تھا اس نے حیرت سے اس کا وجیہہ چہرہ دیکھا۔

"تم کو آتا ہے پیار پہ غصہ، مجھ کو غصے پہ پیار آتا ہے۔ بیٹھ جاؤ۔" مامون نے مسکراتے ہوئے اسے بیڈ کے کنارے پر بٹھا دیا اور خود بھی اس کے ساتھ ہی بیٹھ گیا اور اپنے کوٹ کی جیب میں سے سونے کے دو کنگن نکال کر اس کے دائیں ہاتھ میں پہنا دیئے۔

"یہ تمہاری رونمائی کا تحفہ ہے۔ تم اصلی دلہن کی طرح تیار تو نہیں ہوئیں لیکن تمہارا یہ سادہ سا روپ بھی بہت دلنشین ہے۔ میرے نام کی مہندی کا رنگ کتنا گہرا اور سُرخ ہے ناں رانیہ۔ جو میرے پیار کی سچائی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ آئی لو یو رانیہ آئی رئیلی لو یو۔" مامون بے خودی کے عالم میں کہتا ہوا اس کے مہندی سے رچے ہاتھوں کو سونگھ رہا تھا۔

"آپ جائیں یہاں سے۔" رانیہ کھڑی ہو کر بولی۔

"آج کی رات تو میں کہیں نہیں جانے والا، اوپر میرے کمرے میں میرے شلوار سوٹ ہوں گے وارڈ روب میں ایک نکال کر لا دو، میں کپڑے چینج کر کے یہیں سوؤں گا۔" وہ اس کی بے حسی پر بھی مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"خود ہی جا کر لے آئیں میں اتنی رات کو اندھیرے میں اوپر نہیں جاؤں گی۔" رانیہ نے فوراً جواب دیا تو وہ ہنس پڑا۔

"ابھی تو تم مجھے یہاں سے جانے کا کہہ رہی تھیں اور اب خود اپنے گھر کے حصے میں جاتے ہوئے ڈر رہی ہو۔"

"آپ کو کیا تکلیف ہے؟" وہ جھلا کر بولی۔

"مجھے تکلیف یہ ہے کہ تم اتنی حسین رات ضائع کر رہی ہو، کتنے خواب دیکھے تھے میں نے اس رات کے دیکھو باہر چاند نکلا ہوا ہے ساری دنیا کے لئے اور اندر یہ چاند صرف تمہارے لئے نکلا ہے تمہیں اپنی چاندنی میں نہلانا چاہتا ہے اور تم۔"

وہ کہتے کہتے خاموش ہو گیا اور حسرت و یاس سے اس کے چہرے کو تکنے لگا۔ وہ سٹپٹا گئی اور نظریں چرا کے کمرے سے باہر نکل آئی۔ وہ جو کھانا لایا تھا رانیہ نے برتنوں میں نکال کر ٹرے میں سجایا اور اپنے کمرے میں لے گئی جہاں مامون براجمان تھا۔ رانیہ نے ٹرے میز پر رکھ دی۔

"کھانا کھا لیجئے۔"

"تم بھی میرے ساتھ بیٹھ کر کھاؤ۔"

"مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"کھانے کی بھوک بھی نہیں ہے۔" مامون کا جملہ اور لہجہ معنی خیز تھا۔ وہ شرم سے کٹ کر رہ گئی اور کمرے سے باہر نکل آئی۔

"رانیہ...... ایسا مت کرو ورنہ میرے ساتھ تم خود کو بھی اذیت میں مبتلا کئے رکھو گی۔" مامون نے ایسے کہا جیسے وہ اس کے سامنے موجود ہو اور پھر بے دلی سے کھانا کھانے لگا۔ رانیہ، رضیہ بیگم کے کمرے میں سونے کے لئے آ گئی تھی مگر اسے ایک پل کو بھی نیند نہیں آئی تھی۔ وہ اسجد کے لئے، اماں اور ابا کے لئے روتی رہی تھی۔ مامون کی محبت کی اس کی نظر میں کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس نے بدگمانیوں اور نفرتوں کے جالے اپنے اردگرد بن لئے تھے جہاں مامون کی بے لوث و بے ریا محبت میں پھنس کر الجھ کر رہ گئی تھی۔

فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد وہ تیار ہو کر کچن میں آ گئی۔ رضیہ بیگم کے لئے دلیہ اور چائے بنا کر فلاسک میں ڈالی۔ خود حسب معمول دودھ کا ایک گلاس نیم گرم کر کے پیا اور مامون کے لئے اس کا مرغوب ناشتہ پراٹھا اور فرائی انڈے بنا کر چائے کے ساتھ ٹرے میں رکھ کر اس کے کمرے میں لے آئی۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑا بال سنوار رہا تھا۔ رانیہ ٹرے میز پر رکھ کر جانے لگی تو مامون نے کہا۔

"تم نے ناشتہ کر لیا رانیہ۔"

"جی میں نے دودھ کا گلاس پی لیا ہے۔"

"دودھ کے ایک گلاس سے بھوک نہیں مٹے گی، آؤ بیٹھ کر ناشتہ کرو تم نے رات بھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ اپنی صحت خراب کر کے تم اماں کا خیال کیسے رکھ پاؤ گی؟"

"مجھے جب بھوک ہو گی میں کھا لوں گی آپ میری فکر نہ کریں۔"

"تمہاری فکر اب مجھی کو کرنی ہے بیٹھو شاباش بسم اللہ کرو۔ کھانے پینے کے معاملے میں تمہاری کوئی مرضی نہیں سنوں گا، لو منہ کھولو۔" مامون نے اسے کندھوں سے پکڑ کر بیڈ کے کنارے پر

بیٹھ دیا اور زبردستی نوالہ بنا کر اس کے منہ میں دے دیا۔ وہ جانے کیوں رونے لگی۔ مامون نے اس کے آنچل سے اس کے آنسو صاف کئے۔

"یہ آنسو بہت قیمتی ہیں رانی! انہیں بچا کر رکھو، ابھی انہیں بہانے کا وقت نہیں آیا۔"

"کیا مطلب؟" آپ کچھ چھپا رہے ہیں مجھ سے بتائیں ناں، اماں کو کیا ہوا ہے؟" وہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"آرام سے ناشتہ کرو پھر ہسپتال اماں کا ناشتہ لے کر بھی جانا ہے اور تم کیا ساری رات جاگتی رہی ہو؟" مامون نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں بچھے سرخ لکیروں کے جال کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی!"

"مجھے تو کوئی فائدہ نہیں ہوا نا تمہارے جاگنے کا۔" مامون کا معنی خیز جملہ اسے حیا آمیز کوفت میں مبتلا کر گیا۔

"میں خالہ جان سے تمہاری شکایت کروں گا کہ آپ نے اپنی بیٹی کو میرے ساتھ رخصت کر دیا تھا لیکن آپ کی بیٹی تو مجھے اپنے قریب بھی نہیں بھٹکنے دیتی۔" وہ شریر لہجے میں بولا۔

"یہ بات آپ اماں سے کہیں گے؟" رانیہ نے شرم سے پانی پانی ہو کر کہا۔

"بالکل!" اس نے پراٹھے اور انڈے سے انصاف کرتے ہوئے کہا۔

"شرم کریں۔"

"میں بھی اگر تمہاری طرح شرم ہی کرتا رہا ناں تو بے اولاد رہ جاؤں گا میرا خاندان میری نسل کیسے آگے بڑھے گی؟" وہ مزید شریر ہوا تھا۔

"فضول باتیں کرنے کے علاوہ بھی کچھ آتا ہے آپ کو۔" وہ غصے اور شرم سے کھڑی ہو گئی اور تیز لہجے میں بولی۔

"آتا ہے بہت کچھ آتا ہے تم اگر پاس آنے کی اجازت دو تو میں عملی ثبوت پیش کر سکتا ہوں۔" مامون نے اس کے غصے اور حیا سے لال ہوتے چہرے کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ غصے سے جواب دیتی کمرے سے باہر نکل گئی۔ مامون کا شوخ و شریر قہقہہ اسے مزید تپا گیا تھا۔

وہ دونوں ہسپتال پہنچے تو رضیہ بیگم ان کی منتظر تھیں۔ انہیں دیکھ کر خوشی سے مسکرا دیں، رانیہ نے بے اختیار نگاہ اٹھا کر مامون کو دیکھا اور پھر نگاہ جھکا لی۔ مامون نے اس کی خاموشی دیکھ کر انہیں

جواب دیا۔

”خالہ جان! یہ میرے ساتھ خوش نہیں ہے۔“

”کیا؟“ رضیہ بیگم کے ساتھ رانیہ نے بھی بوکھلا کر اسے دیکھا۔

”جی ہاں! یہ میرے ساتھ خوش نہیں ہے بلکہ بہت زیادہ خوش ہے۔“ مامون نے بڑی خوبصورتی سے بات بنائی تو رانیہ کی جان میں جان آئی۔ رضیہ بیگم بھی خوش ہوئیں۔

”یا اللہ تیرا شکر ہے اب میں سکون سے مر سکوں گی، اللہ تم دونوں کو ہمیشہ شاد آباد رکھے تندرست رکھے۔“ رضیہ بیگم نے دل سے انہیں دُعا دی۔ مامون نے اس بار بھی دل سے آمین کہا تھا۔

”تم نے اپنی اماں کی وصیت اور خواہش پر مجھ سے یہ پیپر میرج کر ہی لی ہے تو چند روز ان کے سامنے اس شادی سے خوش ہونے کی ایکٹنگ تو تمہیں کرنا ہی ہوگی ورنہ انہیں تمہارے محفوظ مستقبل کی فکر پریشان کیے رکھے گی۔“ مامون نے کمرے سے باہر آ کر رانیہ سے نہایت ہی سنجیدہ لہجے میں کہا اور رضیہ بیگم کے کسی کام سے چلا گیا۔

”چند روز......“ رانیہ اس کے اس لفظ پر اٹک کر رہ گئی تھی۔ رضیہ بیگم کی طبیعت سنبھل نہیں رہی تھی وہ تو بس رانیہ کی شادی کی خوشی میں خود کو سنبھالے ہوئے تھیں۔

رضیہ بیگم نے وکیل کے ذریعے اپنی وصیت لکھوائی تھی، امجد ہاؤس رضیہ بیگم کے نام تھا جو انہوں نے قانونی طور پر رانیہ کے نام کر دیا تھا اور امجد علی مرحوم کا جنرل اسٹور بیچ کر اس کی رقم رانیہ کے نام بینک میں جمع کرانے کی قانونی طور پر وصیت کر دی تھی۔ وہ نہیں چاہتی تھیں کہ رانیہ اپنے سسرال خالی ہاتھ جائے، سات مرلے کا دو منزلہ مکان اور جنرل اسٹور کی قیمت بہت تھی۔ مامون جیسے امیر گھر کے داماد کے لئے۔ مامون کو رانیہ کی جائیداد سے کوئی غرض نہیں تھی۔ رضیہ بیگم کی بیٹی ہونے کے ناطے وہ ان کی قانونی وارث تھی اس لئے یہ پراپرٹی رانیہ کو ہی ملنا تھی۔ اسجد کی نافرمانی اور بے رُخی کی بدولت اسے جائیداد میں سے کچھ نہیں دیا گیا۔ ویسے بھی وہ بہت دولت مند بن گیا تھا۔ اس نے تو ماں باپ اور بہن سے ہر تعلق اور رابطہ تک توڑ لیا تھا۔ اس لئے رضیہ بیگم نے اسے اس مختصر جائیداد میں سے حصہ دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔

مجید ماموں اور حمید نے اگلے دن رخسانہ مجید کو رانیہ اور مامون کی نکاح کی اطلاع دی تھی۔ جسے سن کر پہلے تو انہیں یقین ہی نہیں آیا اور جب دونوں نے رانیہ کے نکاح میں بطور گواہ شریک ہونے کا بتایا تو وہ آگ بگولہ ہوگئیں۔ کیونکہ اب وہ رانیہ کو اپنی بہو بنا کر گھر اور جنرل اسٹور اپنے نام کرانے کے خواب دیکھ رہی تھیں۔ پل پل نئی نئی سازشیں ان کے دماغ میں پلتی پنپتی رہتی

تھیں۔ اپنی اس سازش کی ناکامی پر وہ تلملا رہی تھیں سیدھی ہسپتال جا پہنچیں۔

”تمہیں کچھ خبر بھی ہے مامون کے گھر والوں نے تمہیں تمہارے گھر اور دکان کی وجہ سے قبول کرنے کی حامی بھری تھی۔ وہ تمہارے ذریعے تمہارا گھر مامون کے نام کرا کے تمہیں چلتا کریں گے۔“ رخسانہ مجید نے رانیہ کو باہر لان میں لے جا کر راز داری سے بتایا۔

”لیکن ان کے پاس کس چیز کی کمی ہے جو وہ میری جائیداد لیں گے؟“

”ہوس، لالچ میری بچی، لالچ یہ دولت مندوں کو ہر جائز ناجائز ذریعے سے مال بنانے پر اکسائے رکھتی ہے۔ میرا نام مت لینا کہ میں نے اندر کی بات تمہیں بتا دی ہے اور ظاہر ہے تم خود سوچو کہ تم جس الزام اور تہمت کے تحت محلے، خاندان اور شہر بھر میں بدنام ہو چکی ہو اس کے بعد بھلا مامون کے ماں باپ تمہیں اپنی بہو کیوں بنانے لگے۔ وہ تو تمہاری جائیداد کا لالچ ہے انہیں وہ ہتھیا کر وہ لوگ تمہیں دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال پھینکیں گے۔ ہائے میری یتیم رانیہ، میرے بس میں ہو تو میں تجھے ہر دُکھ سے بچالوں۔“ رخسانہ مجید نے سنجیدگی سے کہا آخر میں باقاعدہ آنسو لا کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا تھا۔ رانیہ کے وجود میں نفرت کی چنگاریاں پھر سے بھڑک اٹھی تھیں۔

”رانیہ! جلدی آؤ خالہ جان کی حالت بگڑ رہی ہے۔“ مامون کی آواز پر وہ چونک کر پلٹی اور تیزی سے بھاگتی ہوئی وارڈ میں داخل ہوئی۔ رضیہ بیگم کی سانسیں اکھڑ رہی تھیں۔ ڈاکٹر وزیر علی انہیں آکسیجن لگا رہے تھے۔ مامون اور رانیہ ساتھ ساتھ کھڑے تھے۔ مامون کو انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے اپنے پاس بلایا۔

”جی خالہ جان! مامون فوراً قریب آ گیا۔ رضیہ بیگم نے نجانے ٹوٹتی سانسوں کے بیچ اس سے کیا کہا تھا کہ اس نے اثبات میں سر ہلایا اور پھر رانیہ کا ہاتھ تھام کر ان کے قریب کھڑا ہو گیا۔ رضیہ بیگم نے مسکرا کر ان دونوں کو الوداعی نظروں سے دیکھا اور پھر دھیرے دھیرے آنکھیں موند لیں۔ وہ ابدی نیند سو گئی تھیں لیکن ان کے ہونٹوں پر ایک آسودہ مسکراہٹ تھی جو کسی یقین اور اطمینان کے بعد ہی انسان کو میسر آتی ہے۔

”اماں...... اماں......“ رانیہ نے تڑپ کر انہیں پکارا اور صدمے سے بے ہوش ہو کر مامون کی بانہوں میں جھول گئی۔

☆☆☆

رضیہ بیگم بھی اپنی اکلوتی بیٹی کو روتا، تڑپتا، بلکتا چھوڑ کر ملکِ عدم سدھار گئیں اور وہ لاکھ رونے تڑپنے اور چاہنے کے باوجود بھی روک نہیں سکی تھی۔ رخسانہ مجید نے ایسے میں رانیہ کو بہت

سنبھالا تھا۔ ان کی تینوں بیٹیاں بھی اس کی دلجوئی کر رہی تھیں۔ مامون تو اس کی حالت دیکھ دیکھ کر تڑپ رہا تھا۔ محلے اور خاندان والوں نے رانیہ کو ہی اس کے ماں باپ کی موت کا ذمہ دار ٹھہرایا تھا۔ سب اس کے خراب کردار کے انکشاف پر اس کی منگنی ٹوٹنے سے امجد علی اور رضیہ بیگم کی صدماتی موت کو تعبیر کر رہے تھے اور وہ لوگوں کی زہریلی باتیں سن کر مزید ہلکان ہو رہی تھی۔ وقت رکتا نہیں ہے صدمہ کتنا ہی بڑا درد وغم کتنا ہی گہرا اور کڑا کیوں نہ ہو گزرتے وقت کی حکمرانی اسے دھیرے دھیرے کم کرتی جاتی ہے۔ غم دل میں چھپ کر بیٹھ جاتا ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ غم ختم ہو گیا۔ رانیہ نے بھی خود کو ایک بار پھر سے سنبھال لیا تھا۔ اب وہ اکیلے میں روتی تھی سب کے سامنے خود پر ضبط کے پہرے بٹھائے رکھتی تھی۔ مجید ماموں کی بیٹیاں اس کے پاس آ کر رہ جاتیں دو ہفتے رضیہ بیگم کو رخصت ہوئے بھی گزر گئے تھے۔

"ٹرن، ٹرن......" ٹیلی فون کی گھنٹی بجی تو رانیہ نے اٹھ کر ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو!"

"رانیہ......"

"جی!"

"میں مامون کی ممی بات کر رہی ہوں۔" دوسری جانب سلمیٰ بیگم بول رہی تھیں۔

"السلام وعلیکم آنٹی!"

"وعلیکم السلام! کیسی ہو؟"

"جی ٹھیک ہوں۔"

"مامون تمہاری طرف تو نہیں آیا ہوا؟"

"جی نہیں۔"

"ہوں، یہ بتاؤ اب تمہارے ارادے کیا ہیں؟"

"میں سمجھی نہیں آنٹی۔"

"تو میں تمہیں سمجھا دیتی ہوں، سنو لڑکی میرے بیٹے کا پیچھا چھوڑ دو اسے تمہارے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں ہے، میں تم جیسی لڑکی کو اپنی بہو نہیں بنا سکتی۔ ایک عزت ہی تو ہوتی ہے لڑکی کے پاس تمہارے پاس تو وہ بھی نہیں ہے۔ مجھے کوئی شوق نہیں ہے زمانے بھر میں بدنام ہونے والی لڑکی کو اپنے گھر کی زینت بنانے کا۔ میرے بیٹے کو اپنی محبت کے جال میں پھنسا کر تم کیا سمجھتی ہو۔"

"میں کچھ نہیں سمجھتی، اپنے بیٹے کو سنبھال کر رکھیں اپنے پاس۔" رانیہ نے غصے سے ان کی

بات کاٹتے ہوئے کہا اور ریسیور پٹخ دیا۔ ایکسٹینشن پر رخسانہ مجید ان کی گفتگو سن چکی تھیں اور دل ہی دل میں خوش ہو رہی تھیں کہ ان کا کام آسان ہو رہا ہے۔

"رانیہ بیٹی اب میں چلتی ہوں گھر میں سو کام ہیں کرنے والے۔" رخسانہ مجید نے کمرے میں آ کر پیار سے کہا۔

"ٹھیک ہے ممانی! آپ جائیں، آپ بھی کب تک میری وجہ سے اپنا گھر بار چھوڑ کے یہاں بیٹھی رہیں گی۔" رانیہ نے مدھم آواز میں کہا۔

"کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتا دینا۔ اب تو تم مامون کی بیوی ہو۔ یہ پابندی نہ ہوتی تو میں تمہیں اپنے گھر لے جاتی، اب تو مامون ہی تمہارا ذمے دار اور سرپرست ہے اسے چاہئے کہ تمہیں رخصت کرا کے لے جائے، یوں بھی تمہارا اکیلے رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ لوگ الگ الٹی سیدھی باتیں بناتے ہیں۔ اچھا اپنا خیال رکھنا میں پھر آؤں گی۔ خدا حافظ۔" رخسانہ مجید اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ملائمت سے بولیں اور وہاں سے چلی گئیں۔ رانیہ وہیں گم صم سی بیٹھی سلمیٰ بیگم کی باتوں پر کڑھ رہی تھی۔

"رانیہ......!" مامون کی آواز پر اس نے چونک کر سر اٹھا کے دیکھا۔

"دروازہ کیوں کھلا تھا؟"

"ممانی ابھی واپس گئی ہیں اپنے گھر۔" رانیہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا

"تو ان کے جانے کے بعد تمہیں دروازہ بند کر دینا چاہیے تھا۔"

"ہاں! مجھے دروازہ بند کر دینا چاہئے اب۔" وہ معنی خیز جملہ بولی۔

"کیا بات ہے کوئی نیا شاک پہنچا ہے، بہت دکھی لگ رہی ہو۔" مامون اس کے چہرے سے اس کی کیفیت و حالت کو محسوس کرتے ہوئے بے چینی سے پوچھ رہا تھا۔ اس نے نہایت بے مروتی سے جواب دیا۔

"آپ میرے دکھوں کی فکر مت کیجئے فرمائیے کیسے آنا ہوا؟"

"تم مجھ سے اجنبی کی طرح کیوں بات کر رہی ہو اس قدر غیریت کیوں ہے تمہارے لہجے میں؟" وہ بے قرار ہو کر سوال کر رہا تھا۔

"اپنائیت کا کوئی تعلق، کوئی رشتہ ہمارے بیچ بنا ہی کب تھا؟"

"میری طرف سے تو شروع دن سے یہ رشتہ تھا تمہیں محسوس نہیں ہوا تو اب ہو جائے گا تم میری بیوی ہو، شوہر ہوں، میں تمہارا۔" مامون نے اس کے صاف ستھرے مگر افسردہ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ مجبوری کا رشتہ ہے اور مجبوری کے رشتے بہت ناپائیدار ہوتے ہیں مسٹر مامون۔“ رانیہ نے کھڑے ہو کر کہا اس کا یہ جملہ، یہ لہجہ، ہر انداز مامون کو دکھ سے دو چار کر رہا تھا مگر وہ ضبط پر ضبط کئے جا رہا تھا۔

”میں تمہیں اس رشتے کی پائیداری ثابت کر کے دکھاؤں گا انشاء اللہ یہ رکھو شاید کبھی تمہارے کام آسکیں۔“ مامون نے سنجیدہ مگر پر یقین لہجے میں کہا اور اپنے ہاتھ میں پکڑا ایک خاکی لفافہ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔

”کیا ہے اس میں؟“

”ہماری تقریب نکاح کی تصاویر اور نکاح نامے کی چند فوٹو کاپیاں ہیں۔ اصل نکاح نامہ میرے پاس۔ ہے کیونکہ تم سے تو کچھ بھی بعید نہیں ہے غصے میں آ کر نکاح نامہ ہی پھاڑ ڈالا تو میں تو بے موت مارا جاؤں گا نا، تمہیں اپنے ساتھ رکھنے کا ثبوت بھی اپنے پاس رکھنا ضروری ہے۔“ مامون نے مسکراتے ہوئے کہا تو رانیہ نے نفرت سے لفافہ بیڈ پر پھینک دیا۔ مامون کو بہت دکھ پہنچا تھا اس کی حرکت سے۔

”یہ تمہاری امانت تھی میرے پاس اسے سنبھال کر رکھنا۔“ مامون نے ایک نیلے رنگ کی فائل اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

”اب یہ کیا ہے؟“ وہ فائل لے کر بدتمیزی سے پوچھ رہی تھی۔

”اس گھر کے کاغذات ہیں جو خالہ جان نے تمہارے نام کر دیا تھا۔ خالہ جان کی وصیت کی کاپی بھی اس میں موجود ہے اور جنرل اسٹور میں نے ان کی وصیت کے مطابق فروخت کر دیا ہے اور اس کی تمام رقم تمہارے بینک اکاؤنٹ میں جمع کروا دی ہے۔ تم چاہو تو بینک جا کر تصدیق کر سکتی ہو اس میں رجسٹری اور رسیدیں بھی موجود ہیں دیکھ لو۔“

”آپ نے یہ پراپرٹی اپنے نام کیوں نہیں کروائی؟“ وہ شک بھرے لہجے میں بولی۔

”میں یہ بے ایمانی کیوں کرتا بھئی، میرا تمہاری پراپرٹی پر کوئی حق نہیں ہے۔ میرا حق صرف تم پر ہے رانیہ۔“ مامون نے نرمی سے کہتے ہوئے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھے جو اس نے نفرت سے جھٹک دیئے۔

”مجھ پر بھی آپ کا کوئی حق نہیں ہے اگر آپ کو یہ پراپرٹی چاہئے تو لے لیں اور جان چھوڑ دیں میری۔“

”کیسے چھوڑ دوں تمہاری جان! تم تو میری جان ہو۔ بیوی ہو میری، ذمے دار ہوں

میں اب تمہارا۔“ وہ اب بھی پیار سے سمجھا رہا تھا۔

”تم صرف میری ذلت و رسوائی اور جگ ہنسائی کے ذمے دار ہو، تم میرے اماں ابا کی موت کے ذمے دار ہو۔ تم قاتل ہو میرے ماں باپ کے تم نے میری بے رُخی اور انکار کا بدلہ لیا ہے نا، مجھے اس طرح سے رُسوا اور اکیلا کر کے۔ بہت گھٹیا انسان ہو تم، نفرت ہے مجھے تم سے شدید نفرت...... کوئی چیز نہیں ہے میرے دل میں تمہارے لئے سنا تم نے۔“ وہ نفرت اور غصے سے چیخ کر بول رہی تھی اور مامون کی دھجیاں بکھیر رہی تھی۔ اس نے بمشکل دیوار کا سہارا لے کر خود کو گرنے سے بچایا تھا۔ کتنی دیر تک تو وہ صدمے اور دکھ کے باعث کچھ بول ہی نہ سکا پھر بولا تو لہجہ نہایت نرم تھا۔

”تم ہمیشہ سے مجھ سے نالاں رہی ہو کیوں؟ میں نہیں جانتا لیکن رانیہ علی تم سے اتنا ضرور کہوں گا کہ تم بدگمانی کے کوہ ہمالیہ پر کھڑی ہو جہاں سے تمہیں میری ذات بہت چھوٹی اور حقیر دکھائی دے رہی ہے۔ ٹھیک ہے تم مجھ سے نفرت کرو، نہ رہو میرے ساتھ، لیکن تمہاری ماں نے مرتے وقت مجھ سے منت کی تھی کہ ”مامون بیٹا رانیہ بہت جذباتی اور نادان لڑکی ہے اس کی کسی نادانی کی وجہ سے نکاح کا یہ بندھن کبھی مت توڑنا۔“ یہ ان کی وصیت اور میری محبت کا تقاضا ہے رانیہ مامون ضیاء کہ میں تمہیں اس رشتے سے جوڑے رکھوں، میں تمہیں اس بندھن سے کبھی آزاد نہیں کروں گا۔ ہاں اگر تمہیں آزادی چاہئے تو پھر میری موت کی دُعا مانگنا کیونکہ میری موت ہی اب اس بندھن سے تمہیں رہائی دلا سکتی ہے۔“ مامون نے اپنی بات مکمل کی اور بہت تیزی سے ”امجد ہاؤس“ کی دہلیز عبور کر گیا۔

مامون کو رانیہ کے رویے، جملے اور لہجے نے اس کی نفرت نے اندر سے چکنا چور کر دیا تھا وہ بہت رویا تھا گھر جا کر ربّ سے اپنی محبت کی بھیک مانگی تھی۔ درد اتنا تھا کہ وہ ہفتہ بھر بیمار پڑا رہا۔ آفس میں اس کی ذہانت، صلاحیت اور قابلیت کے سبب جاب پکی ہو چکی تھی اس لئے اسے بیماری کی حالت میں چھٹی بھی بآسانی مل سکتی تھی مگر وہ آدھے دن کے لئے آفس جاتا رہا۔ رانیہ کی طرف جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی پھر جب بخار اتر گیا طبیعت سنبھل گئی تو وہ نفرت میں ڈوبے لفظوں کی مار کھانے کے لئے پھر سے ”امجد ہاؤس“ کی طرف چل دیا، لیکن وہاں پہنچ کر اسے ایک اور صدمے سے دو چار ہونا پڑا، رانیہ ”امجد ہاؤس“ دو سال کے لئے کرائے پر دے کر شہر چھوڑ کر جا چکی تھی۔ کہاں یہ کسی کو معلوم نہیں تھا حتیٰ کہ کرائے داروں کو بھی معلوم نہیں تھا کیونکہ دو سال کی پیشگی رقم کی ادائیگی انہوں نے کسی وکیل کے ذریعے معاہدے کے تحت کر دی تھی۔ مامون گرتا پڑتا مجید ماموں کے گھر پہنچا تو انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کیا۔ وہ خود بھی رانیہ کے اس طرح اچانک بن بتائے گھر

اور شہر چھوڑ کر چلے جانے پر خاصے پریشان تھے۔

☆☆☆

"بیس برس کی لڑکی پہ اس کے اپنے ہی گھر میں زمین تنگ کردی گئی تھی۔ وہ بے چاری کیوں نہ یہاں سے جاتی اور مامون بیٹا تم نے بھی اُسے اکیلا چھوڑ دیا یہاں تمہارا اپنا گھر ہے تم اُسے وہاں لے جاتے، ہر کوئی اُسے الزام دے رہا تھا۔ اب تمہاری ماں نے بھی کم باتیں تو نہیں سنائیں تھیں اسے، مجھے لگتا ہے کہ رانیہ انہی کی باتوں سے دل برداشتہ ہو کر یہاں سے چلی گئی ہے۔"

رخسانہ مجید نے ہمدردانہ اور تاسف زدہ لہجے میں کہا تو مامون نے حیرت اور بے چینی سے پوچھا۔

"ممی نے رانیہ سے کیا کہا تھا۔"

"بیٹا! میں نے اپنے کانوں سے ان کا فون سنا تھا، مجھے تو کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے، چھوڑ بیٹا ناحق میری سچی بات سے تمہارے گھر میں بدمزگی ہوگی اور ہمارے تعلقات بھی خراب ہوں گے۔"

رخسانہ مجید نے چالاکی سے بات گول کردی تا کہ وہ اصرار کر کے پوچھے۔

"آنٹی! آپ کا نام نہیں لوں گا میں کسی سے، پلیز مجھے بتایئے ممی نے رانیہ سے کیا کہا تھا؟" وہ بے چینی سے پوچھ رہا تھا۔

"بیٹا، سلمٰی بیگم نے تو حد کردی تھی کہہ رہی تھی کہ میرے بیٹے کا پیچھا چھوڑ دو، میں تم جیسی بدنام اور بدکردار لڑکی کو کبھی اپنی بہو نہیں بناؤں گی۔ تم نے مامون کو اپنی محبت کے جال میں پھنسایا ہے اسے آزاد کردو، اس کی زندگی سے دور چلی جاؤ ورنہ پچھتاؤ گی۔" رخسانہ مجید نے کچھ باتیں اپنی طرف سے بھی لگا کر اسے بتا دی تھیں۔

"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ممی اس قدر فضول باتیں بھی کہہ سکتی ہیں۔" مامون نے دوہرے صدمے سے دوچار ہوتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! کیا تم نے انہیں اپنے اور رانیہ کے نکاح کے متعلق کچھ نہیں بتایا؟" مجید نے ماموں نے پوچھا۔

"میں نے ڈیڈی کو نکاح سے پہلے اعتماد میں لے لیا تھا، انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا میرے رانیہ سے نکاح پر وہ تو میری خوشی میں خوش تھے۔ انہوں نے مجھے منع کیا تھا کہ میں ممی کو فی الحال اس نکاح کے متعلق نہ بتاؤں وہ خود ہی انہیں موقع دیکھ کر بتا دیں گے۔ پتہ نہیں انہوں نے ممی کو اب تک بتایا ہے کہ نہیں۔ رانیہ ممی کی وجہ سے گھر چھوڑ گئی ہے مائی گاڈ۔" مامون نے دکھ سے کہتے ہوئے اپنا

سر پکڑ لیا۔

"کیا خبر بیٹا! وہ واقعی کسی اور میں انٹرسٹڈ ہو جبھی تمہیں اتنی آسانی سے چھوڑ گئی، ورنہ اتنی بدنامی کے بعد بھی اسے ایک معزز اور شریف شخص کی بیوی بننے پر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرنا چاہئے تھا اور تمہارے ساتھ بخوشی رہنا چاہئے تھا۔" رخسانہ مجید نے سنجیدگی سے کہا تو شبانہ نے بھی اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے کہا۔

"اور امی! رانیہ کے ہمسائے بتا رہے تھے کہ وہ کسی نوجوان کے ساتھ لمبی سی گاڑی میں بیٹھ کر گئی ہے، پتہ نہیں وہ کون تھا، اب تو محلے والے رانیہ کو اور زیادہ بُرا کہہ رہے ہیں کہ ماں باپ کے مرتے ہی اُسے اپنی آوارگیوں کے لئے عیاشیوں کے لئے آزادی مل گئی تھی جبھی تو اپنے کسی آشنا کے ساتھ چلی گئی توبہ توبہ......"

"میں چلتا ہوں۔" مامون سے مزید برداشت نہ ہوا تو اٹھ کھڑا ہوا اور پھر ان کے لاکھ روکے سے بھی نہیں رکا۔

تین دن بعد مامون کو ایک لفافہ ڈاک کے ذریعے موصول ہوا اس نے لفافہ کھول کر دیکھا تو اس میں رانیہ کی تین چار تصویریں بھی موجود تھیں اس کے ساتھ نجانے کون لڑکے تھے۔ بہت ہی بے ہودہ پوز میں کھینچی گئی تھیں یہ تصاویر، مامون کا پورا بدن آگ کی طرح سلگنے لگا تھا۔ وہ بہت غور سے چاروں تصویریں دیکھ رہا تھا کہ اچانک چونک گیا اور پھر ایک ایک کر کے ساری تصویریں دیکھنے بعد اُسے بے اختیار ہنسی آگئی۔ رخسانہ مجید نے رانیہ کی کالج کے فینسی ڈریس شو میں دلہن کا روپ دھانے والی جو تصویر بیگم صغیر کو دکھائی تھی وہی تصویر یہ مامون رانیہ کے کمرے میں اس کی البم میں بھی دیکھ چکا تھا اور تصویر کے پیچھے لکھی تحریر بھی اس نے پڑھی تھی وہی تصویر ان تصویروں میں بھی موجود تھی۔ جس سے مامون کو یقین ہو گیا تھا کہ یہ ضرور کسی کی شرارت ہے اور باقی تصویریں بھی جعلی ہیں، اس نے وہ تصویریں چولہے پر رکھ کر جلا دیں۔

"رانیہ کہاں چلی گئی ہو تم میری محبت سازشوں کی زد میں ہے کون کر رہا ہے یہ میرے ساتھ...... مجھے تم سے بدگمان کرنے کی پلاننگ کس کی ہو سکتی ہے؟ کیا ممی؟ وہ تو یہ سب نہیں کر رہیں؟" وہ بے چین و بے قراری سے خود سے سوال کر رہا تھا۔

"رخسانہ آنٹی، نہیں، پھر کون ہو سکتا ہے؟ مجھے ممی سے بات کرنی چاہئے۔" وہ سوچ رہا تھا کہ سلمٰی بیگم کا فون آ گیا۔

"السلام علیکم ممی!" مامون نے اپنا موبائل آن کر کے کان سے لگایا۔

"وعلیکم السلام! کہاں ہو تم؟"

"گھر پر ہی ہوں۔"

"رانیہ کے گھر پر۔" سلمٰی بیگم کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

"جی نہیں اپنے گھر پر ہوں۔ آپ کی طبیعت کیسی ہے ممی؟"

"ٹھیک ہے میری طبیعت اور یہ تم نے کیا حرکت کی ہے چوری چھپے رانیہ سے نکاح کر لیا اور مجھے اب تمہارے ڈیڈی نے بتایا ہے۔" وہ غصے سے بولیں۔

"کیونکہ اس وقت ہمیں معلوم تھا کہ آپ انکار کر دیں گی نہیں مانیں گی۔" وہ افسردگی سے بولا تو انہوں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

"مانوں گی تو میں اب بھی نہیں، میں اس آوارہ لڑکی کو اپنے گھر میں قدم بھی نہیں رکھنے دوں گی۔ سُنا تم نے فوراً سے پہلے اُسے طلاق دے دو۔"

"سوری ممی میں آپ کی یہ خواہش پوری نہیں کر سکتا اور آپ نے رانیہ کو فون کیا تھا ناممی۔"

"اُس نے شکایت کی ہوگی۔" سلمٰی بیگم نے کہا۔

"اُس نے تو کچھ بھی نہیں کہا اور اپنا گھر اور شہر چھوڑ کر نجانے کہاں چلی گئی ہے۔ آپ خوش ہو جایئے ممی رانیہ مجھے چھوڑ گئی ہے یہی چاہتی تھیں ناں آپ۔" مامون نے دکھی لہجے میں کہا۔

"وہ ایسے کیسے جا سکتی ہے؟" سلمٰی بیگم نے سکون کا سانس لے کر پوچھا۔

"وہ چلی گئی ہے اور کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے کہ وہ کہاں گئی ہے؟"

"تو اب تم اسی بات سے اندازہ لگا لو کہ وہ کس کردار کی مالک ہے، اس کا ضرور کسی سے معاشقہ چل رہا ہوگا ماں باپ کے مرتے ہی اُسے کھلی آزادی مل گئی اور وہ بھاگ گئی اپنے آشنا کے ساتھ۔ اُسے تو یہ بھی خیال نہیں آیا ہوگا کہ اس کا نکاح ہو چکا ہے اور وہ اب کسی کی امانت ہے۔ تم تو اس کی محبت میں اندھے ہو گئے ہو سارا شہر جو کہہ رہا ہے وہ کیا پاگل ہے۔ اگر رانیہ کو تم سے محبت ہوتی، اسے رشتے کی قدر پاس لحاظ ہوتا تو وہ یوں تم سے چوری چھپے گھر اور شہر چھوڑ کر کبھی نہیں جاتی، صاف ظاہر ہے کہ وہ کسی کو پسند کرتی تھی تم سے جھوٹی محبت کا کھیل کھیلا تھا اس نے۔" سلمٰی بیگم نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"اس نے مجھ سے محبت کا کوئی کھیل نہیں کھیلا بلکہ وہ تو مجھ سے نفرت کرتی ہے ممی۔"

"نفرت؟"

"جی ہاں ممی! رانیہ آپ کے اس شاندار اور ڈیشنگ بیٹے سے شدید نفرت کرتی تھی۔" وہ

کانپتی آواز میں بولا۔

"اور تم پھر بھی اس کے لئے مرے جا رہے ہو۔"

"ہاں میں رانیہ کے لئے مر سکتا ہوں لیکن کسی اور لڑکی کے لئے ہاں کبھی نہیں کر سکتا۔ وہ بدکردار نہیں ہے ممی وہ بہت باکردار اور باحیا لڑکی ہے، بس میرے متعلق غلط فہمی اور بدگمانی میں مبتلا ہے۔" مامون نے دکھ اور بے بسی سے بھیگتی آواز میں کہا۔

"رانیہ تم سے نفرت کرتی ہے اس کا مطلب کہ وہ کسی اور سے محبت کرتی ہے تم سے چھٹکارا چاہتی ہے اور تم......"

"پلیز ممی، بس کیجئے۔" وہ تڑپ کر بولا اپنی محبت کی نفرت اس کی روح تک کو گھائل کر رہی تھی۔

"مون میرے چاند بیٹا، بھول جاؤ اُسے تمہارے لئے ایک سے ایک اچھی لڑکی مل جائے گی۔" سلمٰی بیگم نے قدرے نرمی اور محبت سے کہا۔

"مگر مجھے تو صرف ایک ہی اچھی لڑکی چاہئے اور وہ ہے رانیہ۔"

"وہ اچھی لڑکی نہیں ہے۔" سلمٰی بیگم نے کہا لہجہ غصیلا اور تیز تھا۔ مامون نے تڑپ کر موبائل آف کر دیا۔

"کیا یہ سب لوگ صحیح کہہ رہے ہیں؟ کیا رانیہ واقعی بُری لڑکی ہے، کیا وہ کسی اور کو چاہتی ہے اور اُسی کے ساتھ گئی ہے، مجھ سے نکاح کے باوجود کسی اور کے ساتھ چلی گئی...... نہیں نہیں...... میری محبت اتنی بُری نہیں ہو سکتی نہیں ہے وہ بدکردار...... نہیں۔"

مامون خود سے سوال جواب کرتا بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

وقت کا پنچھی اپنے پروں میں تین سال سمیٹ کر لے گیا تھا۔ مامون ضیاء کی زندگی کے قیمتی تین برس رانیہ کی یادوں سے آباد گزرے تھے۔ ایک لمحہ بھی اس دوران ایسا نہیں آیا کہ وہ رانیہ کو اس کی معصوم اور من موہنی صورت کو بھول پایا ہو۔ سب گھر والے اسے شادی کے لئے آمادہ کرنے کی کوشش کر کر کے تھک گئے تھے مگر اس کا ایک ہی جواب تھا کہ "شادی تو میری رانیہ سے ہو چکی ہے۔"

اکثر راتوں کو تنہائی کے گھپ اندھیرے میں رانیہ کی جدائی کا درد بڑھ جاتا تو وہ بے اختیار اشکبار ہو جاتا، دعاؤں میں رب سے اُس کی واپسی کی اس کے ملن کی، اُس کے پیار و اعتبار بھرے ساتھ کی فریاد اور درخواست کیا کرتا تھا اور...... رانیہ......!!

رانیہ شہر چھوڑ کر اپنی کالج کی پرنسپل فرحت نسیم کی بہن مدحت نسیم کے پاس اسلام آباد آ گئی

تھی۔ وہیں وہ ان کی انیکسی میں پے انگ گیسٹ کی حیثیت سے رہنے لگی اور ساتھ ہی ان کے سکول میں جاب بھی شروع کردی تھی۔ فرحت نسیم نے مدحت نسیم کو رانیہ کی دکھ بھری کہانی سنا دی تھی، اس لئے انہیں رانیہ سے دلی ہمدردی تھی وہ اُسے چھوٹی بہنوں کی طرح سمجھتی تھیں۔ رانیہ نے زندگی کے دکھوں اور غموں کو بُھلانے کے لئے اپنی تعلیم بھی ساتھ ساتھ جاری رکھتے ہوئے بی ایڈ اور ایم اے کا امتحان پاس کرلیا تھا۔ اس کی تنخواہ میں اضافہ بھی ہوگیا تھا۔ دو ماہ پہلے اسے مدحت نسیم کی انیکسی سے فلیٹ میں شفٹ ہونا پڑا تھا۔ کیونکہ مدحت نسیم کے دیور اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ وہاں رہنے کے لئے آگئے تھے۔ فلیٹ کا چھ ماہ کا کرایہ رانیہ نے ایڈوانس دے دیا تھا۔ ''امجد ہاؤس'' کا کرایہ بھی وہ اب فلیٹ کے کرائے میں دینے کے لئے استعمال کر رہی تھی ورنہ اب تک وہ رقم بینک اکاؤنٹ میں جمع تھی۔ آس پاس کے فلیٹوں میں رہنے والوں سے رانیہ کی بس سکول آتے جاتے ہی راستے میں سلام دُعا ہوتی تھی۔ اسی لئے اسے ان لوگوں کے مزاج علم نہیں ہوسکا تھا کہ وہ لوگ کیسے ہیں؟ البتہ ان لوگوں کو ضرور تجسس رہتا تھا کہ یہ حسین وجمیل لڑکی کون ہے اور یہاں اکیلی کیوں رہتی ہے؟ کہاں سے آئی ہے؟ کیوں آئی ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

رانیہ نے خود کو لاکھ مصروف کرلیا تھا لیکن مامون ضیاء اسے بھی بُھولا نہیں تھا۔ جس طرح مامون کو اس کے ساتھ بیتا ہر لمحہ یاد تھا اسی طرح وہ بھی ان لمحوں کو فراموش نہیں کر پائی تھی۔ رات کو جب بھی سونے کے لئے لیٹتی مامون آنکھوں میں نیند کی جگہ آبستا اور اسے حیرت ہوتی تھی اپنے آپ پر کہ اب اسے مامون سے پہلے کی طرح نفرت بھی محسوس نہیں ہوتی تھی شاید گزرے وقت نے اس کا غصہ ٹھنڈا کردیا تھا۔ وہ اکثر سوچا کرتی کہ نجانے اس کے وہاں سے چلے آنے کے بعد مامون نے کیا سوچا ہوگا اس کے بارے میں؟ اس کے دل پر کیا بیتی ہوگی؟ کیا اُس نے اُسے تلاش کیا ہوگا؟ کیا مامون اب تک اس کی محبت میں تنہائی کا عذاب جھیل رہا ہوگا یا اس نے اپنا گھر بسا لیا ہوگا۔

مامون نے اسے نکاح کی جو تصاویر دی تھیں رانیہ اپنے ساتھ ہی لے آئی تھی اور تقریباً ہر روز وہ البم دیکھتی اور حیران ہوا کرتی کہ مامون کے مقابلے میں وہ تو کچھ بھی نہیں تھی وہ اس سے زیادہ ڈیشنگ، اسمارٹ اور گڈ لکنگ تھا پھر اس نے اسی سے محبت کیوں کی؟ مامون نے نکاح کی رات جو کنگن اسے پہنائے تھے وہ آج بھی اس کی کلائی کی شان بڑھا رہے تھے اسے ایک لمحے کو بھی یہ کنگن خود سے الگ کرنے کا خیال نہیں آیا...... وہ جب بھی یہ کنگن اپنی کلائی میں گھماتی اسے سرگوشی سی سنائی دیتی۔

''کاش! میں تیرے حسین ہاتھ کا کنگن ہوگا۔''

مامون کی پیار بھری شریر اور شوخ جسارتیں اسے یاد آتیں تو جانے کیوں اس کے اندر اُداسیوں کے قافلے اترنے لگتے۔

''کیوں...... مامون ضیاء کیوں یاد آتے ہو مجھے؟'' رانیہ خود سے الجھتی اور اسے ایسے مخاطب کر کے کہتی جیسے وہ سامنے کھڑا سن رہا ہے۔

مدحت نسیم اسے بارہا مامون سے رابطے کے لئے کہہ چکی تھیں۔ اُسے سمجھا چکی تھیں کہ مامون اس سے سچی محبت کرتا ہے مگر وہ اسے خود چھوڑ کر آئی تھی اب خود سے رابطہ کرنا اسے گوارہ نہ تھا اور وہ اس کو مجرم سمجھتی تھی اپنی سیرت و کردار کا، وہ بھلا اسے کیسے معاف کر دیتی۔ وہ تیس برس کی ہوئی تھی اور پوری عمر تنہا کاٹنا اکیلی لڑکی کے بس کی بات نہیں تھی۔ مدحت نسیم اُسے سمجھاتی تھیں جب سے وہ فلیٹ میں شفٹ ہوئی تھی تب سے ان کی نصیحتیں زور پکڑتی جا رہی تھیں، انہیں رانیہ کے اکیلے رہنے کی وجہ سے ہر وقت اس کی فکر لگی رہتی تھی۔ ایک دن رانیہ اسکول کے لئے فلیٹ سے باہر نکلی تو ایک آوارہ مزاج لڑکے نے اس کا راستہ روک لیا۔

''یہ صبح سویرے تم بن ٹھن کر کہاں جاتی ہو؟'' لڑکے نے خباثت سے پوچھا۔

''تم سے مطلب!'' رانیہ نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پا کر سختی سے کہا۔

''مطلب پورا کرو تو ابھی بتادوں سنا ہے اکیلی رہتی ہو...... تنہا ہو...... کہو تو میں آجایا کروں رات کو تمہاری تنہائی دور ہو جائے گی اور میری بے قراری بولو منظور ہے۔'' اس لڑکے نے کمینگی سے کہا اس کی آنکھوں میں شیطانیت ٹپک رہی تھی۔ رانیہ کو پہلی بار ایسی صورت حال سے واسطہ پڑا تھا اس کے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

''اپنے لئے اپنے جیسی آوارہ اور بے حیا لڑکی تلاش کرو، ہٹو میرے راستے سے۔'' وہ غصے سے بولتی اسے دھکا دے کر تیزی سے آگے بڑھ گئی وہ لڑکا کمینگی سے قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

رانیہ کو اس وقت رونا آرہا تھا مگر ضبط کرتی ہوئی جیسے تیسے اسکول پہنچ گئی۔ مدحت نسیم نے اسے وائس پرنسپل بنا دیا تھا۔ وہ سیدھی مدحت نسیم کے آفس میں گئی تھی۔ مدحت نسیم ابھی ابھی پہنچی تھیں۔ اس کی حواس باختہ صورت دیکھ کر فکرمندی سے اس کی طرف بڑھیں۔

''کیا ہوا رانیہ؟'' رانیہ نے روتے ہوئے ساری بات بتا دی۔ انہیں بہت افسوس ہوا تھا سن کر۔

''کتنی بار سمجھا چکی ہوں تمہیں کہ عورت کو اس معاشرے میں مرد کے بغیر کوئی تحفظ حاصل نہیں ہے اکیلی لڑکی یا عورت کا جینا حرام کر دیتے ہیں لوگ تم انیکسی میں رہ رہی تھیں میرے ساتھ

باہر آتی جاتی تھیں، اس لئے تمہیں کبھی عدم تحفظ کا احساس نہیں ہوا۔ اب تم اکیلی رہ رہی ہو، اکیلے باہر آتی جاتی ہو تو دیکھ لیا تم نے اس معاشرے کے مردوں کا رویہ...... تم تو ایک ہی جھٹکے میں ڈھیر ہونے لگیں اور لڑکا بھلا اتنی آسانی سے تمہارا پیچھا چھوڑے گا...... اسے پتا ہے کہ تم اکیلی ہو لہٰذا وہ تمہیں پریشان ضرور کرے گا۔'' مدحت نسیم نے سنجیدگی سے کہا۔

''آپی! میں کیا کروں اب؟''

''اپنے شوہر سے رابطہ کرو۔''

''یہ مجھ سے نہیں ہوگا اور وہ تو جیسے ان تین برسوں کی بے رُخی اور لاتعلقی بھلا دیں گے ناں...... وہ بھی مجھے اوروں کی طرح بُرا ہی کہتے اور سمجھتے ہوں گے اور انہوں نے مجھے حاصل کرنے کے لئے جو کچھ کیا'' وہ بھیگتے لہجے میں بولی۔

''اس کے لئے مامون ضیاء کو معاف کر دو، کیونکہ محبت اور جنگ میں سب جائز ہوتا ہے اوّل تو مجھے نہیں لگتا کہ مامون نے اپنی محبت کو بدنام کیا ہو، تم واپس چلی جاؤ رانیہ اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے۔'' مدحت نسیم نے اسے نرمی سے سمجھایا۔

''آپی! میں اُس شخص سے تحفظ اور ساتھ کی بھیک نہیں مانگ سکتی۔'' رانیہ یہ کہہ کر اپنے آنسو پونچھتی ہوئی اٹھ کر آفس سے باہر چلی گئی۔

''اب مجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا ورنہ یہ لڑکی سچ مچ اس معاشرے کے ہاتھوں کھلونا بن جائے گی۔ تنہا ہو جائے گی ہمیشہ کے لئے۔'' مدحت نسیم نے خود کلامی کرتے ہوئے کہا اور اپنا پرس کھول کر ڈائری میں کچھ تلاش کرنے لگیں۔

اگلے روز رانیہ اسکول میں اپنی کلاس کو پڑھا رہی تھی جب چپڑاسی نے اسے اطلاع دی کہ پرنسپل صاحبہ اسے آفس میں بلا رہی ہیں۔ بریک ٹائم ہونے والا تھا وہ کلاس کو پڑھنے کی تاکید کر کے پرنسپل مدحت نسیم کے آفس کی طرف چلی آئی وہ اسے آفس کے باہر ہی ٹہلتی مل گئیں

''خیریت آپی! آپ نے پہلے تو کبھی مجھے اس طرح نہیں بلوایا؟'' رانیہ نے ان کے قریب پہنچ کر فکرمندی سے استفسار کیا۔

''رانیہ!'' تمہارے مہمان میرے آفس میں بیٹھے ہیں ان سے جا کر مل لو میں ذرا اسکول کا راؤنڈ لگا آؤں اور سنو رانیہ دوبارہ کوئی نادانی مت کرنا بیسٹ آف لک جاؤ شاباش۔'' مدحت نسیم نے نرمی سے کہا اور اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے آفس میں جانے کا اشارہ کیا وہ ناسمجھی کے عالم میں دیکھتی ہوئی حیران حیران سی آفس میں داخل ہوگئی۔ دائیں جانب مہمانوں کو بٹھانے کا اہتمام

تھا، صوفہ سیٹ رکھا ہوا تھا۔ وہاں رانیہ نے دیکھا ایک شخص اخبار اپنے سامنے پھیلائے بیٹھا تھا۔

''کون ہے یہ؟'' رانیہ نے خود سے سوال کیا۔ ''السلام وعلیکم!'' رانیہ نے آگے بڑھتے ہوئے اسلام کیا تو اس شخص نے فوراً اخبار اپنے چہرے کے سامنے سے ہٹا دیا۔ رانیہ کی نگاہوں کے سامنے جو چاند چہرہ تھا وہ اس کے وجود میں اپنی چاندنی یکایک پھیلاتا چلا گیا۔

''وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ وبرکاتہ!'' وہ خوشگوار لہجے میں جواب دیتا اٹھ کر اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔

''مامون!'' رانیہ کے یاقوتی لب وا ہوئے۔

''جی مسز مامون! شہر شہر کی خاک چھانی تھی، آج کل یہاں بسیرا تھا۔ فضا میں تمہاری سانسوں کی خوشبو محسوس ہو رہی تھی اور بالآخر ایک مہربان کے وسیلے سے میں تم تک پہنچ ہی گیا نا۔ ڈھونڈ لیا ناں میں نے تمہیں۔'' مامون ضیاء مجسم آنکھ بنا اسے دیکھتے ہوئے بہت نرم اور مسرور لہجے میں کہہ رہا تھا۔ رانیہ کی آنکھوں میں حیرت تھی زبان گنگ تھی، وہ بس اسے دیکھے جا رہی تھی جو آج بھی یوسف ثانی تھا، ہاں البتہ پہلے سے کچھ کمزور دکھائی دے رہا تھا۔ اس کا لہجہ آج بھی نرم اور محبت سے پُر تھا جبکہ رانیہ سوچ رہی تھی کہ مامون ضیاء کو تین سال کی جدائی پر غصہ ہونا چاہئے تھا اور وہ اس کے خاموشی سے چھوڑ کر چلے آنے پر اتنے پیار سے مخاطب کر رہا تھا۔ یکایک مامون کا ہاتھ اٹھا اور رانیہ سمجھی کہ وہ اسے تھپڑ مارنے لگا ہے، اس نے خوف سے آنکھیں میچ لیں اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب مامون کا ہاتھ اس کے دائیں رخسار پر نرمی سے آ کر ٹھہر گیا۔ رانیہ نے ایک عجیب سی تازگی اپنے اندر اترتی محسوس کی اور آنکھیں کھول کر اس کے چہرے کو دیکھا وہ محبت بھری شکایت کر رہا تھا۔

''کیوں کیا تم نے مجھ پر یہ ظلم؟
ہم تو مجبور وفا ہیں مگر اے جان جہاں
اپنے عشاق سے ایسے بھی کوئی کرتا ہے؟''

رانیہ کے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں تھا حتیٰ کہ وہ شدید نفرت اور بدگمانی جس کے سبب وہ اسے خاموشی سے چھوڑ آئی تھی وہ بھی کہیں نہیں تھی۔ وہ جانے کے لئے مڑی تو مامون نے اس کا بازو پکڑ لیا۔

''اب کہاں جا رہی ہو؟''

''میں اپنی کلاس لینے جا رہی ہوں۔'' مری مری سی آواز اس کے حلق سے نکلی۔

"حالانکہ کلاس تو مجھے تمہاری لینی چاہئے۔" مامون کا معنی خیز جملہ اسے شرمندہ سا کر گیا وہ رُوبرو ہو کر سنجیدہ اور سپاٹ لہجے میں بولی۔

"ٹھیک ہے، تو لیں میری کلاس۔"

جواب میں مامون نے اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے ہالے میں لے کر اس کی پیشانی پر اپنی محبت کی مہر ثبت کر دی۔

"مامون!" وہ تڑپ کر بولی اور اس کے ہاتھوں کو پکڑ کر ہٹایا۔ وہ اس کی محبتوں پر حیران تھی جو اس کی شدید نفرت اور تین سال کی بے رُخی اور لاتعلقی کے باوجود اس پر یوں اپنی محبت کے پھول نچھاور کر رہا تھا۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ وہ تین برس بیچ میں آئے ہی نہ ہوں اور وہ رانیہ کی نفرت سے آگاہ ہی نہ ہو۔ یہ کیسی محبت تھی اسے رانیہ سے؟

"میں تو تمہاری زبان سے اپنا نام سننے کو ترس گیا تھا۔ آج تم نے میرا نام لیا ہے تو مجھے احساس ہوا ہے میں ابھی زندہ ہوں۔" مامون نے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کے ہونٹوں کو نرمی سے چھوا۔

"پلیز آپ جایئے یہاں سے یہ اسکول ہے آپ کا بیڈ روم نہیں ہے۔" وہ ٹپٹا کر بولی تو اس نے اس کیفیت و حالت سے محظوظ ہوتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے پھر میں تم سے بیڈ روم میں ہی ملوں گا شام چار بجے تم سے تمہارے گھر پہ ملاقات ہو گی۔"

"گھر پہ......"

"ہاں تمہارا گھر میں دیکھ چکا ہوں، ٹھیک چار بجے آؤں گا او کے بائے۔" مامون نے اس کی حیرانگی دور کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور اس کا گال تھپتھپا کر وہاں سے چلا گیا اور وہ اپنا دل تھام کر وہیں صوفے پر ڈھے سی گئی۔ اس کا رواں رواں مامون کے محبت بھرے لمس کی حدت و حرارت سے جل رہا تھا۔ دل کی کیفیت بہت عجیب ہو رہی تھی۔ وہ اس سے کچھ کہنے سننے کی حالت میں نہیں تھی سو اس سے بچنے کے لئے اسکول کے بعد پہلے اپنی کولیگ اور دوست فرخندہ کے ساتھ مارکیٹ چلی گئی تاکہ ہفتے بھر کی سبزی بیکری کا سامان اور دیگر اشیاء خرید سکے وہ گھر آ کر کچن میں رکھنے کے بعد نہا کر تیار ہوئی نماز ادا کی اور تین بجے وہ نمائش دیکھنے چلی گئی۔ وہاں سے فارغ ہوئی تو مدحت نسیم کے گھر آ گئی، وہ مامون سے فرار اختیار کرنے کے لئے گھر جانے سے کترا رہی تھی، لیکن اس کے دل و دماغ میں مامون ہی گھوم رہا تھا۔ مدحت نسیم نے ہی بہت پہلے مامون کا

وزیٹنگ کارڈ رانیہ کے پرس میں دیکھا تھا اور جانے کس خیال کے تحت انہوں نے مامون کے موبائل نمبرز، ای میل ایڈریس اور گھر و دفتر کے فون نمبرز اپنی ڈائری میں نوٹ کر لئے تھے اور انہوں نے ہی مامون سے فون پر رابطہ کر کے اسے رانیہ کے متعلق بتایا تھا۔ مامون جو ہفتے بھر سے اسلام آباد میں ہی تھا۔ کمپنی آفس سیٹ کرنے اور رانیہ کو تلاش کرنے کا خیال لے کر ہی وہ یہاں آیا تھا اور اسے ہر راستے میں ڈھونڈ رہا تھا۔ مدحت نسیم کی فون کال نے اسے زیست افروز خبر سنا کر پھر سے زندہ کر دیا تھا۔ اس کی لگن سچی تھی شاید اسی لئے اب قدرت کو اس کی حالت پر رحم آ گیا تھا اور اس نے مدحت نسیم کو رانیہ سے مامون کی ملاقات کا وسیلہ بنا دیا تھا۔

رات کے سوا نو بج رہے تھے۔ رانیہ کھانا مدحت نسیم اور ان کی فیملی کے ساتھ کھانے کے بعد اب گھر واپس جانا چاہ رہی تھی۔

"رانیہ بیٹا! رات یہیں رک جاتیں صبح تو چھٹی ہے نا۔" مدحت نسیم کے شوہر ذاکر صمدانی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بولی۔

"جی بھائی، لیکن چھٹی والے دن مجھے گھر کے کام نپٹانا ہوتے ہیں اس لئے رک نہیں سکتی آپ پلیز مجھے گھر تک ڈراپ کر دیں۔"

"ہاں ذاکر آپ رانیہ کو چھوڑ آئیں اکیلی کیسے جائے گی یہ۔"

"ٹھیک ہے چلو بیٹا۔" ذاکر صمدانی گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے بولے اور رانیہ ان کے ساتھ چلی آئی جس وقت ذاکر صمدانی رانیہ کو فلیٹس کے احاطے میں ڈراپ کر کے جا رہے تھے، وہاں وہی آوارہ لڑکا کھڑا تھا اپنے جیسے ہی ایک اور لڑکے کے ساتھ وہ رانیہ کو سیڑھیاں چڑھتے دیکھ کر پیچھے چلا آیا اور خباثت سے بولا۔

"یہ سواری بادِ بہاری کہاں سے آ رہی ہے حسینو! شام کو بھی یہاں ایک بندہ تمہارا پوچھ رہا تھا، بڑا انتظار کیا بے چارے نے تمہارے گھر کے باہر ٹہل ٹہل کر...... اور تم اسے ٹائم دے کر اس گاڑی والے کے ساتھ ٹائم گزارنے چلی گئیں۔"

"بکواس بند کرو وہ بھائی ہیں میرے۔" رانیہ غصے سے بولی تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"او کیسا بھائی ہے یہ جو اپنی حوروں جیسی بہن کو تنہا رہنے کے لئے فلیٹ میں چھوڑ گیا ہے۔ بھائی کے گھر میں بہن کے لئے ایک کمرہ ایک بستر تک نہیں ہے...... ہاہاہا...... کیوں بے وقوف بناتی ہو۔ ایک رات ہمیں بھی دے دو۔"

"گھٹیا آدمی، ہٹو میرے راستے سے۔" رانیہ شرم اور غصے سے انگارہ ہوتے ہوئے بولی تو

فلیٹوں میں رہنے والے ایک بزرگ کی آواز آئی۔

"اوئے ٹونی کے بچے تو نے پھر کیننگی شروع کردی، ہٹ پرے جانے دے بچی کو ورنہ تیرا سر پھاڑ دوں گا۔"

"او بزرگو! اللہ اللہ کیا کرو، ہر آنے جانے والے پر نظر نہ رکھا کرو۔" ٹونی جو رانیہ کو پریشان کر رہا تھا نے بزرگ کو دیکھتے ہوئے چڑ کر کہا اور رانیہ موقع غنیمت جانتے ہوئے تیزی سے اپنے فلیٹ کی طرف دوڑی، لاک کھول کر اندر آتے ہی لاک اچھی طرح لگا دیا۔

"یا اللہ! مجھے اس شیطان کے شر سے محفوظ رکھنا۔"

رانیہ نے بے اختیار یہ دُعا مانگی اور چادر اُتار کر وہیں صوفے پر رکھنے کے بعد کچن میں آ کر پانی پیا، وضو وہ مدحت نسیم کے گھر پر ہی کر چکی تھی اب عشاء کی نماز ادا کر کے سونا چاہتی تھی کیونکہ آج سارا دن اِدھر اُدھر مٹر گشت کرتے کرتے وہ خاصی تھک چکی تھی اور اس وقت تو مامون کا خیال بھی اس کے ذہن سے نکل گیا تھا۔ اس نے اپنے بیڈروم میں داخل ہو کر لائٹ آن کی تو کمرہ سفید روشنی سے بھر گیا اور اس کی آنکھیں حیرت سے...... مامون ضیاء اس کے بیڈ پر نیم دراز تھا۔ آسمانی رنگ کے شلوار قمیض میں وہ بہت نکھرا نکھرا لگ رہا تھا اور لائٹ آن ہوتے ہی اٹھ بیٹھا تھا۔

"تم!" رانیہ کو پہلے ہی غصہ چڑھا ہوا تھا مزید تپ کر بولی۔

"ہاں میں...... میں نے کہا تھا ناں کہ پھر بیڈروم میں ہی ملوں گا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا نظریں اس کے دھلے دھلے میک اَپ سے مبرا چہرے پر جمی تھیں۔

"تمہیں جرأت کیسے ہوئی میرے بیڈروم میں آنے کی اور میرے بیڈ پر لیٹنے کی؟" وہ غصے سے بولی تو وہ اٹھ کر اس کے قریب چلا آیا۔

"میں تمہارا شوہر ہوں، میرا حق ہے تمہاری ہر چیز پر اور تم پر۔" مامون نے مسکراتے ہوئے کہا اور اس کی ٹھوڑی کو چھوا تو اس نے رُخ پھیر لیا۔

"تمہیں تو شام کو آنا تھا۔" رانیہ نے کہا۔

"شام کو ہی آیا تھا لیکن تم جان بوجھ کر گھر کو لاک لگا کر غائب ہوگئیں کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد میں نے مدحت آپی کو فون کیا۔ انہوں نے مجھے اپنے گھر بلا لیا وہاں چائے وغیرہ پینے کے بعد میں ان سے تمہارے فلیٹ کی ڈوپلی کیٹ چابی لے کر یہاں آگیا۔ ویسے گھر اچھا سجایا ہے تم نے اپنا اصل گھر یقیناً تم اس سے زیادہ خوبصورت سجاؤ گی ہے ناں۔" مامون نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا وہ کچھ نہیں بولی چند لمحے اس کے بولنے کا انتظار کرنے کے بعد وہ خود ہی کہنے لگا۔

"تم تو کھانا کھا کر آئی ہو، میں نے بھی تمہارے کچن سے فریج سے ڈبل روٹی انڈے اور کباب نکال کر اپنی بھوک مٹالی تھی اب اگر تم اپنے ہاتھ کی بنی چائے پلا دو تو مزا آجائے۔"

"زہر نہ پلا دو۔" وہ غصے سے بولی۔

"جدائی کا زہر کیا کم تھا مجھے مارنے کے لئے ہوں۔" مامون نے سنجیدگی سے کہا تو وہ نظریں چرا کر جانے لگی۔

"کہاں جا رہی ہو؟"

"دوسرے بیڈروم میں سونے جا رہی ہوں بہت تھک گئی ہوں میں۔"

"تو میں ہوں ناں تمہاری تھکن دور کرنے کے لئے یہاں آؤ۔" مامون نے شوخ و شریر لہجے میں کہتے ہوئے اس کا بازو پکڑ کر اپنی طرف کھینچا تو وہ اس کے سینے سے آٹکرائی۔

"مون پلیز!" وہ بے ساختہ بولی اور اس کے دل کے تار ہلا گئی۔

مامون کی نگاہ اس کی کلائی میں موجود اپنے اس پیار بھرے تحفے پر پڑی جو اس نے نکاح کے بعد رونمائی کے طور پر اسے کنگن کی شکل میں پہنائے تھے۔ مامون کے دل و روح میں خوشی اور اطمینان کے پُھول کھلنے لگے۔ رانیہ کے دل میں اگر اس کے لئے گنجائش نہ ہوتی تو وہ اس کے اس تحفے کو اب تک اپنی کلائی سے کیوں لگائے رکھتی؟

"کب ختم ہوگی تمہاری یہ نفرت؟" مامون نے نرمی سے پوچھا۔

"کبھی نہیں۔"

"بُری بات ایسے نہیں کہتے۔" مامون نے بہت محبت سے کہتے ہوئے اسے اپنی بانہوں کے حصار میں لے لیا۔

"چھوڑو مجھے۔"

"اوں ہوں، تین برس کی تشنگی مٹانی ہے۔ کیسے چھوڑ دوں تمہیں، ہوں۔" وہ بہت بے خودی کے عالم میں بولتا اسے اپنی محبت کے حصار میں یوں لیتا چلا گیا اور اپنا حق استعمال کرتا چلا گیا کہ وہ ذرا سی بھی مزاحمت نہ کر سکی اور رانیہ جو اب تک اس رشتے کو ہی قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھی، مامون نے اسے اس رشتے کا حق استعمال کر کے اس سے ازدواجی تعلق استوار کر کے اسے بہت کچھ جتا دیا تھا، سمجھا دیا تھا، باور کرا دیا تھا۔

"ناشتہ ملے گا......" صبح وہ کچن میں مصروف تھی کہ مامون مسرور سا آ کر کہنے لگا۔

"نہیں!" رانیہ نے اس کی طرف دیکھے بنا خفگی سے جواب دیا۔

"خفا کیوں ہو؟" مامون نے پاس آکر اس کے گیلے بالوں کو چھوا۔

"زیادہ معصوم اور انجان بننے کی ضرورت نہیں ہے اچھا۔" رانیہ نے اسی لہجے میں کہتے ہوئے فریج میں سبزی کا شاپر نکالا وہ ہنس پڑا اور پھر پیار سے اسے سمجھانے لگا۔

"پگلی! اس میں خفا ہونے کی نہیں، خوش ہونے کی ضرورت ہے کہ تمہارا شوہر تم سے کتنی شدید محبت کرتا ہے۔ تمہاری تین برس کی بے رُخی اور جدائی کے باوجود تمہیں اپنے دل کے قریب محسوس کرتا ہے، تم پر جان چھڑکتا ہے۔"

"آپ جائیں یہاں سے۔" وہ چولہا جلاتے ہوئے بولی۔ وہ سچ ہی تو کہہ رہا تھا، رانیہ کا دل مان رہا تھا مگر دماغ الجھ رہا تھا۔

"میں اگر اب چلا گیا نا تو واپس کبھی نہیں آؤں گا، سوچ لو رانیہ، تم اگر ساری زندگی میرے نام سے جڑ کر رہنا چاہتی ہو تو دور کیوں رہو، میرے ساتھ میرے پاس، میرے قریب بھی رہ سکتی ہو نا...... کبھی اپنی آنکھیں بند کر کے محسوس کرنا تمہیں میں یہاں اس دل میں دھڑکتا ہوا محسوس ہوں گا۔"

مامون نے پیار سے کہتے ہوئے اس کے دل پر ہاتھ رکھا تو اس نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا، دل جیسے پورے بدن میں دھک دھک کر رہا تھا۔

رانیہ نے پراٹھے کے لئے توا چولہے پر رکھ دیا۔

"آپ نہیں بدل سکتے۔" رانیہ نے کہا۔

"تمہارے ساتھ تو میں واقعی کبھی نہیں بدل سکتا، ہمیشہ ایسا ہی رہوں گا پیار کا بادل بن کر۔" مامون نے اس کے شانے پر اپنی ٹھوڑی رکھ کر کہا۔

"کیا کر رہے ہیں خود بھی جلیں گے اور مجھے بھی جلائیں گے۔" رانیہ نے بری طرح بوکھلا گئی چیخ کر بولی۔

"تم بھی تو تین سال سے یہی کر رہی ہو، خود بھی جل رہی ہوں اور مجھے بھی جلا رہی ہو۔" مامون نے معنی خیز بات کہی وہ سلگ گئی۔

"ناشتہ کرنا ہے تو لاؤنج میں جا کر بیٹھیں اور اگر نہیں کرنا تو بھی جائیں مجھے بہت کام کرنا ہے ابھی۔" وہ تیز لہجے میں بولی۔

"تین سال بعد شوہر سے ملی ہو، شوہر گھر آیا ہے اور تم یہ کام پھیلا کر یہاں مصروف ہوگئیں۔ بڑے افسوس کی بات ہے اور جانتی ہو تین سال سے میں نے انڈہ پراٹھا ناشتے میں نہیں

کھایا، تمہارے ہاتھ کا ذائقہ نہیں بھلانا چاہتا تھا میں اس لئے کسی اور کے ہاتھ کا بنا پراٹھا بھی نہیں کھایا آج اپنے ہاتھوں سے وہی ناشتہ بنا کر کھلاؤ نا۔" مامون نے پیار بھرا شکوہ کرتے ہوئے کہا کوئی اور موقع ہوتا تو رانیہ اپنی خوش بختی پر رشک کرتی لیکن وہ مامون کو اپنی رسوائی کا ماں باپ کی موت کا ذمہ دار سمجھتی تھی، اس لئے اس کی پیار بھری باتیں اسے سچی اور حقیقی خوشی نہیں دے سکتی تھیں۔

"اچھا! تو آپ انڈہ پراٹھا نہ کھانے کے سبب سلم ہوئے ہیں میں سمجھتی تھی شاید......" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر فریج میں سے آٹا جو اس نے گوندھ کر رکھا تھا نکالنے لگی۔

"شاید نہیں...... یقیناً تمہاری جدائی کے غم میں گھل کر یہ حال ہوا ہے میرا، خیر اب تو تم مل گئی ہو نا میں تو خوشی سے ہی پھول جاؤں گا۔"

"ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے۔" رانیہ نے توجہ دلائی۔

"آؤ میرے ساتھ ناشتہ کرو۔"

"میں نے کر لیا ہے۔"

"ہمیشہ کی طرح دودھ کا ایک گلاس ہی پیا ہوگا۔" مامون نے کہا تو اس نے حیرت سے اسے دیکھا جو تین سال کی جدائی کے باوجود اس کی عادت سے واقف تھا۔ اس کی حیرت کو مامون نے بھی محسوس کر لیا تھا مسکراتے ہوئے کہنے لگا۔ "تمہاری ہر عادت، ادا پسند ناپسند مجھے آج بھی ازبر ہے لیکن کبھی کبھار روٹین سے ہٹ کر بھرپور ناشتہ کر لینا چاہئے اس سے کھوئی ہوئی توانائی بحال ہو جاتی ہے۔"

"آخر آپ چاہتے کیا ہیں؟"

"تین سال میں سب بھول گئیں کہ میں کیا چاہتا ہوں رانیہ! تم اپنی مرضی سے مجھے چھوڑ کر گئی تھیں ناں تم کیا جانو محبت کی جدائی کیسے جاں گسل اور قیامت خیز ہوتی ہے، کیسا کرب جھیلا ہے میں نے تمہارے غم میں، کتنا تڑپا، سسکتا اور بلکتا رہا ہوں میں تمہاری اس نفرت انگیز لاتعلقی اور دوری کے سبب، محبت تو میں نے کی تھی ناں تم سے، اس لئے سزا بھی مجھ کو ہی ملی ہے تم نے مجھ سے کب محبت کی تھی، کرتیں تو یوں جدا ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتیں۔ کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ اگر تمہارے دل میں میرے لئے کوئی سوفٹ کارنر نہیں تھا تو میرے نام پر ساری زندگی گزارنے کے لئے کیوں غائب ہو گئی تھیں تم؟ مجھ سے وہ نکاح کا بندھن توڑ کیوں نہ لیا تم نے تا کہ کسی اور شخص سے شادی کر کے اپنا گھر بسا سکو بولو؟" مامون نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوال کیا۔ ناشتہ ختم کر لیا تھا اُس نے۔

"میری زندگی میں ایک مرد نے کیا کم آفتیں اور مصیبتیں نازل کی ہیں جو میں کسی دوسرے مرد کو اپنی زندگی کا اختیار سونپنے کی حماقت کروں گی۔"

"آفتیں اور مصیبتیں نہیں چاہتیں اور محبتیں کہو۔" مامون نے مسکراتے ہوئے پیار سے کہا۔

"آپ جائیں یہاں سے۔" وہ جھلا کر بولی۔

"اب چلا گیا تو واپس کبھی نہیں آؤں گا۔"

"کیا مصیبت ہے؟" رانیہ نے الجھن آمیز نظروں سے اسے دیکھا اور اپنے کمرے میں چلی آئی چادر اُتار کر وارڈ روب میں رکھی اور خود کمرے میں ٹہلنے لگی۔

"رانیہ......تم غلط کر رہی ہو مامون کو دل سے اپنا لو اس لئے کہ تم ہمیشہ سے اس کی منتظر رہی ہو، جانے انجانے اس کا خیال تمہیں بے چین کرتا رہا ہے دل نے ہمیشہ اسے اپنے پاس دیکھنے کی خواہش کی ہے۔" غصہ اور غم، بدگمانی کا طوفان تھم گیا تو مامون اتنا بے ضرر، معصوم اور مخلص لگنے لگا کہ اس پر پیار آنے لگے۔ "ہاں میں نے ہمیشہ اس حقیقت کو، اس احساس اور جذبے کی موجودگی کو جس کو میں کوئی نام نہیں دے سکتی اسے ہمیشہ جھٹلایا ہے، نظریں چرائی ہیں مگر نظروں میں بسی مامون کی صورت کو میں اپنی تمام تر نفرت کے باوجود کبھی مٹا نہ سکی۔ شاید اس کی محبت کی شدت نے میری نفرت کی حدت کو ختم کر دیا ہے۔ تو کیا مجھے مامون کے ساتھ چلے جانا چاہئے مگر مامون کی ممی وہ مجھے کبھی قبول نہیں کریں گی اور اس کی وجہ بھی تو خود مامون ہی ہے جس کی وجہ سے میں محلے، خاندان اور شہر بھر میں آوارہ اور بدکردار کہلائی گئی، بدنام اور رسوا ہوئی، میں اپنی عزت کے اعتبار اور کردار کے قاتل کو کیسے معاف کر دوں؟ کیسے قبول کر لوں اسے؟ کیسے اپنی ساری زندگی اسے سونپ دوں؟ نہیں میں اسے معاف نہیں کروں گی۔" رانیہ خود سے سوال جواب کرتے ہوئے بولی اور پھر مامون کو کھری کھری سنانے کے ارادے سے کمرے سے باہر نکلی تو وہ جا چکا تھا۔

"چلا گیا ناراض ہو کر گیا ہے شاید میں نے کتنا دھتکارا ہے اسے، ذلیل کیا ہے، اس کے محبت بھرے ہاتھوں کو نفرت سے جھٹکا ہے، تین سال بعد وہ مجھے ڈھونڈتا ہوا آیا تو میں نے اب بھی اسے اپنی بے رُخی اور بے حسی سے ہرٹ کیا ہے یہاں سے چلے جانے کے لئے کہا ہے۔ اتنی ناقدری اور تذلیل کے بعد یقیناً اب وہ یہاں میرے پاس آنے کی ہمت بھی نہیں کر سکے گا، لیکن میرا دل کیوں رو رہا ہے؟"

وہ سوچتی الجھتی بالکونی کی طرف آئی، نیچے دیکھا مامون کہیں نظر نہیں آیا پھر دروازہ کھول کر باہر نکلی تو سیڑھیوں میں ٹونی اور اس کے دوست خالد کو کھڑا دیکھ کر رک گئی۔ ان دونوں نے اسے

دیکھ کر سیٹیاں بجائیں۔

"وہ ہیرو تو چلا گیا ہے کہو تو ہم آجائیں دل بہلانے کو۔" ٹونی نے بے حیائی سے کہا تو وہ اس پر نفرت بھری نگاہ ڈال کر واپس اپنے فلیٹ میں آگئی اور دروازہ لاک کر لیا۔

"یہ کمینے تو میرے پیچھے ہی پڑ گئے ہیں، میں کیا کروں کہاں جاؤں؟" وہ پریشانی سے باآواز بول رہی تھی۔

"اپنے حقیقی شوہر کے پاس جاؤ وہی تمہارا اصل محافظ اور حقیقی پناہ گاہ ہے۔ عورت مرد کے بغیر اس معاشرے میں اکیلی نہیں جی سکتی۔ ٹونی اور خالد جیسے مرد اکیلی عورت کا جینا حرام کر دیتے ہیں اور اکیلی عورت اور لڑکی تو کٹی ہوئی پتنگ کی طرح ہوتی ہے جسے ہر کوئی لوٹنے کو دوڑتا ہے۔ تم کب تک ان آوارہ لڑکوں سے بچ سکو گی اگر کسی رات تمہارے گھر میں انہوں نے نقب لگالی تو جو عزت تم ابھی تک بچاتی آئی ہو وہ بھی لُٹا بیٹھو گی، پھر تو تمہارے جینے کا بھی کوئی جواز، کوئی راستہ باقی نہیں بچے گا۔ کب تک دوسروں کے رویوں کے سبب اپنی زندگی کو ذلت و رسوائی کے حوالے کرتی رہو گی؟" رانیہ کے دماغ نے اسے سمجھایا، ضمیر نے حقیقت کا رنگ دکھایا تو وہ پریشان ہو گئی۔

"یا اللہ! میں کیا کروں، میری مدد اور رہنمائی فرما، مجھے سیدھا اور صحیح راستہ دکھا۔" رانیہ نے روتے ہوئے دُعا مانگی۔

اگلے دن پہلا روزہ تھا، رانیہ نے پورے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز روزے اور عبادت کا اہتمام کیا اور اپنے لئے اپنے بہتر اور خوشگوار مستقبل کے لئے دعائیں مانگیں۔ رمضان کی وجہ سے اسکول میں ساڑھے بارہ بجے ہی چھٹی ہو جاتی تھی اسے مدحت نسیم ہی اسکول پک اور ڈراپ کرتی تھیں۔ کئی روز سے ٹونی اور خالد بھی اسے کہیں نظر نہیں آئے تھے تو اس نے مطمئن ہو کر سوچا۔

"شکر ہے کہ رمضان میں شیطان باندھ دیئے جاتے ہیں۔"

پندرہ روزے خیریت سے گزر گئے۔ رانیہ کو محلے کے ان بزرگ صوفی صاحب سے معلوم ہوا کہ ٹونی اور خالد کا ون ویلنگ کرتے ہوئے ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا اور وہ اب تک ہسپتال میں زیر علاج ہیں۔ رانیہ نے یہ سن کر خدا سے ان کی ہدایت کی دُعا کی تھی۔

"آج بیسواں روزہ تھا۔ رانیہ اور مدحت نسیم عید کی شاپنگ کرنے نکلی تھیں، مدحت نسیم تو کپڑے، جوتے وغیرہ سب گھر والوں کے لئے خرید چکی تھیں صرف جیولری وغیرہ خریدنے کا ارادہ تھا ان کا اصل مقصد تو رانیہ کو عید کی شاپنگ کے لئے لانا تھا جس نے ابھی تک کچھ نہیں خریدا تھا۔ نجانے کیوں اس کا دل بُجھا بُجھا سا تھا۔ اسے مامون رہ رہ کر یاد آرہا تھا اور وہ یہ ماننے سے انکاری تھی کہ

اسے مامون سے محبت ہوگئی۔ بے قراری سی تھی۔ اسے آج کل یہ احساس شدت سے بے چین کئے رکھتا تھا کہ اس نے مامون ضیاء کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے اسے بہت ہرٹ کیا ہے، اس کی بہت ہتک کی ہے اور ناحق کی ہے، غلط کیا ہے اس کے ساتھ۔"

"رانیہ یہ تم ہی ہو نا۔" رانیہ اپنے لئے جوتے پسند کررہی تھی تب ایک مانوس سی آواز اس کے کان میں پڑی تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا وہ رومانہ تھی اس کی کزن، دوست اور کلاس فیلو، رخسانہ مجید کی چھوٹی بیٹی۔

"رومانہ تم!" رانیہ خوشی سے مسکراتے ہوئے اٹھ کر اس سے گلے لگ گئی۔

"کہاں چلی گئی تھیں تم، مامون بھائی تمہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گئے، کتنے دکھی اور آزردہ ہوگئے تھے وہ تمہارے یوں چلے جانے سے۔" رومانہ نے بھیگتی آواز میں کہا تو وہ اس سے الگ ہو کر سنجیدگی سے بولی۔

"مامون نے میرے وہاں رہنے کے لئے چھوڑا ہی کیا تھا؟"

"میرا خیال ہے کہ ہم سامنے اس پارک میں بیٹھ کر بات کریں تو زیادہ مناسب ہے۔" مدحت تسیم نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا تو دونوں نے ان کی بات کی تائید کی اور ان کے ساتھ چلتی ہوئی پارک میں آگئیں۔

"رانیہ، تم بہت بڑی سازش اور غلط فہمی کا شکار ہوگئی تھیں اور مجھے بہت شرمندگی اور افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے تم نے اپنی زندگی کے تین قیمتی اور خوبصورت برس ضائع کردیئے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا تو کیا میں مامون کو دل سے قبول کرلیتی جو میری عزت کا قاتل اور میرے ماں باپ کی موت کا ذمے دار ہے؟" رانیہ نے رومانہ کی بات سن کر تلخی سے کہا مگر دل میں دہائی مچ گئی تھی وہ تو اب مامون کو مجرم ماننے کو تیار ہی نہ تھا۔

"رانیہ! تمہارا مجرم مامون ضیا نہیں ہے بلکہ تمہاری ممانی اور میری ماں ہے۔"

"کیا؟" رانیہ کا سر چکرا گیا۔

"ہاں رانیہ یہ سب امی نے تمہارے ساتھ کیا تھا۔ مامون بھائی بہت معصوم ہیں، بے گناہ ہیں، وہ تو بہت مخلص تھے تمہارے ساتھ امی نے......"

رومانہ اسے دھیرے دھیرے الف سے ی تک ساری حقیقت بتاتی چلی گئی۔ جسے سننے کے بعد رانیہ اپنا دل تھام کر بینچ پر ڈھے گئی اور روتے ہوئے بولی۔

"او میرے خدایا! یہ میں نے کیا کیا، ایک مخلص انسان کو ہرٹ کیا، دکھی، پریشان اور

آزردہ کیا، رد کیا۔ یا اللہ! یہ مجھ سے کیا ہوگیا۔ میں نے مامون کو...... اب بھی ٹھکرا دیا اب جب کہ وہ مجھ تک پہنچ گئے تھے...... وہ پھر نہیں آئے۔"

"رانیہ! تم مامون بھائی کے پاس لوٹ جاؤ، وہ آج بھی تمہارے منتظر ہیں۔ امی نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا تھا اس کی انہیں کافی سزا مل چکی ہے، دونوں بھائیوں نے اپنی پسند کی لڑکیوں سے شادیاں کرلیں، شبانہ آپی کی شادی انور صغیر سے امی نے کرائی تھی لیکن وہ تصویر انور بھائی نے میرے البم میں دیکھ لی تھی اور جب انہیں حقیقت معلوم ہوئی تو انہیں بہت دکھ ہوا کہ وہ امی کی باتوں میں آکر تمہیں گنوا بیٹھے۔ انہوں نے شبانہ آپی کو طلاق دے دی تھی۔ شبانہ نے اپنے کلاس فیلو سے کورٹ میرج کرلی اور مجھے ابو نے اپنے ایک دوست کے بیٹے عاصم سے بیاہ دیا۔ تین ماہ ہوئے ہیں میری شادی کو میرے شوہر بہت اچھے ہیں۔ وہ سب کچھ جانتے ہیں۔ اس لئے مجھے میکے زیادہ نہیں جانے دیتے کہ کہیں امی مجھے الٹی سیدھی پٹی نہ پڑھا کر بھیجیں۔ اب تو امی رو رو کر خدا سے معافی مانگتی ہیں ابو اور شبانہ آپی انہیں طعنے دیتے رہتے ہیں۔ امی کو تمہاری بہت شدت سے تلاش ہے وہ تم سے معافی مانگنا چاہتی ہیں۔ پلیز رانیہ اپنا گھر بسالو مامون بھائی کو اپنا لو، وہ بہت عظیم انسان ہیں۔ ساری دنیا نے تمہیں بُرا کہا اور سمجھا مگر وہ آج تک تمہیں پاکیزہ کردار کی مالک سمجھتے ہیں۔ انہوں نے انور صغیر کی طرح ان تصویروں پر اعتبار نہیں کیا۔ ان کی ممی کو بھی امی نے ہی تمہارے خلاف بھڑکایا تھا ورنہ وہ تو تمہارا رشتہ مانگنے آرہی تھیں۔" رومانہ مزید انکشافات کررہی تھی۔

"میں تو پہلے ہی مامون کو انکار کو چکی تھی ممانی نے کیوں کیا ایسا۔ کیا شبانہ آپی کو انور صغیر سے اچھا رشتہ نہ مل پاتا۔ ویسے ہی وہ کہتیں تو میں انکار کردیتی اس رشتے سے بھی...... مجھے بدنام تو نہ کیا ہوتا۔" رانیہ نے روتے ہوئے بولی۔

"رانیہ پلیز امی کو معاف کردو۔" رومانہ نے روتے ہوئے کہا، مدحت تسیم بینچ پر بیٹھی ساری باتیں سن رہی تھیں۔ انہیں دکھ بھی ہو رہا تھا کہ رانیہ کی سگی ممانی نے اس کے ساتھ اتنا بُرا سلوک کیا تھا لیکن خوشی انہیں اس بات کی تھی کہ رانیہ کو مامون کے متعلق جو بدگمانیاں تھیں وہ اب دور ہوگئی تھیں۔

"میں انہیں صرف اسی صورت میں معاف کرسکوں گی جب وہ اپنی اس گھٹیا حرکت کا اعتراف پورے خاندان کے سامنے کریں گی۔ جن جن لوگوں میں انہوں نے مجھے رُسوا کیا تھا انہیں وہ یقین دلائیں کہ رانیہ باکردار اور بے قصور تھی۔ تب میں انہیں معاف کروں گی۔" رانیہ نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

''رانیہ! خاندان اور محلے والوں کو حقیقت معلوم ہو چکی ہے وہ سب بھی امی کو بہت کوستے ہیں، بُرا بھلا کہتے ہیں۔ سب اپنے روّیوں پر نادم ہیں، پلیز ہم سب کو معاف کردو اور واپس چلو۔'' رومانہ نے اس کا ہاتھ تھام کر منت بھرے لہجے میں کہا۔

''میں تو تم سب کو معاف کردوں گی، ٹھیک ہے میں نے معاف کیا تم سب کو معاف کیا...... لیکن کیا میرا شوہر مامون ضیاء مجھے معاف کرسکے گا، میں نے اس کے ساتھ کبھی اچھا سلوک نہیں کیا۔ میں تو اس سے نظر ملا کر بات کرنے کے قابل بھی نہیں رہی...... ہمیشہ اپنی ہی سناتی رہی، کبھی اس کی سنی ہی نہیں۔'' رانیہ! اب احساس ندامت اور احساس جرم سے چُور ہو چکی تھی۔ دکھ سے بھیگتی آواز میں بولی تو رومانہ نے کہا۔

''وہ پیار کرتے ہیں تم سے، تمہیں ضرور معاف کردیں گے۔''

''ملیں گے تو معاف کریں گے ناں۔'' رانیہ روتی ہوئی بولی اور مدحت تسیم کی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔

''یہ میرا فون نمبر اور ایڈریس رانیہ کو دیجئے گا۔''

رومانہ نے اپنے سسرال کا پتہ وغیرہ ایک چٹ پر لکھ کر مدحت تسیم کو دے دیا۔ انہوں نے بھی پرس میں سے اپنا کارڈ نکال کر اسے تھما دیا اور دونوں اپنی اپنی راہ کو چل دیں۔

مدحت تسیم اس وقت رانیہ کو اکیلے میں سوچنے سمجھنے کا موقع دینا چاہتی تھیں اس لئے اس کی ابتر ہوتی حالت کے باوجود اسے اس کے فلیٹ پر چھوڑ کر چلی گئیں۔ رانیہ اپنے بیڈ روم میں آکر اس بری طرح روئی کہ در و دیوار ہل گئے۔ اُسے محبت کے کھو جانے کا غم مارے ڈال رہا تھا۔ دل سے بدگمانی کے بادل چھٹے تو مامون کی صورت پوری آب و تاب کے ساتھ جگمگانے لگی، روح بے کل و بے قرار تھی۔ اسے آج اپنے اندر موجود مامون کی محبت کا شدت سے احساس ہو رہا تھا۔ وہ اس کے پہنائے ہوئے کنگن ہونٹوں سے لگا کر رو رہی تھی۔ اس کو قدم قدم پر ٹھکرایا تھا اس نے، اس کے محبت سے اپنی طرف بڑھتے ہاتھوں کو نفرت سے جھٹکا تھا۔ اس کے حقوق تک ادا نہیں کئے تھے۔ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گواہ بنا کر جو رشتہ اس سے جوڑا تھا اسے دل سے قبول کرنے سے انکار کرتی رہی تھی۔ وہ تو اپنی محبت اور اس کی ماں کی وصیت آج تک نبھا رہا تھا۔ اس نے اللہ کو بھی ناراض کیا تھا شوہر کے حقوق پورے نہ کرکے، اس کی ماں نے تو اسے رخصت کیا تھا مامون کے ساتھ اور وہ شوہر کو نظر انداز کرکے گناہ کی مرتکب ہوئی تھی۔ لعنت ملامت اپنے حصے میں لکھوائی تھی فرشتوں کی...... رانیہ کو اپنا ہر رویہ اور مامون کا ہر عمل یاد آرہا تھا اور اسے اپنے آپ پر غصہ آرہا تھا۔

شرم محسوس ہو رہی تھی کہ وہ اتنی سنگدل، بے رحم اور بری کیسے بن گئی تھی کہ اتنے نفیس اور مخلص انسان کی محبت کو اس کے جذبے کی سچائی تک کو نہ پہچان سکی۔ رانیہ کو جہاں اپنے رویے اور سلوک کی بد صورتی پر ملال تھا وہاں یہ فخر بھی محسوس ہو رہا تھا کہ وہ ایک عظیم محبت اور عزت کرنے والے شخص کی محبت ہے، اس کی شریک حیات ہے، دنیا میں مامون جیسا شاید ہی کوئی مرد ہوگا جو اپنی محبت پر اپنی جیون ساتھی پر اس قدر اندھا اور گہرا اعتبار اور یقین کرتا ہوگا۔ رانیہ کو یہ احساس خوشی سے ہمکنار کر رہا تھا اور مامون کا دل دکھانے کا گناہ شرمندگی سے دوچار کر رہا تھا

''مامون پلیز مجھے معاف کردیں۔ پلیز لوٹ آئیں میرے پاس، میرے دل میں آپ کے سوا کبھی کوئی نہیں رہا، جبھی تو میں نے آپ کا نام اپنے نام سے جڑا رہنے دیا۔ میں نہیں مانتی تھی لیکن آج مان رہی ہوں میں آپ سے محبت کرتی ہوں شدید محبت۔ بس ایک بار آجائیں پھر میں معافی مانگ لوں گی۔ پلیز...... میں بہت بُری ہوں......'' رانیہ نے روتے ہوئے کہا اور نجانے کب تک روتے روتے بالآخر وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

اگلے دو دن تک وہ بخار میں سلگتی رہی، احساسِ جرم اور احساسِ ندامت اسے کسی پل چین نہیں لینے دے رہا تھا۔ مدحت تسیم اور ان کے شوہر ذاکر صمدانی ڈاکٹر کو لے کر آئے اس کا چیک اَپ کرایا دوائیں لا کردیں۔ مدحت تسیم کو اس کی بیماری کا سبب معلوم تھا اپنے شوہر کو بھی وہ ساری بات بتا چکی تھیں۔ انہوں نے مامون سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی حالانکہ مامون اب اسلام آباد میں ہی کمپنی آفس سیٹ کرنے کے بعد نئے گھر میں شفٹ ہو گیا تھا جو اسے کمپنی کی طرف سے ہی دیا گیا۔ مدحت تسیم چاہتی تھیں کہ اب رانیہ خود مامون سے رابطہ کرے، اُسے بُلائے، اُسے منائے اور اس کے ساتھ ہنسی خوشی اپنے گھر چلی جائے...... اسکول عید کی چھٹیوں کی وجہ سے بند ہو چکا تھا۔ رانیہ نے گھر کو صاف ستھرا رکھا ہوا تھا۔ عید کی تیاریوں میں اس بار تو اس کا دل بالکل بھی نہیں لگ رہا تھا۔ وہ روزے رکھ رہی تھی اور نماز میں رو رو کر اللہ سے مامون کے ساتھ روا رکھے گئے اپنے سلوک پر معافی مانگتی۔ اس کے ساتھ کی، اس کے پیار، اعتبار کی دعائیں مانگتی۔ آج انتیسواں روزہ تھا۔ مدحت تسیم اور ذاکر صمدانی دوپہر اسے گھر آکر اپنا سامان پیک کرنے کا کہہ گئے تھے۔ چاند نظر آنے کی صورت میں وہ اسے اپنے گھر عید منانے کے لئے جانا چاہتے تھے۔ ان تین برسوں میں جتنی بھی عیدیں آئی تھیں رانیہ نے ان کی فیملی کے سنگ ہی منائی تھیں اور آج رانیہ سوچ رہی تھی کہ اگر مدحت تسیم نہ ہوتیں تو وہ کس کے پاس اپنا گھر اور شہر چھوڑ کر آتی، وہ اتنی شفیق اور مہربان نہ ہوتیں تو یہ تین برس وہ کیسے اتنے سکون سے گزار سکتی تھی۔ انہوں نے اسے سگی بہن کی طرح رکھا تھا۔ اسے گھر کا

تحفظ، بہن کا پیار، دوست کی محبت اور راز داری کے قابل بنایا تھا۔ وہ جب تک ان کے ساتھ رہ رہی تھی اسے کوئی فکر نہیں تھی وہ فلیٹ میں اکیلی آ کر رہنے لگی تو تب اسے عدم تحفظ اور اکیلے پن کا، عزت کا خوف لاحق ہوگیا تھا۔ وہ مدحت تسیم، ذاکر صمدانی اور فرحت تسیم کی بے حد ممنون اور احسان مند تھی کہ جن کی محبتوں، عنایتوں اور شفقتوں کے طفیل آج اس کی جان اور آن سلامت تھی ان سب کے لئے رانیہ کے دل سے دعائیں نکلتی تھیں...... رانیہ نے اپنا ضروری سامان ایک سوٹ کیس میں پیک کرنے کے بعد شیر خورمہ اور چکن قورمہ تیار کرلیا، شامی کباب فریزر میں موجود تھے، وہ خالی ہاتھ مدحت تسیم کے گھر نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس لئے اپنے ہاتھ سے عید کے پکوان پکا کر لے جا رہی تھی۔

روزہ کھلنے میں ایک گھنٹہ باقی تھا۔ وہ نہا کر تیار ہوگئی، سفید شلوار اور لیمن کلر کی قمیض دوپٹے جس پر سفید لیس دھاگے اور موتیوں کا نفیس کام کیا ہوا تھا میں وہ بغیر میک اَپ کے بے حد جاذب نظر اور دلنشین دکھائی دے رہی تھی۔ گیلے بالوں کو ہیئر بینڈ میں بیک کومب کر کے کھلا چھوڑنے کے بعد وہ چاند دیکھنے کے خیال سے بالکونی میں آ کھڑی ہوئی۔ اس کی نگاہ آسمان پر تھی۔ اسی وقت مغرب کی اذان شروع ہوگئی اور روزہ کھلنے کا سائرن بجنا شروع ہوا تو وہ پلٹنے لگی اور نگاہ نیچے سڑک پر کھڑے ٹونی اور خالد پر پڑ گئی۔ وہ دونوں شیطان بھی اسی کو دیکھ رہے تھے۔ اس کی نظر پڑتے ہی ماتھے تک ہاتھ لے جا کر سلام کیا تھا۔

"یہ تو واقعی شیطان ہیں جو رمضان کا بابرکت مہینہ ختم ہوتے ہی پھر سے کھل گئے ہیں۔ ہسپتال میں پٹیوں میں جکڑے پڑے تھے عین عید پر رسیاں تڑوا کر آ گئے ہیں...... خیر مجھے کیا میں نے کونسا یہاں عید منانی ہے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹے تک ذاکر بھائی مجھے آ کر لے جائیں گے۔" رانیہ نے اندر آتے آتے سوچا اور روزہ افطار کر کے مغرب کی نماز ادا کی، ماموں کی واپسی کی دل میں دعا مانگی۔ نماز سے فارغ ہو کر کچن کا سامان سمیٹ دیا۔ اسی وقت ڈور بیل بج گئی۔

"ذاکر بھائی اور مدحت آپی ہوں گے۔" رانیہ نے یہی سوچ کر بنا پوچھے دروازہ کھول دیا مگر نگاہوں کے سامنے برابر والے فلیٹ کی مسز اسلم، سامنے والے فلیٹ کی مسز طفیل اور ان کے پیچھے ان کے شوہر اور ٹونی اور خالد بڑے سازشی انداز میں مسکرا رہے تھے۔

"جی فرمایئے!" رانیہ نے حیرانگی سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا پہلے تو وہ کبھی نہیں آئے تھے۔ اس کے فلیٹ میں اسے دیکھ کر آپس میں کھسر پھسر ضرور کرتے تھے یہ لوگ لیکن رانیہ نظر انداز کر جایا کرتی تھی۔

"عید کا چاند نظر آ گیا ہے لیکن تم یہ مت سمجھنا کہ ہم تمہیں عید کے چاند کی مبارکباد دینے

کے لئے آئے ہیں۔" مسز اسلم نے تکبر سے کہا اور اسے پرے ہٹاتے ہوئے اندر داخل ہوگئیں۔ باقی سب نے بھی ان کی پیروی کی۔

"تم دونوں میرے گھر میں قدم رکھنے کے لائق نہیں ہو باہر نکلو یہاں سے۔" رانیہ نے ٹونی اور خالد کو دیکھتے ہوئے غصے سے کہا۔

"پہلے انہیں تو باہر نکالو جنہیں اندر چھپا رکھا ہے عید پر یہاں کون سا کھیل کھیلنے کا ارادہ ہے کس کس کو چاند رات میں بُلا رکھا ہے۔" ٹونی نے کمینگی سے مسکراتے ہوئے کہا تو رانیہ کا خون کھول اٹھا۔

"تم جیسے خود گھٹیا اور کمینے ہو ویسی ہی تمہاری سوچ ہے اور ویسا ہی تم دوسروں کو بھی سمجھتے ہو، یہاں میں اکیلی رہتی ہوں، یہ بات پوری بلڈنگ کو معلوم ہے۔" رانیہ نے غصے سے کہا۔

"لڑکی ہماری بلڈنگ شریفوں کی بلڈنگ ہے، یہاں کوئی جوان لڑکی اکیلی کسی فلیٹ میں نہیں رہتی اور اس سے آئے دن مرد بھی ملنے نہیں آتے، ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کیسے جوان مرد یہاں آتے ہیں، ایک تو مجھے اچھی طرح یاد ہے مہینہ بھر پہلے یہاں رات گزار کے گیا تھا بلکہ دن بھر یہیں تھا۔ وہ تو کئی بار یہاں نظر آیا ہے۔" مسز طفیل نے عامیانہ لہجے میں کہا تو رانیہ سمجھ گئی کہ ان کا اشارہ ماموں کی طرف ہے۔ وہ ان لوگوں کی سوچ پر تانک جھانک پر حیران تھی کہ کس طرح وہ اسے اور اس کے گھر کو نگاہوں میں رکھے ہوئے تھے۔ وہ ان کی سوچ پر رویے پر شرم سے زمین میں گڑی جا رہی تھی۔ آج اس لمحے اسے پوری شدت سے اپنے لڑکی اور وہ بھی اکیلی لڑکی ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔

"ہم نے بھی دیکھا ہے نت نئے جوان آتے ہیں تمہارے فلیٹ پر تمہارا کردار مشکوک ہے لڑکی۔" مسز طفیل نے کہا۔

"ہاں اور ہم اکیلی لڑکی کو اپنی بلڈنگ میں یہ گُل کھلانے کی اجازت نہیں دیں گے۔" مسٹر اسلم نے بھی زبان کھولی۔

"ہمیں تو غصے اور نفرت سے دھتکارتی ہے نیک پارسا بن کر دکھاتی ہے اور....." ٹونی نے کہا۔

"بکواس بند کرو۔" رانیہ غصے سے چلائی اسے تین سال پہلے والی منگنی کی شام یاد آ رہی تھی تب بھی وہ بے قصور ہوتے ہوئے مجرم قرار دے دی گئی تھی، رسوا اور بدنام کر دی گئی تھی اور اب بھی وہ بے گناہ، بے قصور تھی اور اس کے کردار پر کیچڑ اُچھالی جا رہی تھی۔

"آج تو فیصلہ ہوگا۔" خالد نے کمینگی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یا اللہ! میری مدد فرما۔" رانیہ نے دل میں دُعا مانگی اور اس کی دُعا کی قبولیت کا وقت تھا شاید کہ ماموں نے اس وقت دروازے سے اندر قدم رکھا۔

"کیا ثبوت ہے تمہارے پاس اپنے الزامات کا؟" رانیہ نے سپاٹ لہجے میں پوچھا تو ٹونی اور خالد کی نظر ماموں ضیاء پر پڑ گئی۔

"ثبوت...... لو جی ثبوت تو خود ہی چل کر آ گیا ہے۔" ٹونی نے ماموں کو دیکھتے ہوئے فاتحانہ انداز میں جواب دیا۔

"ماموں......" رانیہ نے ماموں کو دیکھا تو اس کی جان میں جان آ گئی۔ اسے جلتی دھوپ میں سائبان کا احساس ہونے لگا۔ اسے ایک دم سے یوں لگا جیسے وہ کسی مضبوط قلعے کے حصار میں آ گئی ہے۔

"ہاں ہاں یہ لڑکا ہے، میں نے خود دیکھا تھا دن رات یہاں گزار کر گیا تھا۔" مسز طفیل نے بھی اسے دیکھتے ہی کہا۔ ماموں پل بھر میں ساری صورتحال بھانپ گیا تھا اور رانیہ کی زرد پڑتی رنگت دیکھ کر اسے بے کلی اور بے چینی نے گھیر لیا تھا۔

"اگر ایک شوہر اپنی بیوی کے ساتھ رات گزار کر جاتا ہے تو آپ کو کیا تکلیف ہے بولئے۔" ماموں نے ان سب کو بالخصوص مسز طفیل کو دیکھتے ہوئے غصیلے لہجے میں سوال کیا تو سب کو دھچکا لگا۔

"بیوی...... یہ لڑکی تمہاری بیوی ہے۔" مسز اسلم نے کہا۔

"جی ہاں! یہ لڑکی میری بیوی ہے، آپ لوگوں کو آپ کے مردوں کو جرأت کیسے ہوئی اسے اکیلی لڑکی سمجھ کر پریشان کرنے کی، یہ کوئی لاوارث نہیں ہے اس کے وارث زندہ ہیں، ابھی تین ماہ کے لئے اگر اسے یہاں رہنا پڑ گیا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ اکیلی ہے۔ ہمارا نیا گھر بن چکا ہے اور خواتین آپ دوسروں کے گھروں میں جھانکنے کی بجائے اپنے اپنے گھر کی اور شوہروں کی فکر کریں جو باہر دوسری لڑکیوں کے ساتھ راہ و رسم بڑھاتے ہیں اور یہاں نیک پارسا بن کر اکیلی لڑکی پر الزام دھرنے میں بھی پیش پیش نظر آ رہے ہیں۔" ماموں نے بہت تیز اور غصیلے لہجے میں کہا۔

رانیہ کو تو جیسے سکتہ ہو گیا تھا وہ تو بس ممنونیت کے احساس کے تحت ماموں کو پیار بھری نظروں سے دیکھے جا رہی تھی۔ جو آج بھی اس کی پاکیزگی کی گواہی بن کر آ گیا تھا۔ اسے اپنے قسمت پر رشک آ رہا تھا وہ دل میں اللہ کا شکر ادا کر رہی تھی۔ ماموں کی واپسی پر اس کے حضور سجدہ ریز تھا رانیہ کا دل۔

"طفیل یہ لڑکا کیا کہہ رہا ہے تم باہر کسی لڑکی کے ساتھ پھرتے ہو؟" مسز طفیل نے اپنے شوہر کو کڑے تیوروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"میں بتاتا ہوں یہ اپنی کولیگ کو محبت کے جال میں پھنسا رہے ہیں اس سے کہتے ہیں کہ میری بیوی پاگل ہے، موٹی ہے اور اس کی عقل بھی موٹی ہے اور وہ نفسیاتی مریضہ ہے میں نے خدا ترسی کے لئے اسے اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے کیوں طفیل صاحب یہی کہتے ہیں ناں آپ اپنی کولیگ نائلہ سے؟" ماموں نے سب کے متعلق معلومات اکٹھی کر لی تھیں اب سب کے کارنامے ان کے سامنے پیش کر رہا تھا۔

"جھوٹا ہے یہ۔" مسٹر طفیل ٹپٹا کر بولے۔

"تو نائلہ سے بات کر لیتے ہیں۔" ماموں نے کہا۔

"تم تو گھر چلو ذرا گھٹیا آدمی تم نے مجھے پاگل اور نفسیاتی مریضہ کہا میرے بھائی تمہارا قیمہ بنا دیں گے۔ چلو تم۔" مسز طفیل غصے سے لال پیلی ہوتی مسٹر طفیل کو کھینچتی ہوئی لے گئیں تو مسٹر اسلم بھی کھسیا کر نکلنے لگے۔

"مسٹر اسلم، آپ نے تو اپنی ساتھی ورکرز کو یہ بتا رکھا ہے کہ آپ کنوارے ہیں اور افشاں کو آپ شیشے میں اتارنے میں کامیاب بھی ہو گئے تھے مگر آپ کو یہ سن کر افسوس ہوگا کہ میں نے اسے آپ کی اصلیت بتا دی ہے۔" ماموں نے مسکراتے ہوئے اسلم سے کہا۔

"بھیا! معاف کرنا میں ان کمینوں کی باتوں میں آ گئی تھی، یہ ٹونی اور خالد تو نرے شیطان ہیں مجھے بہکا دیا اور اسلم تم تو گھر چلو ذرا تمہارے تین بچے ہیں تمہاری محبوباؤں کو منہ دکھائی میں دوں گی۔ اب چلو بے ایمان آدمی۔" مسز اسلم نے ماموں سے معذرت کرنے کے بعد اپنے شوہر کو باہر دھکیلا تو ماموں نے ٹونی اور خالد کو گھورا۔

"تم دونوں نے اپنے ایکسیڈنٹ سے کوئی سبق نہیں سیکھا نئی زندگی اللہ نے دی ہے تو اسے اچھے اور نیک کاموں میں صرف کرنے کی بجائے تم اب بھی اپنی آوارگی کا ثبوت دے رہے ہو۔ شرم سے ڈوب مرو، تمہارا ایک ایک کرتوت پولیس ریکارڈ میں محفوظ ہو گیا ہے۔ سدھر جاؤ ورنہ پولیس تم جیسوں کو سدھارنا خوب جانتی ہے اور تم دونوں کے لئے تو میں اکیلا ہی کافی ہوں۔ دفعہ ہو جاؤ یہاں سے آئندہ اگر میری بیوی یا کسی بھی لڑکی کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا تو تم دونوں کی آنکھیں نکال کر کتوں کو کھلا دوں گا۔ تم ہر وقت پولیس کی نظروں میں رہو گے۔ بولو یہ عید حوالات میں گزارنا پسند کرو گے یا......"

"ہمیں معاف کر دیں۔" دونوں نے ڈر کر ایک ساتھ کہا۔

"دفعہ ہو جاؤ یہاں سے تمہارے ماں باپ کے پاس پولیس موجود ہے ان کے سامنے جا کر اپنی حرکتوں سے توبہ کرنے کا عہد کرو ورنہ....." مامون کی بات پوری نہیں ہوئی تھی وہ دونوں "ٹھیک ہے" کہہ کر تیزی سے وہاں سے بھاگ نکلے۔ مامون نے رانیہ کی طرف دیکھا جو اسی حالت میں کھڑی تھی جو تین سال پہلے مامون کی ہوگئی تھی۔ مامون کو اپنی جانب دیکھتا پا کر مارے شرمندگی کے وہ رُخ پھیر کر کھڑی ہوگئی۔ مامون نے گہرا سانس لبوں سے خارج کیا اور دروازہ لاک کر دیا۔

"رانیہ!" مامون نے اس کے قریب آ کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر مدھم آواز میں پکارا اور پھر اس کا رُخ اپنی جانب موڑ لیا۔ رانیہ کا چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ وہ بے قرار ہوگیا۔ رانیہ نے اشک بہاتی آنکھوں سے اپنے خلوص، بے ریا اور محبوب شوہر کا چہرہ دیکھا اور پھر اپنا ضبط ہار گئی اور اس کے سینے میں اپنا چہرہ چھپا کر بلک بلک کر رونے لگی۔ مامون تو اس کی اس حرکت پر حیران ہوا تھا بھلا وہ کب اسے اپنے قرب کے قابل سمجھتی تھی اور اب خود ہی اس کی پناہوں میں آگئی تھی۔ اس نے بھی اسے اپنی بانہوں کے حلقے میں لے کر اپنی محبت اور حفاظت کا احساس دلایا۔ وہ بری طرح رو رہی تھی جیسے تین برس کے آنسو اس نے بچا کے رکھے ہوں اور آج انہیں اس کے دامن میں سمونے کی ٹھانی ہو۔

"بس رانیہ کچھ نہیں ہوگا تمہیں، میں ہوں ناں۔ خدا کے بعد تمہارا محافظ، تمہارا حصار.....ہوں..... بس شاباش حوصلہ کرو..... یہ سب بزدل اور چھوٹے لوگ تھے تم ان سے ڈر گئیں، تم تو بہت بہادر ہو بڑی ہمت والی ہو۔ پگلی، میرے ہوتے ہوئے تمہارا کوئی بال بیکا نہیں کر سکتا۔ میں تم سے بے خبر تھوڑی تھا، ان لوگوں کے متعلق انفارمیشن اکٹھی کر رہا تھا۔ یہ جاننے کے لئے کہ میری محبت کے آس پاس کس قسم کے لوگ رہتے ہیں.....اب میں تمہیں یہاں رہنے نہیں دوں گا۔ لگتا ہے تین سال سے میرے انتظار میں تم نے یہ آنسو سنبھال کر رکھے ہوئے تھے۔ چلو آج کھل کر رو لو لیکن دھیان رہے ان آنسوؤں میں تمہارا مامون نہ بہہ جائے۔" مامون نے اس کے سر پر بوسہ دیا اور اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار بھرے لہجے میں بولا تو اس نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مامون!"

"کہو میری جان۔" اس نے پیار سے اس کے آنچل سے اس کے آنسو صاف کرتے

ہوئے کہا تو وہ بھیگتی آواز میں ندامت سے بولی۔

"مامون! مجھے معاف کر دیجئے۔"

"رانیہ!" مامون حیرت سے اس کی صورت تکنے لگا، اس نے کب چاہا تھا کہ رانیہ اس سے معافی مانگے، وہ تو اس کی زبان سے اپنے لئے محبت کا اقرار سننے کا متمنی تھا، وہ اسے جھکانا نہیں چاہتا تھا۔

"میں تو کچھ اور سننے کے لئے بے تاب ہوں معافی نہیں رانیہ۔"

"پلیز....." رانیہ نے اس کی محبت کی شدت سے مزید شرمندہ ہو کر اس کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے گویا مامون کی روح کو ہلا کر رکھ دیا۔

"یہ کیا کر رہی ہو رانیہ! ایسا تو کبھی نہیں چاہا میں نے کیوں مجھے گناہ گار کرتی ہو، ایسا کیا کیا ہے تم نے جو یوں معافی مانگ رہی ہو؟"

مامون نے اس کے ہاتھ علیحدہ کر کے باری باری چوم کر بے قراری سے کہا۔

"میں نے آج تک آپ کو بہت دکھی، آزردہ اور پریشان کیا ہے نا..... ہمیشہ آپ کو بُرا کہا..... بُرا سمجھا، آپ کو اپنا قصور وار سمجھتی رہی.....مگر میں غلط تھی، مجھے تو رخسانہ ممانی نے بدنام کیا تھا۔" رانیہ نے روتے ہوئے اٹک اٹک کر اپنا جرم قبول کرتے ہوئے کہا تو مامون نے نرم لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں مدحت آپی سے دوپہر میری بات ہوئی تھی، انہوں نے مجھے ساری حقیقت سے آگاہ کر دیا ہے، رانیہ! تم اگر میری بات سن لیتیں ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچتیں تو جان لیتیں کہ مامون ضیاء اتنا گھٹیا شخص نہیں ہے کہ اپنی محبت کو رُسوا کرے، اسے دکھوں اور آنسوؤں کے حوالے کر دے، اسے اپنے سامنے جھکانے، نیچا دکھانے یا اپنے رد کئے جانے پر بدنام کرے۔ نہیں رانیہ جان! میں مامون ضیاء تمہارے متعلق ایسا کبھی سوچ بھی نہیں سکتا، تم اپنی منگنی سے خوش تھیں تو میں بھی تمہاری خوشی میں خوش تھا۔ جسے دل میں بہت بلند مقام دے دیا جائے اسے محفل میں پستی میں نہیں گرایا جاتا، تم آج بھی میرے دل میں بہت بلند مقام رکھتی ہو، آئی لو یو رانیہ آئی لو یو ویری مچ۔"

"پلیز اپنی محبت کو معاف کر دیں۔" وہ پھر سے رو پڑی۔

"جس سے محبت ہو اس سے معافی کا تقاضا کرنا یا اس کی خواہش رکھنا کم از کم میں تو جائز نہیں سمجھتا۔ تمہاری میرے متعلق بدگمانیاں ختم ہو گئیں مجھے اور کیا چاہئے؟" وہ خوشی سے بھیگتی آواز میں بولا۔

"میرا پیار....."

وہ اپنے آنسو صاف کر کے بولی۔

"دوگی......"

مامون کی روح تک اس کی بات پر جھوم اٹھی تھی۔

"ہوں!" وہ شرما گئی۔

"لاؤ دو......" وہ شرارت اور مسرت سے بولا۔

"ابھی......"

"کیوں ابھی کیوں نہیں؟"

"آج تو چاند رات ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے ذومعنی بات کہہ گئی۔

"ارے واقعی آج تو چاند رات ہے مون نائٹ ہے آج میری رات ہے، کل عید کا دن اور عید کی شب۔"

وہ ہنس پڑی مامون نے پہلی بار اسے ہنستے ہوئے دیکھا تھا وہ تو دیکھتا ہی رہ گیا۔

"او گاڈ! پہلی بار تمہیں ہنستے دیکھا ہے ظالم لڑکی اتنی پیاری ہنسی مجھ سے چھپائے رکھی۔" اس نے اس کی کنگن والی کلائی تھام کر پیار بھرا شکوہ کیا۔

"اب نہیں چھپاؤں گی۔"

"اب تو مجھ سے کچھ بھی نہیں چھپا پاؤ گی۔" وہ شریر اور معنی خیز لہجے میں بولا۔

"ایک اچھی خبر سن لو، تمہارے اسجد بھائی ایک سال پہلے پاکستان آئے تھے، سارے حالات جاننے کے بعد بہت شرمسار ہو رہے تھے اپنے رویے پر، تمہارے لئے فکرمند تھے، میں نے انہیں تسلی دے دی تھی کہ میں اپنی رانیہ کو تلاش کرلوں گا۔ وہ واپس دبئی چلے گئے تھے، میرا ان سے فون پر رابطہ رہتا ہے۔ کل میں ان سے تمہاری بات کراؤں گا اور ممی ڈیڈی بھی تمہارے شدت سے منتظر ہیں۔ ہم کل عید ... کر شام کی فلائٹ سے کراچی ان کے ساتھ عید منانے جائیں گے بولو منظور ہے۔" مامون نے نرمی سے انکشاف کرنے کے بعد اس کی رائے چاہی۔

"جی......" وہ پرسکون ہو کر ...

"تھینکس رانیہ! تم نے مجھے اپنی ... تحفہ دے کر مالا مال کر دیا ہے۔" خوشی سے مامون کی آنکھیں چھلک پڑیں رانیہ اس کی محبت پر فخر کر رہی تھی اور اس کے ہمیشہ ابدی محبت بھرے ساتھ کی دعا مانگ رہی تھی۔

اسی وقت مسجد کے لاؤڈ اسپیکر سے عید کی نماز کا اعلان ہونے لگا تو رانیہ اور مامون نے ایک دوسرے کو ایک ساتھ مبارک باد دی۔

"چاند رات مبارک ہو۔"

اور چند منٹ بعد رانیہ مامون کے ساتھ اس کی گاڑی میں اس کے برابر بیٹھی اس کے گھر جا رہی تھی جہاں محبتوں بھری چاند رات اور چاہتوں میں نکھرا عید کا دن اس کا منتظر تھا۔ وہ دونوں بہت زیادہ خوش تھے۔ مامون نے ہاتھ بڑھا کر گاڑی میں سیٹ ٹیپ ریکارڈر آن کر دیا اور ایک خوبصورت نغمہ گاڑی میں گونجنے لگا۔

"تم کیا ملے زندگی ملی
چاند رات کو چاندنی ملی
مجھ کو ساری زندگی کا پیار مل گیا۔"

نغمے کے بول سن کر رانیہ اور مامون نے ایک دوسرے کو پیار سے دیکھا اور دونوں خوش دلی سے ہنس پڑے، افق پر عید کا چاند بھی ان دونوں کے پیار بھرے سنگم پر مسکرا رہا تھا۔

❁

محبت یوں بھی ہوتی مگر......!

''لڑکیو! سب اپنے اپنے کمروں کی صفائی اچھی طرح کرلو، اخبار والے آتے ہوں۔'' دارالامان کی نگران میڈم عذرا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے لڑکیوں کو مخاطب کیا۔

''میڈم صفائی تو ہم نے کرلی ہے اور ہم تیار بھی ہوگئی ہیں۔'' اُجالا نے اپنے سیاہ ریشمی بالوں کو شانوں پر سیٹ کرتے ہوئے بتایا۔

''شاباش! بس ذرا دھیان سے بات کرنا۔'' میڈم عذرا نے کہا۔''اور اخبار والوں کو اپنے مسائل ٹھیک بتانا۔ جیسے میں نے تم لوگوں کو سمجھا دیا ہے۔ وہی کچھ بتانا، سمجھ گئیں تم سب؟''

''جی میڈم!'' سب لڑکیوں نے ایک آواز ہو کر کہا۔

''میڈم کیا اخبار والے ہماری تصویریں بھی کھینچیں گے؟'' چوبیس سالہ بلقیس نے پوچھا۔

''انہیں اپنا اخبار تھوڑی بند کرانا ہے جو وہ تمہاری تصویریں کھینچیں گے۔'' اُجالا نے شرارت سے کہا۔

''میڈم دیکھیں اُجالا میرا مذاق اُڑا رہی ہے۔'' بلقیس نے منہ بناتے ہوئے میڈم سے شکایت کی۔

''اُجالا تم میرے آفس میں جاؤ...... میں سب جگہ کا راؤنڈ لے کر وہاں پہنچتی ہوں۔ اگر ساجد اور ہارون صاحب آجائیں تو انہیں عزّت سے بٹھانا۔ کوئی ایسی ویسی بات مت کہہ دینا، تم ہو تو بہت شرارتی۔'' میڈم عذرا نے اُجالا کے نکھرے نکھرے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''میڈم آپ مطمئن ہو کر راؤنڈ پر جائیے۔ میں دیکھ لوں گی ان اخبار والوں کو اور انہیں اتنی عزت سے بٹھاؤں گی کہ وہ دوبارہ یہاں بیٹھنے کے لئے ہرگز نہیں آئیں گے۔'' اُجالا نے ہیئر

برش میز پر رکھ کر شرارت آمیز لہجے میں کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

''کوئی شرارت نہیں کرنا۔'' میڈم عذرا نے اسے تنبیہ کی۔

''میڈم میں کہاں کرتی ہوں شرارت...... وہ تو بس خود ہی ہو جاتی ہے۔'' اُجالا نے معصومیت سے کہا تو میڈم عذرا سمیت سب لڑکیوں کو ہنسی آگئی۔

''اچھا تم جاؤ جا کر آفس میں بیٹھو میں آتی ہوں۔'' میڈم عذرا نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ''جی اچھا!'' کہہ کر ان کے آفس میں آگئی۔ آفس میں دیوار کے سامنے وسط میں ایک بڑی سی میز رکھی تھی جس پر کریم کلر کی چٹائی بچھی ہوئی تھی اور چند فائلیں، اخبار، پیپر ویٹ اور ایک ٹیلی فون سیٹ موجود تھا۔ میز کے چاروں جانب چار کرسیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اُجالا نے کرسیوں کا بغور جائزہ لیا اور شریر مسکراہٹ کے ساتھ اخبار پر نظریں جمالیں۔

''ہم آسکتے ہیں؟'' اخباری رپورٹر ساجد نے اپنے دوست ہارون کے ساتھ آفس میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا تو اُجالا نے نظریں اُٹھا کر انہیں دیکھا اور اخبار کی تہہ لگاتے ہوئے بولی: ''آپ آچکے ہیں۔''

''اوہ سوری!'' ساجد شرمندہ سا ہو کر بولا۔

''اِٹس آل رائٹ...... آیئے تشریف رکھئے۔'' اُجالا نے کرسیوں کی طرف اشارہ کیا۔

''شکریہ......آ......'' ساجد کرسی پر بیٹھتے ہی کرسی سمیت زمین بوس ہوگیا۔ آفس میں اُجالا کی شوخ و شریر کھلکھلاتی ہنسی کے جلترنگ بج اُٹھے۔ ہارون نے اپنی ہنسی ضبط کرتے ہوئے حیرت سے اس کی اُجالوں جیسی صاف شفاف صورت کو دیکھا۔

''یار اُٹھانا!'' ساجد نے ہارون کی جانب اپنا ہاتھ بڑھا کر کہا تو ہارون نے چونکتے ہوئے اُجالا کے چہرے سے اپنی نظریں ہٹائیں۔ ساجد اچھا خاصا موٹا تھا۔ اس لئے بے چارا خود ہی شرمندہ ہو رہا تھا۔ وہ ہارون کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا ہوگیا۔

''آپ کو کہیں چوٹ تو نہیں لگی؟'' اُجالا نے اپنی ہنسی روک کر پوچھا۔

''جی...... جی نہیں!'' ساجد نے اپنا کندھا سہلاتے ہوئے خجل ہو کر کہا۔

''آپ کو چوٹ نہیں لگی مگر کرسی کو بہت شدید چوٹ آئی ہے۔ دیکھئے تو بے چاری ٹوٹ گئی ہے۔ آپ نے ہماری کرسیوں کا سیٹ خراب کردیا ہے۔'' اُجالا نے فرش پر پڑی کرسی کی ٹانگوں کو دیکھنے کے بعد نہایت سنجیدگی سے کہا تو ساجد مزید نادم ہوا۔

''معاف کیجئے گا محترمہ یہ کرسی ہی بہت نازک تھی۔'' ہارون پہلی بار بولے تھے۔

''ظاہر ہے اس ادارے میں صنف نازک رہتی ہے تو کرسی بھی مؤنث ہے۔ نازک تو ہو ہی'' اُجالا نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا تو وہ دونوں حیران نظروں سے اسے اور پھر ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔ البتہ ہارون نے دل میں اس کی حاضر دماغی پر اسے بے اختیار داد دے ڈالی تھی۔

''خیر چھوڑیئے...... آپ تشریف رکھئے باقی کرسیاں صحت مند ہیں آپ کی طرح۔'' اُجالا نے ''صحت مند'' پر زور دے کر کہتے ہوئے ساجد کی طرف دیکھا تو ہارون نے بمشکل اپنی ہنسی ضبط کی جبکہ ساجد کھسیانا ہو کر ڈرتے ڈرتے ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ ہارون بھی دوسری کرسی کھسکا کر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

''اب فرمایئے! آپ کی مزید کیا تواضع کی جائے؟'' اُجالا نے میڈم عذرا کی کرسی کے پیچھے کھڑے ہو کر پوچھا تو ان دونوں نے حیرت سے ایک دوسرے کو دیکھا اور جب اس کی جانب نظریں اٹھائیں تو وہ فوراً بولی ''فرمایئے صاحبان تکلف مت کیجئے۔''

''آپ میڈم عذرا ہیں؟'' ہارون نے بے یقین لہجے میں استفسار کیا۔

''کیا؟'' وہ زور سے بولی ''میں آپ کو میڈم دکھائی دے رہی ہوں۔''

''جی نہیں آپ تو مُنّی ہیں۔'' ساجد نے فوراً بات کو سنبھالا۔

''خیر اب میں اتنی ننھی منی بھی نہیں ہوں۔ ابھی پرسوں میں نے اپنی بیسویں سالگرہ منائی ہے رو رو کر۔'' اُجالا کا لہجہ یک دم اُداسی میں ڈوب گیا۔

''رو رو کر کیوں؟'' ساجد نے دلچسپی سے پوچھا۔

''یہ میرا بہت ہی پرسنل معاملہ ہے، آپ اپنی بات کیجئے۔'' وہ فوراً ہی سابقہ لہجے میں بولنے لگی۔ ہارون تو بس حیرت سے اسے دیکھے اور سُنے جا رہے تھے۔

''یقین مانیے میرے دوست ہارون نے بھی پرسوں ہی اٹھائیسویں سالگرہ منائی ہے۔ کیا اتفاق ہے آپ بھی پرسوں پیدا ہوئیں اور یہ موصوف بھی۔'' ساجد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور تین دن میں ہم اتنے بڑے بھی ہو گئے۔ یہ سب سے زیادہ حیرت انگیز اور حسین بات ہے۔ ہے نا۔'' اُجالا نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ دونوں ہنس پڑے۔

''میں نے تو اپنی سالگرہ بہت ہنسی خوشی منائی تھی۔ آپ نے روتے ہوئے کیوں منائی؟'' ہارون نے بہت دھیمے اور دوستانہ لہجے میں پوچھا۔

''آپ جو نہیں تھے'' اُجالا کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا۔ ''مم...... میرا مطلب ہے کہ

آپ جو نہیں چاہتے کبھی کبھی وہ بھی ہو جاتا ہے۔ اپنے اپنے نصیب کی بات ہے یہ......'' اُجالا اپنے جملے کی شوخی کا فوراً ہی احساس ہوا تو بات بناتے ہوئے بولی اور ہارون اس کی حاضر دماغی پر مسکرا دیئے۔

''میں ساجد ہوں اور یہ میرے دوست ہارون ہیں۔'' ساجد نے اپنا اور ہارون کا تعارف کروایا۔

''یہ اخبار نویس تو نہیں لگتے، کیا کوئی بزنس مین ہیں؟'' اُجالا نے براؤن تھری پیس سوٹ میں ملبوس وجیہہ ہارون ملک کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا تو ہارون اس کے اندازے پر حیران رہ گئے۔

''جی یہ بزنس مین ہیں۔ امپورٹ ایکسپورٹ کرتے ہیں۔'' ساجد نے بتایا۔

''کس کی؟'' اُجالا نے بے ساختہ پوچھا تو دونوں ہنس دیئے۔

''میرا خیال ہے کہ انٹرویو ہم نے کرنا تھا۔'' ساجد نے یاد دلایا۔

''کیوں کیا انٹرویو صرف اخبار نویس ہی کر سکتے ہیں، کوئی اور نہیں کر سکتا؟'' اُجالا نے کہا۔

''بالکل کر سکتے ہیں مگر آپ کھڑی کیوں ہیں بیٹھئے نا پلیز!'' ساجد نے کہا۔

''شکریہ! یہ میڈم کی کرسی ہے اور اس کرسی پر وہی بیٹھی ہوئی اچھی لگتی ہیں اور ویسے بھی میں کسی کی جگہ نہیں لیتی...... بلکہ اپنی جگہ خود بناتی ہوں۔'' اس نے مسکرا کر کہا۔

''مس آپ کی تعریف؟'' ساجد اس کا نام جاننا چاہ رہا تھا۔

''میری تعریف...... وہ بہت دلنشین انداز میں مسکرائی اور ہارون کو یوں لگا جیسے موتی چمک اٹھے ہوں۔ ان کے دل و روح کے تمام در خود بخود وا ہو گئے اور وہ ان کے اندر اترتی چلی گئی۔

''اب میں اپنے منہ سے اپنی کیا تعریف کروں؟ آپ ہی کر دیجئے میری تعریف۔'' اُجالا نے مسکراتے ہوئے معصومیت سے کہا تو وہ دونوں ہنس پڑے۔

''آپ بہت حسین ہیں۔'' ساجد نے ایمانداری سے اس کے حُسن کو سراہا۔

''اور آپ بہت موٹے ہیں، میرا مطلب ہے آپ کی چوڑائی کچھ زیادہ ہے۔ تھوڑی سی کم کر لیجئے۔ پھر آپ بھی بہت حسین ہو جائیں گے۔'' اُجالا نے نہایت خلوص اور سنجیدگی سے اسے مفت مشورہ دیا تو وہ محض مسکرا کر رہ گیا۔

''سنئے مس......'' ہارون نے اسے مخاطب کیا۔

اُجالا نے اپنا نام بتایا

"اُجالا! میرا نام اُجالا فراز ہے۔" "آپ کا نام اُجالا ہی ہونا چاہیے تھا۔" ہارون نے ں کے اُجلے اُجلے، چاندنی بکھیرتے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ قدرے نروس سی ہوگئی۔ اتنی تیز وخ و شریر لڑکی کو اس طرح نروس ہوتا دیکھ کر ہارون مسکرا دیئے۔

"مس اُجالا آپ میڈم عذرا کو بلائیں۔ ہمیں بہت جلدی ہے۔" ساجد نے رسٹ واچ نظر ڈال کر کہا۔

"آپ کو اگر اتنی ہی جلدی تھی تو آپ آئے ہی کیوں ہیں؟" اُجالا نے فوراً پوچھا۔

"جی وہ ہم!" ساجد اس کے سوالوں سے بوکھلا گیا حالانکہ صحافی تھا بڑے بڑوں کو بوکھلا یتا تھا۔

عین اسی وقت میڈم عذرا اپنی نائب میڈم خالدہ کے ساتھ آفس میں داخل ہوئیں۔

"ارے آپ لوگ آگئے؟" میڈم عذرا نے قدرے خجالت سے ان دونوں کو دیکھا۔

"میڈم ہم کافی دیر سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" ساجد نے بیٹھتے ہی کہا۔

"میں بہت معذرت چاہتی ہوں آپ سے...... دراصل اتنے بڑے ادارے کا انتظام یکھنا اور چلانا بھی ایک مسئلہ ہے۔ میں راؤنڈ پر تھی اور میں نے ادارے کے تمام مسائل اس کاغذ یں درج کر دیئے ہیں تاکہ آپ کو زیادہ وقت نہ لگانا پڑے۔ یہ لیجئے کاغذ۔" میڈم عذرا نے اپنی رسی پر بیٹھتے ہی اپنے پرس میں سے دو رجسٹر سائز کاغذ نکال کر ساجد کی طرف بڑھا دیئے۔

"آپ لوگ خود بھی اس ادارے کی بچیوں سے بات کر سکتے ہیں۔" میڈم عذرا نے کہا۔

"وہ تو ہم کریں گے ہی۔" ساجد نے کاغذ دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں لڑکیوں سے بات کرنے کا تو بہانہ چاہئے ہوتا ہے مردوں کو۔" اُجالا نے بہت ستہ سے کہا مگر سب نے بخوبی سنا اور مسکرا دیئے۔

"اُجالا!" میڈم عذرا نے اسے گھورا۔

"تم نے انہیں چائے پانی کا بھی نہیں پوچھا۔"

"میڈم چائے کے لئے پتی کا ہونا ضروری ہے اور باورچی بتا رہا تھا کہ آج پتی کا اختتام یا ہے اور پانی تو یہ لوگ پی کر آئے ہوں گے۔ کیوں سر؟" اُجالا نے کہنے کے بعد آخر میں ہارون طرف دیکھا تو نجانے کیسا طلسم تھا اُن کی سیاہ چمکدار آنکھوں میں کہ وہ سٹپٹا کر نظریں چُرا گئی۔ ون مسکرا رہے تھے۔

"اُجالا یہ کرسی!" میڈم عذرا کی نظر زمین پر کرسی کے ٹوٹے ٹکڑوں پر پڑی تو سوالیہ

نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"میڈم میں نے نہیں توڑی، ساجد صاحب نے توڑی ہے۔" اُجالا نے فوراً صفائی پیش کی۔

"اُجالا بہت بُری بات ہے۔" میڈم عذرا اس کی شرارت سمجھ گئی تھیں۔ سنجیدہ لہجے میں بولی۔

"جی میڈم یقیناً بہت بری بات ہے۔ اب دیکھئے نا مہمان کو میزبان کے گھر اور آفس کی چیزوں کا کچھ تو خیال ہونا چاہئے۔" اُجالا نے بہت سنجیدگی سے کہا۔

ہارون اور ساجد اس کی شرارت اور معصومیت سے محظوظ ہو کر مسکرا رہے تھے۔

"یہ کرسی تو ٹوٹ گئی تھی۔ میں نے سٹور روم میں رکھوا دی تھی پھر یہاں کیسے آگئی؟"

"پتہ نہیں میڈم کیسے آگئی، بس آگئی۔ اس کا بھی دل چاہ رہا ہوگا اپنی آبائی جگہ یعنی آپ کے آفس کی سیر کرنے کو تو یہ آگئی یہاں۔" اُجالا نے اپنی شرارت کے پکڑے جانے پر ڈرتے، مسکراتے شریر لہجے میں کہا تو میڈم عذرا کو ہنسی آگئی۔

"معاف کیجئے گا ساجد صاحب! یہ اُجالا ہے۔ ہمارے ادارے کی سب سے زیادہ ذہین مگر بہت شریر لڑکی ہے یہ۔" میڈم عذرا نے ساجد سے معذرت کے ساتھ ہی اس کا تعارف کروایا۔

"وہ تو یہ لگ ہی رہی ہیں۔ بلکہ ہمیں اس کا اندازہ اور تجربہ بھی ہو چکا ہے۔" ہارون نے مسکراتے ہوئے کہا۔ جانے کیوں اُجالا کو ہارون کی نظریں اپنے چہرے پر جمی محسوس ہو رہی تھیں۔

"شکر ہے میڈم کہ کرسی پہلے سے ٹوٹی ہوئی تھی۔ ورنہ یہ تو مجھ سے اس کرسی کا بل بھی نکلوا لیتیں۔" ساجد نے ہنس کر کہا۔

"میں معذرت خواہ ہوں آپ کو تکلیف تو ہوئی ہوگی۔" میڈم عذرا نے کہا۔

"کوئی بات نہیں، میں نے اس تکلیف کو خاصا انجوائے کیا ہے۔" ساجد نے مسکرا کہا، وہ ہنس پڑیں۔

"میڈم میرے یہ دوست ہارون آپ کے ادارے کے لئے کچھ ڈونیٹ کرنا چاہتے ہیں۔" ساجد نے سنجیدگی سے بتایا اور ہارون کی طرف دیکھا۔

"ماشاء اللہ یہ تو بہت اچھا خیال ہے۔ آپ جیسے مخیّر حضرات کی مدد سے، تعاون سے ہی یہ ادارہ چل رہا ہے ورنہ ہمارے لئے تو ادارے کے اخراجات پورے کرنا مشکل ہوتا ہے۔ کبھی بجلی کا بل جمع نہیں ہو پاتا تو کبھی گیس کٹ جاتی ہے۔" میڈم عذرا نے تفصیل سے بتایا۔

''اور پانی کا مسئلہ کیسے حل ہوتا ہے؟'' ساجد نے پوچھا تو اُجالا نے جواب دیا۔

''پانی کے معاملے میں ہمارا ادارہ بہت خود کفیل ہے۔ پوچھئے کیسے؟''

''کیسے؟'' ساجد نے اس کے چہرے کو دیکھا۔

''وہ ایسے کہ یہاں تقریباً سبھی لڑکیاں پانی برساتی ہیں۔ تمام لڑکیوں کی آنکھوں سے وقت بے وقت پانی برستا ہے لیکن وہ پانی نمکین ہوتا ہے۔ اگر اسے خشک کرلیا جائے تو اس سے منوں کے حساب سے نمک حاصل کیا جاسکتا ہے۔'' اُجالا نے بے حد سنجیدگی سے کہا مگر ان دونوں کو ہنسی آگئی۔

''اُجالا بہت بولتی ہو تم...... جاؤ جا کر ان کے لئے اچھی سی چائے بنوا کر لاؤ۔'' میڈم عذرا نے کہا۔

''اوکے میڈم!'' وہ منہ بسور کر بولی تو ساجد نے فوراً کہا۔

''مس اُجالا اگر آپ کا کوئی مسئلہ ہو تو بتایئے، ہم اخبار میں شائع کردیں گے۔''

''ہاں ہے ایک مسئلہ...... اگر آپ اسے حل کردیں تو میری نظر میں آپ دنیا کے ذہین ترین صحافی ہوں گے۔'' اُجالا نے سوچتے ہوئے کہا۔

''کیا مسئلہ ہے آپ کا بتایئے پلیز؟'' ساجد نے متجسس ہو کر پوچھا، ہارون بھی اس کی جانب متوجہ تھے کہ جانے اب یہ شریر لڑکی کون سا مسئلہ بیان کرنے والی ہے۔

''مسئلہ یہ ہے کہ ساجد صاحب کہ موسم گرما میں مجھے بلکہ یہاں کی سب لڑکیوں کو شدید گرمی لگتی ہے اور سردیوں میں ہمیں شدید سردی لگتی ہے۔ کیا یہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا؟''

''اُجالا!'' میڈم عذرا نے اسے ٹوک کر گھورا۔

''جی میڈم! مسئلہ تو حل کرانے دیں۔'' اس نے سادگی سے کہا تو انہوں نے سنجیدگی سے کہا۔

''تمہارے سارے مسئلے ایسے ہی شریر ہوتے ہیں۔ جاؤ ان کے لئے چائے لاؤ۔''

''جی اچھا!'' وہ منہ بناتی آفس سے باہر نکل گئی۔

''اوہ مائی گاڈ!'' ہارون کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے اُجالا ان کا دل اپنے ساتھ ہی لے گئی ہے اور خود ان کی روح میں براجمان ہوگئی ہے۔

''کیا ہوا؟'' ساجد نے ان کی طرف دیکھا۔

''بہت کچھ ہوگیا یار۔'' ہارون نے معنی خیز لہجے میں بے بسی سے جواب دیا۔

''ہارون صاحب! آپ کیا عطیہ کرنا چاہتے ہیں اس ادارے کے لئے؟'' میڈم عذرا کے متوجہ کرنے پر وہ دونوں ان کی طرف دیکھنے لگے۔

''جی میں اے۔سی، ہیٹرز اور گیزر گرم پانی کے لئے دینا چاہتا ہوں تاکہ سردیوں میں آپ کے لئے کچھ آسانی ہوجائے۔'' ہارون نے سنجیدگی سے کہا۔

''میرا خیال ہے کہ پہلے میں ادارے کا معائنہ کرلوں۔'' ساجد نے کرسی سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

''جی ضرور...... جیسے آپ مناسب سمجھیں چلئے۔'' میڈم عذرا بھی اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''ہارون صاحب آپ چائے نوش فرمائیں۔ ہم ابھی آتے ہیں، میڈم عذرا نے ان سے کہا۔

''جی بہتر!'' ہارون احتراماً کھڑے ہو کر بولے، وہ ساجد کے ساتھ چلی گئیں۔

''یہ آپ بار بار کھڑے کیوں ہوجاتے ہیں؟'' اُجالا نے پوچھا تو انہوں نے جواب دیا۔

''خواتین کے احترام میں کھڑے ہونا مہذب مردوں کا شیوہ ہوتا ہے۔''

''اوہ...... تو آپ مہذب مرد ہیں۔'' اُجالا نے میز کے کنارے پر بیٹھتے ہوئے مصنوعی حیرت سے کہا۔

''آپ کو کوئی شک ہے۔'' ہارون نے اس کی شربتی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی نہیں!'' اُجالا نے چائے کا کپ ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''چائے پیجئے...... آپ خوش نصیب ہیں کہ آپ کو یہاں چائے پینے کو مل رہی ہے۔ ورنہ یہاں تو پانی بھی بمشکل میسر آتا ہے۔ مہمان بے چارے سوکھا حلق لئے رخصت ہوجاتے ہیں۔''

''تو کیا وجہ ہے اس رویے کی؟'' ہارون نے چائے کا کپ لے کر پوچھا۔

''سیدھی اور آسان سی وجہ ہے۔'' اس نے نرم لہجے میں بتایا۔ ''میڈم آنے جانے والوں پر اپنی غربت کا، مجبوریوں کا پنڈورا بکس کھولتی ہیں تو کوئی ترس کھا کر کچھ عطیہ دے جاتا ہے اس ادارے کے لئے کہ جہاں مہمان کو چائے پانی تک نہیں پلایا جاسکتا وہاں کھانا کیا کھایا جاتا ہوگا؟''

''تو ہمیں چائے پلانے کا مقصد؟'' ہارون نے چائے کا سپ لے کر پوچھا۔

''آپ کی طرف سے میڈم کو ٹھیک ٹھاک ڈونیشن کی توقع ہے۔ اسی لئے آپ کو چائے کا پوچھ لیا ہے۔''

''ہارون صاحب! ایک بات کہوں آپ سے؟'' اُجالا نے سنجیدہ لہجے میں انہیں مخاطب کیا۔

"جی ضرور کہئے!" ہارون نے چاہت بھری نظروں سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ اس ادارے کے لئے اے سی اور گیزر مت دیں کیونکہ وہ میڈم کے گھر چلے جائیں گے۔ ایسی بہت سی چیزیں یہاں آئیں اور میڈم اپنے گھر لے گئیں۔ میڈم عذرا نے تو اپنی بیٹیوں کا جہیز بھی اس ادارے کی بے سہارا لڑکیوں کے نام آنے والے عطیات میں سے پورا کیا تھا۔"

"یہ تو بہت غلط بات ہے۔" ہارون نے چائے کا کپ میز پر رکھ کر حیرت اور تاسف سے کہا۔

"مگر میں اب یہ غلط بات مزید نہیں ہونے دوں گی۔" اُجالا نے پُرعزم لہجے میں کہا۔

"آپ کو اگر ڈونیٹ کرنا ہے تو کپڑوں، کتابوں اور بیڈشیٹس کی صورت میں ڈونیٹ کریں اور خود اپنے سامنے اس ادارے کی لڑکیوں میں تقسیم کرائیں۔"

"ہوں......" ہارون نے اس کے حسین اور معصوم چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے میں ایسا ہی کروں گا۔ آپ یہ بتایئے کہ اس ادارے میں کتنی بے سہارا لڑکیاں ہیں۔"

"یہاں تو سبھی بے سہارا ہیں سر......" وہ اُداسی سے ہنس پڑی۔ جانے کیا دُکھ تھا اس کی ہنسی میں کہ ہارون بہت تاسف زدہ ہو کر اسے دیکھنے لگے۔

"ہارون صاحب! جن لڑکیوں کو اُن کے گھروں میں امان نہیں ملتی، اُنہیں دارالامان میں کیسے امان مل سکتی ہے۔ یہاں ستاون (57) لڑکیاں ہیں جن میں سے بیشتر اپنوں کے ظلم وزیادتی سے تنگ آ کر اور مزید ظلم سے بچنے کی خاطر اس ادارے میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔ ہر لڑکی آپ کو ظلم، جبر اور ناانصافی کی ایک الگ ہی کہانی سنائے گی۔ دُکھ، اُداسی، آنسو، سسکیاں اور آہیں اس ادارے کی لڑکیوں کا مقدر بن چکے ہیں۔" اُجالا بولتے بولتے ایک دم خاموش ہو گئی۔

ہارون نے نرم لہجے میں کہا: "لیکن آپ تو بہت زندہ دل اور بہادر دکھائی دیتی ہیں۔"

"دکھائی دینے اور ہونے میں بہت فرق ہوتا ہے ہارون صاحب!۔" اُجالا نے بے حد سنجیدگی سے کہا تو وہ ایک لمحے کو اسے دیکھ کر رہ گئے۔ پھر اپنے کوٹ کی جیب میں سے اپنا وزٹنگ کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ میرا یہ وزٹنگ کارڈ رکھ لیجئے۔"

"میں اس کارڈ کا کیا کروں گی؟"

"اگر کبھی آپ کو میری ضرورت محسوس ہو یا کوئی کام ہو یا کسی بھی قسم کا کوئی مسئلہ ہو تو آپ مجھے کال کر سکتی ہیں۔ انشاء اللہ میں آپ کو مایوس نہیں کروں گا۔"

"میں مایوس کبھی نہیں ہوتی، اینی وے تھینک یو۔" اُجالا نے کارڈ لے کر کہا۔

"ویسے آپ واحد لڑکی ہیں جو اپنے ادارے کی نگران کی خامیاں بیان کر رہی تھیں۔ ان کی حقیقت سے آگاہ کر رہی تھیں حالانکہ آپ خود بھی اس ادارے میں رہتی ہیں۔ یہ ادارہ ایک طرح سے آپ کا گھر ہی ہے نا۔" ہارون نے مسکرا کر کہا۔

"جی ہاں!" وہ مسکراتے ہوئی بولی۔ "وہ محاورہ تو آپ نے سنا ہو گا کہ...... گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔"

"تو آپ لنکا ڈھانا چاہتی ہیں۔" ہارون نے محظوظ ہو کر کہا۔

"میں تو صرف اس ادارے کی لڑکیوں کو ان کا حق دلانا چاہتی ہوں۔" وہ بدستور سنجیدہ تھی۔

"آپ نے جو کچھ بتایا ہے، اخبار میں اسی طرح رپورٹنگ ہو گی......" ہارون نے یقین دلایا۔

"لیکن آپ تو اخبار نویس نہیں ہیں۔" اُجالا نے کہا۔

"میں ساجد کو بتا دوں گا جو کچھ آپ نے بتایا ہے۔"

"لیکن اس میں میرا......"

"آپ پریشان مت ہوں۔ آپ کا نام کہیں نہیں آئے گا۔" ہارون نے اس کی پریشانی بھانپ لی تھی، فوراً ہی اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"تھینک یو......" اُجالا کے لہجے میں تشکر اور اطمینان تھا۔

"مس اُجالا آپ خوش رہا کیجئے، اُداسی اچھی نہیں لگتی بعض چہروں پر......" ہارون نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیوں کیا اُداس رہنے سے چہرے بُرے لگنے لگتے ہیں؟"

"نہیں...... بُرے تو نہیں لگتے مگر جن چہروں سے ہم پیار کرنے لگتے ہیں ان چہروں کی اداسی ہمیں تکلیف دیتی ہے۔"

ہارون کی معنی خیز بات پر وہ کچھ گھبرا سی گئی اور فوراً ہی نظریں چرا کر کرسی سے اُٹھ گئی اور چائے کے برتن ٹرے میں رکھنے لگی۔

ہارون اپنی آنکھوں میں دُنیا جہاں کی محبت سموئے اسے دیکھے جا رہا تھے۔ اس کا مناسب قد تھا، رنگت ایسی اُجلی کہ دیکھنے والی نظریں خیرہ ہو جائیں۔ چہرہ جیسے دودھ میں دُھلا ہو، شربتی بڑی بڑی گہری آنکھیں، شانوں پر لہراتے سیاہ ریشمی چمکدار بال، ہونٹ ایسے کہ گلاب کی پتیوں کا گمان ہو، ابرو اتنے دلکش کہ جیسے خود تراش کر یہ شکل دی گئی ہو۔ گھنی گھنی سیاہ پلکیں، نرم و نازک ہاتھ، وہ سر سے لے کر پاؤں تک حسن کا منہ بولتا، جیتا جاگتا شاہکار تھی اور ہارون اس شوخ، شریر اور پھر ایک دم سنجیدہ ہو جانے والی معصوم لڑکی کو...... پہلی نظر، پہلی ملاقات میں ہی اپنے دل میں بسا بیٹھے تھے۔ انہیں لگا کہ جیسے انہیں ان کی منزل مل گئی ہے۔ وہ اس کی مہکتی ریشمی زلفوں کے سائے میں اپنی تھکن اُتارنے کے خواب دیکھنے لگے۔

ساجد اور میڈم عذرا کی آوازوں نے انہیں خوابوں کی دُنیا سے حقیقت کی دُنیا میں آنے پر مجبور کر دیا۔

''میڈم یہاں تعلیم کا انتظام تو ہونا چاہئے نا، سب لڑکیوں کو پڑھنے کا شوق ہے مگر وہ نامساعد حالات کی وجہ سے تعلیم حاصل کرنے سے محروم ہیں۔'' ساجد نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا تو اُجالا نے ٹرے اُٹھائی اور آفس سے باہر نکل گئی۔

''ہاں! آپ اپنے اخبار میں اس طرف بھی توجہ دلائیں۔'' میڈم عذرا نے سرسری سا کہا۔

''مس اُجالا نے کتنا پڑھا ہے؟'' ہارون نے پوچھا۔

''اُجالا نے گریجوایشن کیا ہے۔ ابھی پندرہ بیس دن پہلے ہی اس کا رزلٹ آؤٹ ہوا ہے۔ ماشاء اللہ فسٹ ڈویژن میں پاس ہوئی ہے۔ بہت ذہین بچی ہے اُجالا۔'' میڈم عذرا نے دل کھول کر اُجالا کی تعریف کی۔ وہ زمانہ شناس ہی نہیں، مردشناس بھی تھیں اور ہارون کی اُجالا میں دلچسپی کو ایک ہی گہری نظر میں بھانپ گئی تھیں اور باتوں باتوں میں ساجد سے ہارون کے متعلق پوچھ چکی تھیں۔ ساجد نے انہیں بتایا تھا کہ ہارون نے ابھی تک شادی نہیں کی۔ وہ امیر تھے اور میڈم عذرا کو دولت آتی دکھائی دے رہی تھی، جبھی اُجالا کی تعریف میں کنجوسی نہیں کر رہی تھیں۔

ان کے لئے تو اُجالا سونے کی چڑیا تھی۔ وہ اسے اپنی مرضی کی قیمت مانگ کر کسی کے حوالے کرنا چاہتی تھیں۔ ان کے لئے وہ بلینک چیک تھی۔ اپنی مرضی کی رقم بھر کر کیش کرانا وہ اپنا سمجھ رہی تھیں۔ اُجالا کا حسن بلاشبہ اسے قیمتی بنانے کے لئے بہت تھا۔

''مس اُجالا کے والدین کیا وفات پا چکے ہیں؟'' ہارون نے اگلا سوال پوچھا۔

''ہاں!'' میڈم عذرا نے سنجیدہ لہجے میں بتایا۔ ''اُجالا تقریباً دس برس پہلے اس ادارے

میں آئی تھی۔ اُجالا کے والدین ایک حادثے میں انتقال کر گئے تھے۔ وہ لوگ بہت دولت مند تھے۔ فراز صاحب یعنی اُجالا کے والد صاحب نے ہی یہ ادارہ قائم کیا تھا۔''

''اچھا!'' ہارون اور ساجد دونوں نے حیران ہو کر ایک ساتھ کہا۔

''جی ہاں!'' میڈم عذرا نے ان کی دلچسپی دیکھتے ہوئے محسوس کرتے ہوئے مزید تفصیل بتانا شروع کی۔ ''اُجالا کے تایا اور چچا نے اُجالا کے والدین کے مرتے ہی ان کی ساری جائیداد پر قبضہ جما لیا۔ اُجالا کا حق بھی چھین لیا۔ کار، کوٹھی، زمین، فیکٹری سب پراپرٹی انہوں نے ہتھیا لی اور اُجالا کو یہاں اس ادارے یہ کہہ کر چھوڑ گئے کہ یہ تمہارے باپ کا بنایا ہوا ادارہ ہے۔ جو اس نے بے سہارا لڑکیوں کے لئے بنایا تھا۔ اب تم بھی یتیم ہو، بے سہارا ہو اور لاوارث ہو۔ اس لئے اپنے باپ کے اس ادارے میں رہو۔ یہی اب تمہارا گھر ہے۔ ہمارے گھر کی طرف کبھی بھولے سے بھی رُخ مت کرنا ورنہ اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھو گی۔''

''او میرے خدا! اتنی بے حسی، اتنی سفا کی۔'' ہارون کا خون کھول اُٹھا۔

''میڈم آپ مجھے ان لوگوں کا ایڈریس دیں۔ میں انہیں منظر عام پر لاؤں گا۔ یہ تو سراسر زیادتی ہے، ناانصافی ہے۔ ایک یتیم اور بے سہارا لڑکی سے اس کے گھر کی چھت چھین کر اسے اس کے باپ کے بنائے ہوئے دارالامان میں چھوڑ دینا کتنی بے حسی ہے۔ بہت افسوس کا مقام ہے۔ اگر یہ ادارہ اُجالا کے والد مرحوم نے نہ بنایا ہوتا تو نجانے وہ لوگ اُجالا کو کہاں لے جاتے، کیا سلوک کرتے اس کے ساتھ؟'' ساجد نے دُکھ سے کہا۔ اسے سچ مچ دُکھ پہنچا تھا اُجالا کی کہانی سن کر۔

''ساجد صاحب! اس خبر سے آپ کا اخبار تو بک جائے گا لیکن وہ لوگ اُجالا کی زندگی کے دشمن بن جائیں گے اور اُجالا کو یہاں سے زبردستی اٹھا کر لے جائیں گے۔'' میڈم عذرا اس سونے کی چڑیا جس کا نام اُجالا تھا، کو کسی قیمت پر مفت میں کھونا نہیں چاہتی تھیں۔ سنجیدگی سے فکرمند لہجے میں بولیں۔

''اُجالا کو وہ لوگ نہیں لے جائیں گے۔ اُجالا کو میں اپنے ساتھ اپنے گھر لے جاؤں گا۔ زبردستی نہیں بلکہ عزت اور احترام سے ساتھ لے جاؤں گا۔'' ہارون نے فوراً کہا۔

''جی؟'' میڈم عذرا کو ان سے اتنی جلدی اس بات کی ہرگز توقع نہ تھی۔ حیران ہو کر بولیں۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو تم...... ہوش میں تو ہو۔'' ساجد نے سرگوشی کی۔

''یار ہوش تو اُجالا نے اُڑا دیئے ہیں اور میں اس ہیرا صفت لڑکی کو ہر قیمت پر حاصل

کر کے رہوں گا۔ چاہے اس کے لئے مجھے اپنی ساری دولت ہی کیوں نہ لٹانی پڑ جائے۔" ہارون نے بہت آہستگی سے ساجد کے کان میں کہا تو وہ ہکا بکا رہ گیا۔

"ہارون صاحب! آپ کچھ کہہ رہے تھے۔" میڈم عذرا نے بے چینی سے کہا۔

"جی میڈم! میں مس اُجالا سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟" ہارون نے صاف صاف دل کی بات کہہ کر پوچھا۔

"مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے؟" میڈم عذرا نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ ایک بے سہارا لڑکی کو سہارا دے کر نیکی کا کام کریں گے مگر......"

"مگر کیا پلیز بتایئے!" ہارون نے بے تاب ہو کر پوچھا۔

"آپ کو چار لاکھ روپے ہمیں دینا ہوں گے۔" میڈم عذرا نے کہا۔

"دیکھئے یہ رقم ہم اس ادارے پر ہی خرچ کریں گے۔ آخر ہم نے اُجالا کو دس سال تک اس ادارے میں رکھا۔ اس کے کھانے پینے، رہائش کی سہولتوں، پڑھنے لکھنے پر، لباس پر ہمارا بھی تو بہت روپیہ خرچ ہوا ہے۔ ہمیں اُجالا کا رشتہ آپ کو دینے پر کوئی اعتراض نہیں ہے بشرطیکہ آپ ہمیں اس کے بدلے میں چار لاکھ روپے کیش دے دیں۔" میڈم عذرا نے حریص لہجے میں کہا تو ہارون کو اُجالا کی تمام باتیں یقینی طور پر سچ لگنے لگیں۔ یہ میڈم عذرا واقعی لالچی تھیں۔ ہارون کو اس پر غصہ تو بہت آیا مگر وہ اس کا اظہار کر کے اپنی منزل کھونا نہیں چاہتے تھے۔ لہٰذا چند لمحے کے توقف کے بعد بولے۔ "ٹھیک ہے، منظور ہے آپ اسی جمعے کو نکاح کی تیاری کریں۔"

"اتنی جلدی!" میڈم عذرا حیرت سے بولیں۔ "ہمیں تیاری بھی تو کرنا ہوگی۔"

"آپ کو صرف اُجالا کو دُلہن بنوانا ہے باقی انتظامات ہم خود کر لیں گے۔" ہارون نے کوٹ کی جیب سے چیک بک نکال کر کہا۔

"تو چار لاکھ روپے آپ واقعی دے رہے ہیں۔" میڈم عذرا خوشی سے بولیں۔

"بہت کم قیمت لگائی ہے آپ نے اس ہیرے جیسی لڑکی کی۔" ہارون نے دل میں کہا۔

"جی ہاں!" ہارون بولے۔

"ایکسکیوزمی میڈم!" ساجد نے ہارون کا بازو پکڑ کر اسے اٹھنے کا اشارہ کیا۔

"یار کیا ہے؟" ہارون جھلا کر بولے۔

"ہارون کیا ہو گیا ہے تجھے؟"

"پیار ہو گیا ہے مجھے!" ہارون نے آہستہ سے جواب دیا۔

"اُجالا سے!" ساجد بولا۔ ہارون نے بڑے جذبے سے کہا۔

"ہاں وہ اُجالا! پیار کا اُجالا بن کر میرے اندر سرایت کر گئی ہے اور ساجد میں اسے کسی قیمت پر بھی کھونا نہیں چاہتا۔"

"لگتا ہے کہ اُجالا کی کہانی سن کر تجھے ہمدردی کا دورہ پڑ گیا ہے۔ تجھے تو ہمدردی میں کچھ یاد نہیں رہتا۔ اپنا سب کچھ دل وجان سے لٹانے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ ہر کسی پر......" ساجد نے اس کی انسان دوست عادت کا حوالہ دیتے ہوئے کہا۔

"یار میں اُجالا پر واقعی دل وجان سے اپنا سب کچھ لٹانے کے لئے تیار ہوں۔" ہارون نے دل سے کہا۔

"پاگل تو نہیں ہو گیا تو......" ساجد کو ان کی ذہنی حالت مشکوک سی محسوس ہونے لگی۔

"تو جو بھی سمجھ میرا دل واقعی پاگل ہوا جا رہا ہے اُجالا کی محبت میں اور میں میڈم عذرا کو چار لاکھ تو کیا دس لاکھ بھی دے سکتا ہوں اُجالے کے بدلے میں۔"

ہارون نے بے حد سنجیدگی سے کہا تو اس کے کان کے قریب منہ لا کر بولا۔

"او بھائی آہستہ بول...... اس لالچی میڈم کے کان میں اگر یہ بات پڑ گئی نا تو وہ تجھ سے تیری ساری جائیداد مانگ لے گی اُجالا کے بدلے میں۔"

"تو مانگ لے...... میں دے دوں گا۔" ہارون نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو سچ مچ پاگل ہو گیا ہے۔ ساجد نے فکر مندی سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔" یار اُجالا کے متعلق تجھے میڈم عذرا نے جو کچھ بتایا ہے، وہ غلط بھی تو ہو سکتا ہے۔"

"مجھے غلط صحیح کی پرواہ نہیں ہے۔" ہارون بے نیازی سے بولے۔ "مجھے صرف اُجالا چاہئے۔"

"تو میرے دوست تیرے عالی شان گھر میں جگہ جگہ تو ٹیوب لائٹس جل رہی ہوتی ہیں اور کتنا اُجالا چاہئے تجھے۔" ساجد نے پُرمزاح لہجے میں کہا۔

"ساجد تو مذاق سمجھ رہا ہے مگر میں بے حد سنجیدہ ہوں۔"

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تجھے ہوا کیا ہے۔ اُجالا سے پہلے بھی تو سینکڑوں لڑکیاں تجھے دکھائی دی ہیں۔ اس لڑکی میں کیا خاص بات ہے جو تو پہلی نظر میں ہی گھائل ہو گیا۔" ساجد نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"پیار کا وار اسی طرح ہوا کرتا ہے۔ اچانک، ایک دم...... بے خبری کے عالم میں اور دل

کی دنیا ہی بدل کر رہ جاتی ہے۔'' ہارون اس نئے جذبے میں ڈوبے مدھم لہجے میں بولے۔

''مگر ہارون یہ میڈم عذرا تو سودا کر رہی ہے اُجالا کا، اور تم اس کی بات مان کر اسے مزید شہہ دے رہے ہو۔ اس طرح تو یہ دوسری لڑکیوں کے بھی دام وصول کر کے بیاہے گی۔'' ساجد نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

''تو تُو مجھے بیوقوف سمجھتا ہے۔'' ہارون نے اسے خفگی سے دیکھا۔

''پہلے نہیں سمجھتا تھا مگر اب سمجھنے لگا ہوں۔ پہلی نظر کی محبت سنی تو تھی، آج تمہارے دل ونظر کے پاگل پن کے طفیل دیکھ بھی لی ہے۔ یار نرا بے وقوف ہے تُو...... ہر کام تو سوچ سمجھ کے کرتا ہے اور شادی جو عمر بھر کا بندھن ہے، اسے تو ایک نظر اور ایک ملاقات میں طے کر رہا ہے۔ یار کچھ تو سوچ...... وہ اُجالا اس میڈم عذرا کی چمچی بھی تو ہو سکتی ہے۔ کہیں بعد میں وہ تجھے دغا نہ دے جائے اور یہ سارا چکر تیری دولت کے حصول کے لئے چلایا ہوا نہ نکلے۔''

''شٹ اَپ یار......'' ہارون نے اسے چپ کرا دیا۔ وہ اُجالا کے متعلق ایسی باتیں سن ہی نہیں سکتے تھے۔ وہ تو انہیں بہت معصوم اور پاکیزہ لڑکی محسوس ہوئی تھی۔

''اُجالا کے بارے میں ایسی فضول باتیں مت کہہ۔ وہ ایسی لڑکی نہیں ہے۔ اگر میں نے اُجالا کو اس دلدل سے نہ نکالا تو ساجد یار...... یہ میڈم اس کی شادی کسی لکھ پتی یا کروڑ پتی بڈھے سے کرا دے گی۔ ایسا ہوتا چلا آیا ہے یہاں۔ کونسا لڑکیوں کی خبر رکھنے والا کوئی ہے جو میڈم کو کسی کا خوف ہو۔ اسے تو روپیہ پیسہ چاہئے اور میں اُجالا کو پیسے نہیں، اپنے پیار سے خرید کر لے جاؤں گا۔''

''چلو کروڑ پتی بڈھے سے کروڑ پتی جوان بہتر ہے بلکہ بہت بہتر ہے، مگر ایک بات تُو میری بھی سن لے۔'' ساجد نے خبردار کرنے کے انداز میں کہا۔

''بول!''

''اگر...... واقعی اس لڑکی سے پہلی نظر میں محبت ہو گئی ہے تو تجھے اس پہلی نظر کی محبت کا واسطہ ہے اور وہ یہ کہ میڈم کو تو ...... لاکھ سے زیادہ ایک پائی بھی نہیں دے گا۔''

''اچھا یار نہیں دوں گا۔''

''چل اب وہ میڈم نجانے کیا سوچ رہی ہوگی۔'' ہارون نے آہستگی سے کہا اور اب کی بار وہ ساجد کا بازو پکڑ کر میڈم کے سامنے کرسی پر آبیٹھے۔

''یہ لیجئے میڈم یہ چار لاکھ روپے کا چیک ہے۔'' ہارون نے چیک بک سے چیک پھاڑ کر میڈم عذرا کو تھما دیا جسے دیکھتے ہی میڈم عذرا کی باچھیں کھل گئیں۔

اور میں مزید ایک لاکھ روپیہ اس ادارے کی بچیوں کے لئے ان کی بنیادی ضروریات کے لئے دوں گا اور شادی کے موقع تمام لڑکیوں کے لئے میں لباس اپنے پیسوں سے خرید کر بھجواؤں گا۔ تمام صفائی کے انتظامات بھی میرے آدمی آکر کر جائیں گے۔''

''پر ہارون......'' ساجد نے کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا تو ہارون نے اشارے سے اسے خاموش کرا دیا۔ ''تم چپ رہو مجھے بات کرنے دو۔''

''میڈم میں چاہتا ہوں کہ اُجالا اس ادارے سے اس طرح رُخصت ہو جس طرح بیٹی دلہن بن کر اپنے باپ کے گھر سے رُخصت ہوتی ہے۔ اسے کسی قسم کی کوئی کمی محسوس نہیں ہونی چاہئے۔'' ہارون نے دوبارہ میڈم عذرا سے بات شروع کر دی۔

''ٹھیک ہے ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔'' میڈم عذرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ سارے کاموں سے مفت میں جان چھوٹ رہی تھی۔ وہ تو بہت خوش تھیں، انہیں تو کچھ بھی نہیں دینا تھا۔

''اور ہاں میڈم! یہ چیک اس روز ہی کیش ہوگا، جس روز اُجالا کا مجھ سے نکاح ہو جائے گا۔ تاریخ میں نے جمعے کی ہی لکھی ہے۔'' ہارون نے سنجیدگی سے بتایا۔

''تو گویا آپ کو اعتبار نہیں ہے ہماری بات کا۔'' میڈم نے مسکرا کہا۔

''میڈم میں ایک بزنس مین ہوں۔ نفع نقصان پہلے دیکھتا ہوں اور ہر کام سوچ سمجھ کر کرتا ہوں۔'' ہارون نے مسکراتے ہوئے کہا، ساجد نے اسے خوب گھورا۔

''اور میڈم جمعے کو ہاف ڈے ہوتا ہے۔ چیک بینک بند ہونے سے پہلے کیش کرا لیجئے گا۔ پہلے نکاح، پھر چیک کیش کرایئے گا۔ چیک کیش نہ ہونے کی صورت میں آپ چار لاکھ کیش ہارون سے لے لیجئے گا چیک واپس کر کے۔ کیوں میں نے صحیح کہا نا؟'' ساجد نے جلدی سے کہنے کے بعد ہارون کی طرف دیکھا۔

''ہاں صحیح کہا!'' ہارون ہنس پڑے۔

''چلئے آپ کو مبارک ہو...... جمعے کے دن آپ آجایئے۔ اُجالا آپ کو دلہن کے روپ میں تیار ملے گی۔'' میڈم عذرا نے ہنس کر کہا تو ہارون بولے۔

''دلہن یعنی اُجالا کے لئے لباس اور زیورات بھی میں اپنی ملازمہ کے ہاتھ شادی والے دن ہی بھجواؤں گا۔ آپ کسی قسم کا تردد نہ کیجئے گا۔''

''جیسے آپ کی خوشی۔'' میڈم عذرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ انہیں تو زیور اور کپڑے کے

خرچ سے بھی چھٹکارا مل گیا تھا اور چار لاکھ روپے کا چیک، ادارے کے سارے انتظامات، نیا سامان سب کچھ مل رہا تھا۔ وہ تو بہت خوش تھیں اور کیوں نہ ہوتیں؟ سونے کی چڑیا آخر کام آ ہی گئی نا...... ٹھیک مول لگا ہے اُجالا کا۔ میڈم عذرا نے دل میں سوچا۔

☆☆☆

اُجالا اپنے کمرے میں بیڈ پر بیٹھی تھی اور ہارون کا دیا ہوا وزٹنگ کارڈ بڑے غور سے دیکھ رہی تھی کہ بلقیس اور اس کی ہم عمر لڑکیاں گروپ کی شکل میں کورس گاتی کمرے میں داخل ہوئیں۔ اس نے جلدی سے کارڈ اپنے تکیئے کے نیچے رکھ دیا اور ان کی طرف دیکھ کر بولی۔

''کیا ہوا ہے جو اس طرح گلے پھاڑ پھاڑ کر بے سُری ہوئی جا رہی ہو؟''

''ارے واہ! ہم سے پوچھتی ہے بچی کہ کیا ہوا ہے؟ اری ہم تو تجھ سے پوچھنے آئے ہیں کہ تُو نے کیا جادو چلایا ہے اُن اخبار والوں پر۔ جو وہ اپنا دل تجھے دے بیٹھے ہیں۔'' بلقیس نے بہت عامیانہ انداز میں کہا۔

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ میں میڈم سے کہہ کر کسی دماغی امراض کے ماہر ڈاکٹر کو بلواتی ہوں۔'' اُجالا نے بیڈ سے اُترتے ہوئے کہا تو سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔

''بے وقوف اتنے فلک شگاف قہقہے مت لگاؤ۔ اگر کمروں کی چھتوں میں شگاف پڑ گئے نا تو بارش میں نہایا کرو گی برساتی مینڈکوں کی طرح۔'' اُجالا نے اپنے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا، وہ پھر ہنس پڑیں۔

''بات ٹالو مت...... سچ سچ بتاؤ تمہیں کیسے لگے وہ؟'' راحیلہ نے شوخی سے پوچھا۔

''وہ کون؟ تم سب کس کی بات کر رہی ہو؟'' اُجالا سچ مچ نہیں سمجھی تھی، اُلجھ کر بولی۔

''لو جی انہیں پتا ہی نہیں ہے ارے اس جمعے تمہاری شادی ہو رہی ہے۔'' انجم نے دھماکہ کیا۔

''کیا؟'' وہ حیرت سے چیخ اُٹھی۔ ''میری شادی؟''

''ہاں! تمہاری شادی...... وہ جو آئے تھے نا اخبار والے ان سے۔'' بلقیس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس موٹے صحافی سے۔'' اُجالا کی نظروں میں ساجد کا بھاری بھر کم وجود آ سمایا۔

''نہیں اس کے ساتھ جو ہیرو ٹائپ شخص آیا تھا نا، اس سے ہو رہی ہے تمہاری شادی۔''

''میڈم نے تو ہاں کر دی ہے، اب تم ہاں کرو گی بنو رانی......'' انجم نے اس کی تھوڑی پکڑ

کر چھیڑنے والے انداز میں مزید انکشاف کیا۔

''میری شادی اتنی جلدی اور وہ بھی ہارون صاحب سے۔''

اُجالا حیرت کے عمیق سمندر میں غوطہ زن تھی۔ وہ سب اسے کافی دیر تک چھیڑنے کے بعد کمرے سے چلتی بنیں۔ میڈم عذرا نے اُجالا کو الگ کمرہ دیا ہوا تھا۔ سبب یہ تھا کہ یہ ادارہ اُجالا کے والد نے تعمیر کرایا تھا۔ اب اس کی بدقسمتی اُسے یہاں لے آئی تھی تو انہوں نے اُسے ایک علیحدہ کمرہ دے کر اپنی طرف سے اس پر احسان کر دیا تھا۔ اگر کبھی کسی وجہ سے جگہ کم ہو جاتی یا لڑکیوں میں آپس میں ناراضگی ہو جاتی تو میڈم کے کہنے پر اُجالا ایک دو لڑکیوں کو بخوشی اپنے کمرے میں ٹھہر لیا کرتی تھی۔ بعد میں میڈم انہیں سمجھا بجھا کر دوسرے کمروں میں یا ان کے سابقہ کمروں میں کھپا دیا کرتی تھیں۔

''ہارون صاحب نے مجھ سے شادی کا فیصلہ کیوں کیا اور اتنی جلدی کیسے کر لیا؟'' اس نے سوچا۔

مگر باآواز سوچ تھی جسے میڈم عذرا نے واضح طور پر سنا تھا۔ مسکراتے ہوئے اس کے قریب چلی آئیں اور بولیں۔ ''تم ہو ہی اتنی حسین و دلنشین کہ دیکھنے والا پہلی ہی نظر میں تمہیں دل دے بیٹھے۔''

''میڈم کیا یہ سچ ہے کہ میری شادی ہارون صاحب سے ہو رہی ہے؟''

''ہاں یہ سچ ہے...... اس جمعے کو تم ہارون صاحب کی دُلہن بن جاؤ گی۔'' میڈم عذرا نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''مگر یہ سب اچانک کیسے ہو گیا؟''

''اُجالا ڈیئر رشتے تو آسمانوں پر بنتے ہیں۔ تمہارا رشتہ ہارون صاحب کے ساتھ لکھا تھا سو وہ یہاں تک پہنچ گئے اور تمہارے قیامت خیز حسن و سیرت کے آگے اپنا دل ہار بیٹھے۔ وہ بہت شریف انسان ہیں۔ تم یقیناً اُن کے ساتھ خوش رہو گی۔ اب تم سو جاؤ اور شادی کے لئے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لو...... شب بخیر!''

میڈم عذرا کے کمرے سے جانے کے بعد اس نے دروازہ اندر سے لاک کر لیا اور واپس بیڈ پر آ کر تکیئے کے نیچے سے ہارون کا وزٹنگ کارڈ نکالا اور ہارون کا نام پڑھتے ہی حیا کے دھنک رنگ آپ ہی آپ اس کے چہرے پر بکھرنے لگے۔

''مس اُجالا آپ خوش رہا کریں۔ اُداسی اچھی نہیں لگتی بعض چہروں پر۔''

''جن چہروں سے ہم پیار کرنے لگتے ہیں ان چہروں کی اُداسی ہمیں تکلیف دیتی ہے۔''

''آپ کا نام اُجالا ہی ہونا چاہئے تھا۔''

ہارون کے یہ معنی خیز جملے اس کے دل میں ساعتوں کی شہنائیاں بجا رہے تھے۔

خوشی کا احساس اُس کے روم روم میں سما گیا تھا۔ کوئی اسے یعنی اُجالا فراز کو بھی چاہ سکتا ہے، اس کی تمنا کر سکتا ہے، اُسے اپنانے کے لئے بے تاب ہو سکتا ہے۔ اتنی جلدی اس کے قرب کا طلبگار بن کر آ سکتا ہے۔ یہ سوچ کر ہی اُسے ہارون پر پیار آ رہا تھا۔ اسے اپنی قسمت کی مہربانی آج پہلی بار محسوس ہو رہی تھی۔ ورنہ وہ تو ہمیشہ اپنی قسمت سے نالاں ہی رہی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے حصے کی خوشیاں اور محبتیں اپنے والدین کی زندگی میں وصول کر چکی ہے۔ اب زندگی میں کوئی خوشی، کوئی محبت اس کی منتظر نہیں ہے۔ کوئی اس کے لئے محبت محسوس نہیں کرے گا۔ مگر ہارون کی صورت میں اسے، خوشیوں اور محبتوں کا احساس پھر سے مل رہا تھا۔ وہ بہت مسرور ہو رہی تھی۔

''ہارون!'' اُجالا نے کارڈ پر لکھے ہارون کے نام پر اپنے گلاب سے نرم ہونٹ رکھ دیئے اور یہ رات اس نے ہارون کے حوالے سے خواب دیکھتے گزاری۔ خوشی اس کے پورے وجود سے چھلک رہی تھی۔ وہ فطرتاً بہت محبت کرنے والی لڑکی تھی اور اب جب ہارون نے اسے اپنانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا اور میڈم عذرا سے اپنی بات منوا بھی لی تھی، وہ ہارون کو دل کی گہرائیوں سے چاہنے لگی تھی۔ ایک اتفاقی ملاقات نے اس کی دنیا ہی بدل دی تھی۔ ہارون کی محبت نے اس کے دل کی دھڑکنوں کو ایک نیا انداز عطا کر دیا تھا۔ خوشی، مسرت و انبساط کے انوکھے رنگوں اور احساس کے لطیف جذبوں سے روشناس کرایا تھا۔ وہ اپنے چاہنے والے کے لئے اپنی زندگی بھی قربان کر دینے کا عزم رکھنے والی لڑکی تھی اور ہارون کو اس نے اپنی تمام تر محبتوں اور چاہتوں کا محور دل سے تسلیم کر لیا تھا۔

☆☆☆

ہارون نے اپنا کہا پورا کر دکھایا۔ انہوں نے دارالامان کو بہت اچھی طرح سجایا۔ تمام لڑکیوں کو کپڑے، جوتے اور دیگر ضرورت کی چیزیں جو اُجالا نے ان سے ڈونیٹ کرنے کے لئے کہی تھی، وہ سب چیزیں انہوں نے لڑکیوں تک پہنچادی تھیں اور آج شادی کا دن تھا۔ ہارون کا پہنایا ہوا سُرخ عروسی جوڑا پہن کر اُجالا کا حُسن مزید نکھر گیا تھا۔ جھلملاتے زیورات اور عروسی میک اپ میں مہندی سے سجے ہاتھوں میں سُرخ سنہری چوڑیاں پہنے ہارون کے دل پر قیامت ڈھا رہی تھی۔ انہوں نے دل ہی دل میں اس کی نظر اُتار دی۔ نکاح بخیر وخوبی انجام پایا۔ ہارون کے ساتھ صرف ان کی بیگم اور ہارون کے گھریلو ملازمین میں گلو چاچا اور آمنہ بی جنہیں ہارون انا بی کہا کرتے

تھے، آئی تھیں۔ وہ لوگ ان کی طرف سے بطور گواہ پیش ہوئے تھے۔ اُجالا کو اس کی سہیلیوں نے گھیر رکھا تھا اور ہارون کے حوالے سے اسے خوب تنگ کر رہی تھیں۔ وہ ان کی چھیڑ چھاڑ سے خوب محظوظ ہو رہی تھی۔

''اُجالا اپنے دولہا میاں کو تو دیکھو، سیاہ تھری پیس سوٹ میں اصلی فلمی ہیرو لگ رہے ہیں۔ ایمان سے کہہ رہی ہوں تم ان کی نظر اُتار لو ورنہ انہیں نظر لگ جائے گی ہماری'' بلقیس نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''خبردار! جو میرے دولہا میاں کو کسی نے بُری نظر سے دیکھا ہو۔ آنکھیں نکال دوں گی۔'' اُجالا اپنی عادت سے مجبور تھی۔ خاموش کہاں رہ سکتی تھی، فٹ سے جواب دیا تو وہ سب ہنسنے لگیں۔

''ارے واہ! کیا احساسات ہیں، ابھی سے یہ حال ہے تو یہاں سے وہاں جا کر تو تم ہمیں گھاس بھی نہیں ڈالو گی۔'' انجم نے اس کے ہاتھ پر چٹکی بھر کر کہا۔

''تمہیں گھاس کھانے کا شوق ہے تو میں بھجوا دوں گی تمہارے لئے دو تین ٹرک گھاس کے۔'' اُجالا نے بھی فوراً بدلا اُتارتے ہوئے اس کے بازو پر زور سے چٹکی بھر کر کہا تو اس کی چیخ نکل گئی۔ باقی سب لڑکیاں ہنسنے لگیں۔

''اُجالا تمہارا ہاتھ اچھے ہاتھ میں جا رہا ہے۔ بہت مالدار ہیں تمہارے دولہا صاحب۔ پورے چار لاکھ روپے دیئے ہیں انہوں نے تمہارے بدلے میں میڈم کو...... ورنہ تو میڈم عذرا یہ شادی ہونے ہی نہ دیتیں......'' زبیدہ نے بڑے کاٹ دار لہجے میں کہا۔ وہ لگائی بجھائی اور فساد پڑوانے میں ماہر تھی اور ہر خوشی کے موقع پر کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور کہہ جاتی تھی کہ جس سے دوسرے کی ساری خوشی پر پانی پڑ جاتا تھا۔

''تم سے کس نے کہا؟'' اُجالا نے سنجیدہ ہو کر پوچھا۔

''مجھے کس نے کہنا یا بتانا تھا۔'' وہ بڑی ادا سے بولی۔ ''میں خود ہی ہر بات کی خبر رکھتی ہوں۔ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سُنا ہے۔ ہارون صاحب کو میڈم عذرا بتا رہی تھیں کہ ان کا دیا ہوا چار لاکھ روپے کا چیک کیش ہو گیا ہے۔ بہت بہت شکریہ! اب آپ اُجالا کو اپنے ساتھ لے جا سکتے ہیں...... ویسے اچھے نیک دل شخص دکھائی دیتے ہیں ہارون صاحب! تمہاری قیمت بھی ادا کر دی ہے اور ہم سب کے لئے کپڑے، جوتے، کمبل، بستروں کی چادریں، کتابیں وغیرہ بھی بھجوا دی ہیں۔ تم تو خوب عیش کرو گی ان کے گھر میں۔''

"ہارون نے میری قیمت ادا کی ہے میڈم کو......" اُجالا دُکھی ہو کر بولی۔

"ظاہر ہے تم ہیرا ہو ہیرا...... میڈم تمہیں یونہی تو کسی کے حوالے نہیں کر سکتی تھیں۔ انہوں نے بالکل صحیح قیمت لگائی ہے تمہارے حسن کی۔ ارے میڈم عذرا اسی لئے تو تمہیں آفس جانے کے لئے کہتی تھیں تا کہ کوئی مالدار آسامی آئے اور تمہارے حُسن اور گفتگو سے متاثر ہو کر تمہارا ہاتھ مانگے اور میڈم اپنا ہاتھ پھیلا کر تمہارے بدلے منہ مانگی قیمت وصول کر لیں۔ سو آج وہ کامیاب ہو گئی ہیں اپنے اس منصوبے میں اور بہت خوش ہیں۔ انہیں تو تمہاری شادی پر اپنی طرف سے ایک آنہ بھی خرچ نہیں کرنا پڑا۔ سب کچھ ہارون صاحب کے پیسوں سے ہوا ہے۔ دولت چیز ہی ایسی ہے، سب کچھ خرید لیتی ہے۔" زبیدہ نے اپنی بات مکمل کی اور اس کے پاس سے اُٹھ گئی۔

"اس نے تو آگ لگائی تھی سو چنگاریاں چھوڑ گئی ہے۔" اُجالا تم اس گھٹیا لڑکی کی باتوں پر دھیان مت دینا اور خوشی خوشی ہارون بھائی کے ساتھ جانا۔" بلقیس نے نرمی سے سمجھایا۔

"خوشی...... ہاں......خوشی......" اُجالا بس یونہی بول پائی۔ اس کی ساری خوشی کافور ہو گئی تھی۔ زبیدہ کے جملوں نے اس کے دل پر کاری ضرب لگائی تھی۔ وہ اپنے آپ سے شرمندہ ہو رہی تھی۔ حیرت، دکھ اور احساسِ ذلت سے اس کا رواں رواں جل رہا تھا۔ اس کا دلکش چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ دل ریزہ ریزہ ہو رہا تھا، دُکھی ہو رہا تھا، رو رہا تھا۔

"تو میں ایک خریدی ہوئی لڑکی کی حیثیت سے ہارون کے ساتھ جاؤں گی۔ ان کی بیوی کی حیثیت سے نہیں۔ میڈم نے میرا سودا کیا، میری بولی لگائی اور منہ مانگی قیمت وصول بھی کر لی......" اُجالا نے بہت دکھ سے سوچا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری جا رہی تھیں جنہیں وہ بڑی مشکل سے روک رہی تھی۔

"جہاں میں نے اپنی عمر کے دس برس گزارے، وہاں میری قیمت لگا دی گئی۔ میں اب یہاں رہ کر کیا کروں گی؟ میڈم اس حد تک گر سکتی ہیں اور ہارون! وہ تو ایسے دکھائی نہیں دیتے تھے اور انہوں نے مجھے خرید لیا، اپنی محبت سے نہیں، دولت سے۔ میڈم کو تو میں اپنا سمجھتی تھی، جب انہوں نے ہی اپنائیت کا بھرم توڑ ڈالا ہے تو...... ہارون تو غیر تھے۔ ان سے کسی اچھائی یا محبت کی توقع رکھنا سراسر حماقت تھی میری۔ جب اپنے ہی پیار نہ دے سکیں تو بھلا غیر کیا محبت دیں گے۔ وہ بھی مجھ جیسی یتیم، بے سہارا اور کنگال لڑکی کو۔ اپنے ہی اپنے نہ بن سکے تو غیر کیسے اپنے بن سکتے ہیں۔ وہ بھی ایک ملاقات میں۔"

"میں نے ہارون کو اپنے دل میں جگہ دی، یہ میری حماقت تھی یا شاید محبت تھی مگر انہیں تو

مجھ سے محبت نہیں ہے۔ اتنی جلدی بھی کسی سے پیار ہوا ہے کبھی۔ اتنی جلدی تو خود پر بھی اعتبار نہیں آتا۔ سال مہینے لگتے ہیں کسی مورت کو تراشنے میں، تب کہیں جا کے دل کے مندر میں رہنے کے لائق صورت بن کے اُبھرتی ہے۔ پر میں نے یہ کیا کیا، مجھے تو پہلی ملاقات ہی نے محبت کی زنجیروں میں جکڑ لیا۔ اس میں میری اپنی ہی خطا ہے۔ مجھے ہی اپنے آپ پر، اپنے دل پر اختیار نہیں رہا تھا۔ شاید محبت میں اختیار صرف محبت کو حاصل ہوتا ہے۔"

اُجالا اپنی سوچوں میں گم تھی کہ میڈم عذرا نے اس کا شانہ پکڑ کر ہلایا اور وہ بری طرح چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"اُٹھو اُجالا رخصتی کا وقت ہو گیا۔" میڈم عذرا نے بہت نرم اور شیریں لہجے میں کہا۔

"رُخصتی کا، دلہن کی رخصتی کا یا جنازے کی رُخصتی کا......" اُجالا نے تلخی سے سوچا۔

ایک دم سے اس کا دل نفرت اور غصے سے بھر گیا۔ اسے سب سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

"اُجالا کے جانے سے ہمارے ادارے میں تو اندھیرا ہو جائے گا ہارون بھائی۔" بلقیس جو اُجالا کا بازو پکڑے چل رہی تھی، اس کے برابر میں چلتے ہارون کی طرف دیکھ کر بولی تو ہارون نے پیار بھری نگاہ اُجالا کے چہرے پر ڈالی اور مسکراتے ہوئے بولے۔

"آپ اُجالا کی یادوں سے اُجالا کر لیجئے گا۔"

"خاصے حاضر دماغ ہیں موصوف۔" اُجالا نے دل میں کہا۔

"ہارون بھائی! آپ اُجالا کو ہم سے ملوانے تو لاتے رہیں گے ناں؟" انجم نے پوچھا۔

"جی ہاں بالکل لایا کروں گا۔" ہارون نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اچھا اُجالا بیٹی اللہ کے حوالے۔" میڈم عذرا نے اسے گلے لگا کر کہا۔ "خدا تمہیں خوش رکھے۔"

اُجالا کی آنکھوں سے ان جھوٹے جذبوں کے اظہار پر ایک آنسو بھی نہ ٹپکا۔ البتہ وہ بلقیس، انجم، راحیلہ اور ادارے کی پرانی خادمہ حمیدہ بی بی جو اس کے والد کے زمانے سے اس ادارے سے وابستہ تھیں، سے ملتے وقت وہ آنسوؤں پر مزید بند نہ باندھ سکی اور آنسوؤں کے سیلاب کو بہنے دیا۔ قرآن کے سائے میں اسے ہارون کی شاندار سجی ہوئی کار میں پچھلی سیٹ پر بٹھا دیا گیا۔ ساجد تو ان کی تصویریں کھینچنے میں مگن تھے۔ ہارون کے پچھلے سیٹ پر اُجالا کے ساتھ بیٹھتے ہی ساجد نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ ان کے برابر اس کی بیوی ثوبیہ بیٹھی تھی۔ وہ دونوں ہی بہت خوش مزاج میاں بیوی تھے اور دونوں کی جوڑی بہت خوبصورت تھی۔ اُجالا کو اس کی سہیلیوں نے چند

تحائف بھی دیئے تھے اور میڈم عذرا نے اسے ایک خوبصورت کرسٹل کا ڈیکوریشن سیٹ دیا تھا جو کہ انہوں نے رسماً ہی دیا تھا۔ چونکہ وہ اس ادارے کی نگران تھیں۔ لہٰذا انہیں یہ فرض تو ادا کرنا ہی تھا۔

اس کی سہیلیاں خوش ہونے کے ساتھ ساتھ افسردہ بھی تھیں اور دل سے اس کی زندگی کے، اس کے نئے سفر کے لئے نیک تمناؤں اور دُعاؤں کا اظہار کر رہی تھیں۔

☆☆☆

''ہارون ولا'' میں کار رُکی تو آمنہ بی بی نے ہی اُجالا کی جانب آکر گاڑی کا دروازہ کھولا۔ وہ ان سے پہلے ہی ان کے استقبال کے لئے وہاں پہنچ گئی تھیں۔ ہارون نے سادگی سے شادی کا اہتمام کیا تھا جبکہ ولیمے پر شاندار دعوت دینے کا ارادہ تھا ان کا۔ اسی وجہ سے اس تقریب میں گھر کے ملازموں اور ساجد اور اس کی بیوی ثوبیہ کے علاوہ ان کا کوئی دوست یا عزیز رشتے دار موجود نہیں تھا۔

آمنہ بی اور ثوبیہ نے اُجالا کو دائیں بائیں سے پکڑا اور قرآن کے سائے میں اندر لے گئیں۔ وہ جہاں سے بھی گزری، اسے اپنے قدموں تلے سرخ رنگ کا کارپٹ بچھا دکھائی دیا۔ ایک لمحے کو تو وہ خود کو شہزادی تصور کرنے لگی تھی مگر دوسرے ہی لمحے وہ ایک خریدی ہوئی لڑکی کے خیال سے تڑپ کر رہ گئی۔

''ثوبی تم ذرا بھابی کو ڈرائنگ روم میں ادھر صوفے پر بٹھاؤ۔ دُولہا ہارون ملک کے ساتھ ان کے چند خصوصی پوز ہو جائیں۔ میرا کیمرہ اس خوبصورت کپل کو خوش آمدید کہنے کے لئے بے چین ہے۔'' ساجد نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی کہا۔

ہارون دھیرے سے ہنس دیئے۔

ثوبیہ نے اُجالا کو صوفے پر بٹھا دیا۔ ہارون بھی اس کے قریب ہی بیٹھ گئے۔ ساجد نے ان دونوں کی کئی تصویریں کھینچیں۔ اپنے اور ثوبی کے ساتھ بھی تصویریں بنوائیں اور گھر کے ملازمین خاص کر آمنہ بی ان تصویروں میں نمایاں تھیں۔

''ساجد اب بس کریں۔ بھابی تھک گئی ہوں گی۔ انہیں ان کے کمرے تک پہنچانے دیں مجھے۔'' ثوبیہ نے ساجد کی طرف دیکھ کر کہا۔

''او کے رول بھی ختم ہو گیا ہے۔'' ساجد نے مسکراتے ہوئے کیمرہ کور میں بند کر دیا۔

ثوبیہ اُجالا کو لے کر ہارون کے بیڈ روم میں داخل ہوئیں تو اُجالا کو تازگی کا احساس ہوا۔ گلاب کی خوشبو اس کی سانسوں میں اُتر گئی۔ کمرہ ایئر فریشنر اور گلابوں کی خوشبوؤں سے مہک رہا تھا۔

جگہ جگہ گلاب سجے ہوئے تھے۔ سرخ، نارنجی، زرد اور نج ہر رنگ کے گلاب بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر ڈریسنگ ٹیبل پر میز پر اور کارپٹ پر گلاب ہی گلاب تھے۔ ہر سو اور خوبصورت سجی ہوئی دلہن کی سیج جس پر ثوبیہ نے اسے بٹھا دیا تھا اور اب وہ اس سے ہارون کی ہی باتیں کر رہی تھیں۔ ثوبیہ نے ہی اسے بتایا کہ ہارون کے والدین کا انتقال ہو چکا ہے۔ آمنہ بی نے انہیں اور ان کی بہن کو اپنے بچوں کی طرح پالا ہے۔ تین سال پہلے وہ ماں باپ دونوں کے سائے سے محروم ہو گئے تھے۔ ان کی بڑی بہن عائشہ اپنے تین بچوں اور شوہر کے ساتھ شارجہ میں مقیم ہیں اور بہت خوشگوار زندگی بسر کر رہی ہیں اور یہ بھی کہ ہارون کافی عرصے سے شادی پر آمادہ نہیں ہو رہے تھے مگر جب اُجالا کو دیکھا تو فوراً ہی اس سے شادی کا فیصلہ کر لیا اور بھی بہت کچھ ثوبیہ نے اسے ہارون کے متعلق بتایا۔ وہ عجیب طرح کی اُلجھن اور کشمکش میں مبتلا ہوتی جا رہی تھی۔ سچ کیا ہے، جھوٹ کیا ہے؟ اس کی شادی اور چار لاکھ والا معاملہ کتنا سچا ہے وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی مگر یہ بات اسے اندر ہی اندر ڈس رہی تھی کہ اسے چار لاکھ روپے لے کر ہارون کی دلہن بنایا گیا ہے۔

ثوبیہ آدھے گھنٹے بعد چلی گئی تو اس کے جاتے ہی اس نے سارے زیورات اُتار دیئے۔ اپنے سوٹ کیس میں سے اپنا سوٹ نکالا اور ڈریسنگ روم میں جا کر عروسی جوڑا اتار کر وہ سوٹ پہن لیا اور منہ ہاتھ دھو کر کمرے میں آ گئی۔

ہارون کافی دیر بعد ساجد اور ثوبیہ کو رخصت کر کے بیڈ روم آئے۔ وہ صوفے بیٹھی تھی اور خود کو ان سے لڑنے کے لئے تیار کر چکی تھی۔ ہارون نے اسے یوں سادگی سے آسمانی رنگ کے کاٹن کے سوٹ میں ملبوس صوفے پر بیٹھے دیکھا تو انہیں بہت حیرت ہوئی۔ وہ اس کے سامنے میز پر بیٹھ گئے۔

''اُجالا ڈیئر یہ تو بہت زیادتی ہے۔ میں نے اس رات کے انتظار میں دن گن گن کر گزارے ہیں اور آپ نے اپنا روپ ہی تبدیل کر لیا۔ میں تو آپ کو دلہن کے روپ میں پھولوں کی اسی سیج پر بیٹھا ہوا دیکھنے کا آرزو مند تھا۔ تھوڑا سا انتظار کر لیا ہوتا کم از کم ہمیں اپنا دلہن والا حسین روپ قریب سے دیکھنے کا شرف تو بخش دیا ہوتا۔ یہ تو بہت ناانصافی ہے اور آپ کو اس ناانصافی کی تلافی کرنا ہو گی۔'' ہارون نے بے حد نرم اور محبت آگیں لہجے میں کہا۔

''اور جو انصافی آپ نے میرے ساتھ کی، اس کی تلافی کون کرے گا۔'' اُجالا نے نہایت سپاٹ لہجے میں کہا تو وہ حیران ہو کر بولے۔

''بھئی کون سی انصافی کیسی تلافی؟'' اس پہلی ملاقات کے بعد میں اب آپ سے مل رہا ہوں۔ اس عرصے میں ایسا کون سا جرم سرزد ہو گیا ہے مجھ سے جو آپ اس قدر خفا ہو رہی ہیں؟''

"آپ نے مجھے چار لاکھ روپے دے کر خریدا ہے...... ہے نا؟"

"واٹ!" ہارون کو یکدم دھچکا لگا اس کی زبان سے یہ الفاظ سن کر، لیکن وہ کچھ کچھ بات کو سمجھ رہے تھے۔ انہیں بلقیس نے بتا دیا تھا کہ زبیدہ نے چار لاکھ والی بات اُجالا کو کس انداز میں بتائی ہے۔ مگر انہیں یہ اندازہ نہیں تھا کہ اُجالا اس بات کو اس قدر سنجیدہ بھی لے سکتی ہے۔

"اُجالا تمہیں شدید نوعیت کی غلط فہمی ہوئی ہے......" ہارون نے ٹائی کی ناٹ کھولتے ہوئے کہا۔

مگر وہ یقین کرنے کو تیار نہ تھی۔ غصیلے لہجے میں بولی۔

"مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی۔ آپ نے میڈم عذرا سے خریدا ہے مجھے۔ انہوں نے میری بولی لگائی اور آپ نے انہیں ان کی منہ مانگی قیمت ادا کر دی۔ میرا سودا کیا ہے آپ نے...... یہی ہے آپ کی مردانگی؟ آپ نے مجھے اتنا گھٹیا، لاوارث اور بے وقعت سمجھا تھا جو مجھے اپنی دولت کے بل پر خرید لائے۔"

"شٹ اَپ!" ہارون کو بھی غصہ آ گیا۔ وہ قدرے اونچی آواز میں بولے...... "میں نے تمہیں خریدا ہوتا تو میں تم سے نکاح ہرگز نہ کرتا۔ یہ اہتمام ہرگز نہ کرتا۔"

"آئی ہیٹ یو مسٹر ہارون...... نفرت ہو گئی ہے مجھے آپ سے۔" وہ بھیگتی آواز میں بولی۔

"اس کا مطلب ہے کہ اس بات کے معلوم ہونے سے پہلے تک تمہیں مجھ سے محبت ہو چکی تھی۔ اُجالا کیا ایسا ہی تھا؟" ہارون نے اس کے میک اَپ سے بے نیاز چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔ میک اَپ کے دُھلے دُھلے اثرات سے اس کا چہرہ اور بھی حسین و دلکش لگ رہا تھا۔

"میں جھوٹ نہیں بولتی۔" اس نے بھیگتی ہوئی آواز میں کہا۔ "ہاں مجھے آپ سے محبت ہو گئی تھی اور میں نے اپنی ساری محبتوں کا حقدار صرف آپ کو سمجھ لیا تھا مگر اب مجھے نفرت ہے آپ سے...... آپ نے مجھے خریدا ہے۔"

"خریدی ہوئی لڑکی کے ساتھ کیسا سلوک کیا جاتا ہے؟ جانتی ہو تم؟" ہارون نے کہا۔

"میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ مجھے آپ سے نفرت ہے۔" وہ بولتے ہوئے رو پڑی۔

"چلو کوئی بات نہیں...... نفرت بھی تو محبت کے اظہار کا ایک طریقہ ہے اور نفرت کا اظہار بھی انہیں سے کیا جاتا ہے جن سے محبت کا رشتہ ہو۔" ہارون اس کے اعتراف محبت پر بے حد مسرور تھے مسکراتے ہوئے بولے۔

اُجالا نے روتے ہوئے کہا: "کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا، یہاں سب دولت سے پیار

کرتے ہیں۔ کچھ لوگ دولت حاصل کرنے کے لئے خون کے رشتے بھلا بیٹھتے ہیں اور کچھ لوگ اپنی دولت کے بل بوتے پر مجھ جیسے انسانوں کو خرید لیتے ہیں۔ میں سمجھی تھی کہ آپ کو مجھ سے محبت ہو گئی ہے، اسی لئے آپ مجھے اپنانا چاہتے ہیں۔"

"تم نے بالکل صحیح سمجھا تھا۔" ہارون نے اسے پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نہیں...... میں نے غلط سمجھا تھا۔ آپ تو بزنس مین ہیں ناں۔ انسانی رشتوں کو بھی دولت کے ترازو میں تولتے ہیں سب...... سب لوگ دولت سے پیار کرتے ہیں۔ میڈم نے دولت کے لئے میرا سودا کر دیا...... اور آپ نے...... آپ نے کیا سوچ کر میری قیمت ادا کی تھی بتائیے؟"

اُجالا نے روتے ہوئے پوچھا۔

"اُجالا پلیز سمجھنے کی کوشش کرو۔ مت روؤ...... میں تو تمہاری آنکھوں میں خوشیوں کے ستارے جگمگاتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا۔ ان آنسوؤں سے تمہیں نجات دلانا چاہتا تھا میں نے بہت خلوص سے تمہیں اپنایا ہے۔ سچے دل سے تمہیں چاہا ہے اور رہی بات چار لاکھ روپے کی، تو اگر میں میڈم عذرا کو چار لاکھ ادا نہ کرتا تو انہوں نے کسی اور لکھ پتی یا کروڑ پتی ستر، اَسّی سالہ بوڑھے یا جوان سے اتنی ہی یا شاید اس سے بھی زیادہ قیمت وصول کر کے تمہیں اس کے ساتھ بیاہ دینا تھا۔ میں نے میڈم کے رویے میں لالچ کو محسوس کر لیا تھا۔ جبھی اتنی جلدی کی تا کہ میڈم تمہیں کسی اور کے حوالے نہ کر دے۔ میں محبت کرتا ہوں تم سے اور میں اپنی محبت کے ساتھ ناانصافی ہرگز نہیں کر سکتا۔"

"وہ تو آپ کر چکے ہیں۔" اُجالا نے بھیگی آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"اتنی جلدی بھی کسی کو کسی سے محبت ہوتی ہے؟ آپ نے اپنی دولت سے مجھے خریدا ہے محبت سے نہیں...... میں کوئی بکاؤ مال تو نہیں تھی جو آپ نے مجھے خرید لیا۔"

"اُجالا پلیز......" ہارون قدرے بلند آواز میں بولے۔ "تم انسلٹ کر رہی ہو میرے سچے اور بے ریا جذبے کی اور میں اپنی انسلٹ برداشت نہیں کر سکتا۔"

"انسلٹ تو آپ نے میری کی ہے۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

انہوں نے نرمی سے اُسے یقین دلانا چاہا۔

"میں نے صرف محبت کی ہے تم سے۔" اس نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ "کوئی کسی سے محبت نہیں کرتا۔"

"تو تم نے مجھ سے محبت کیوں تھی؟" ہارون کا لہجہ شوخ ہو گیا۔

"حماقت کی تھی" اس نے آنسو دوپٹے سے صاف کر لئے۔

''بے وقوف لڑکی حماقت تو تم اب کر رہی ہو۔'' ہارون نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں تمہارے لئے کیا جذبات رکھتا ہوں، یہ تم میرے دل میں جھانک کر دیکھو تو تمہیں معلوم ہو......''

''پتا نہیں امی بابا کیوں چلے گئے مجھے اکیلا چھوڑ کر...... مجھے اپنے ساتھ کیوں نہیں لے گئے؟'' وہ دکھی لہجے میں بولی تو ہارون نے شوخ لہجے میں کہا۔

''وہ تمہیں اپنے ساتھ اس لئے نہیں لے گئے کیونکہ انہیں میری تنہائی کا خیال تھا۔''

''کاش! میں بھی ان کے ساتھ مر گئی ہوتی۔'' اس نے بہت قنوطی اور حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

''اُجالا ایسی فضول باتیں مت کرو۔'' ہارون تڑپ کر بولے۔ ''خوش قسمت ہو تم کہ میڈم نے تمہیں کسی اور کے حوالے نہیں کیا۔ میں میڈم عذرا کے خلاف انکوائری کروا رہا ہوں۔ بہت جلد وہ اپنے انجام کو پہنچ جائے گی اور تمہارے بابا جان کا بنایا ہوا وہ ادارہ تمہاری سرپرستی میں چلے گا۔ میں انشاء اللہ وہاں سے ساری کرپشن دور کر کے رہوں گا۔''

''کیوں آپ کو کیا پڑی ہے یہ نیکی کمانے کی؟'' اُجالا نے طنزیہ لہجے میں پوچھا۔

''نیکی کمانا کسے برا لگتا ہے؟'' ہارون نے مسکراتے ہوئے کہا، وہ خاموش رہی۔

''اور اُجالا تم صرف حسین ہو، ذہین بالکل نہیں ہو۔ میں نے ہی تمہاری ذہانت کے متعلق بلند و بانگ اندازے لگا لئے تھے۔ ارے اگر تم ذرا سی بھی ذہین ہوتی ناں تو شادی سے پہلے مجھ سے بات کر کے اس معاملے کو کلیئر کرا لیتیں یا اگر تمہیں مجھ سے اتنی ہی شدید نفرت ہو گئی تھی تو تم نے مجھ سے شادی ہی نہ کی ہوتی۔ انکار کر دیا ہوتا اس شادی سے۔''

''میں ضرور انکار کر دیتی مگر مجھے نکاح کے بعد یہ سب معلوم ہوا تھا۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا۔

''اور غلط معلوم ہوا تھا۔''

''اُجالا!'' ہارون نے اس کے شانوں پر ہاتھ رکھے ہی تھے کہ اس نے فوراً جھٹک دیئے

''مت ہاتھ لگائیں مجھے۔''

''کیوں نہ لگاؤں؟'' تم میری بیوی ہو اور اگر تم خود کو خریدی ہوئی لڑکی سمجھ رہی ہو نا تو خریدی ہوئی لڑکی پر تو ہر طرح کا حق رکھتا ہے خریدار۔ میں اگر اتنا گھٹیا اور عیاش شخص ہوتا، تمہیں غلط نیت سے یہاں لایا ہوتا تو لڑکی اب تک تمہارا سب کچھ لٹ چکا ہوتا۔ بیوپار کرنے والے میرے

جیسے شریف آدمی نہیں ہوتے۔'' ہارون نے قدرے سخت اور تیز لہجے میں کہا تو وہ بری طرح سہم گئی۔

''واقعی وہ صحیح کہہ رہے تھے۔ یہ غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے۔'' اُجالا نے سوچا۔

''آ...... آپ میڈم کو اس ادارے سے نکلوا سکتے ہیں؟'' اُجالا نے اپنی حالت پر قابو پا کر پوچھا۔

''ہاں......'' انہوں نے یقین سے کہا۔

''میں میڈم عذرا کو چھوڑوں گی نہیں۔'' اس نے پرعزم مگر انتقامی لہجے میں کہا۔

''اور مجھے......'' ہارون فوراً ہی نرم پڑ گئے۔ شوخی سے بولے۔

''آپ کو بھی نہیں چھوڑوں گی۔''

''میڈم عذرا پر تو تمہیں غصہ ہے کہ انہوں نے تمہاری قیمت وصول کی ہے۔ انہیں تو تم اس کی سزا دلوانے کے لئے پکڑو گی اور مجھے اس لئے نہیں چھوڑو گی کہ تم مجھ سے اب بھی محبت کرتی ہو...... کرتی ہو نا؟'' ہارون نے اس کی شربتی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اتنے یقین سے کہا کہ وہ گڑبڑا گئی۔

اس کے پورے بدن میں اک آگ سی دوڑ گئی۔ ان کے قُرب کا احساس اسے ایک دم سے نروس کر گیا۔ دل ان کی محبت میں دھڑک رہا تھا مگر نظریں چرا کر بولی۔

''جی نہیں...... خوش فہمی ہے آپ کی۔''

''تو کیا تم واپس دارالامان جانا چاہتی ہو؟'' ہارون کا چہرہ یکدم مرجھا گیا۔

''نہیں!''

''میرے ساتھ رہنا چاہتی ہو؟''

''ہاں!'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''اپنی خوشی سے یا......؟''

''پتہ نہیں'' اس نے ان کی ادھوری بات فوراً مکمل کر دی۔

''ٹھیک ہے، میں تمہیں مجبور تو نہیں کروں گا۔ مگر اتنا ضرور کہوں گا کہ تمہیں بہت جلد میری محبت کا یقین آ جائے گا۔ میری نیت نیک تھی اس لئے مجھے تمہارے اس رویے نے بہت ہرٹ کیا ہے۔ بھلا یہ رات بھی ایسی فضولیات کی نذر کرنے کی ہوتی ہے؟'' ہارون نے دُکھ بھرے لہجے میں کہا۔ ان کی ساری خوشی اس کے سرد رویے نے ختم کر کے رکھ دی تھی۔

''چلو میں بُرا ہی سہی، تم نے میری بات کا یقین تو کرنا نہیں ہے کیونکہ تم اس وقت غصے

میں ہو۔ لہٰذا اس موضوع پر میں تم سے صبح بات کروں گا۔'' ہارون نے آرام سے کہا۔

''لیکن مجھے اب آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔'' اُجالا نے بے مروتی کی انتہا کردی۔

''تو آخر تم کرنا کیا چاہتی ہو؟'' وہ ہارون کے جذبات کو مسلسل نظر انداز کر رہی تھی۔ انہوں نے تاسف بھرے لہجے میں پوچھا۔

''میں سونا چاہتی ہوں۔'' وہ سنجیدگی سے بولی۔

''اچھی بات ہے، میں بھی تم سے یہی کہنے والا تھا۔ یہاں سے اُٹھو اور بیڈ پر جا کر سُو جاؤ۔ شاید تمہارے دماغ میں کوئی اچھی بات آجائے جو میرے پیار کو پہچان سکے۔ اُجالا میں نے تو اس پہلی ملاقات کے بعد تم سے ملنے کی کوشش بھی نہیں کی تھی۔ صرف اس لئے کہ میں نے تمام اظہار آج کے دن کے لئے، اس رات کے لئے سینت سینت کر رکھے تھے۔ میں اپنے جذبات کا اظہار آج اس سہاگ رات میں کرنا چاہتا تھا۔ مگر تم نے مجھے اتنے بڑے الزامات میں الجھا کر رکھ دیا ہے کہ...... خیر تم سو جاؤ...... شب بخیر۔'' ہارون نے کہا اور ڈریسنگ روم میں چلے گئے۔

''پتا نہیں میں صحیح کر رہی ہوں یا غلط کر رہی ہوں۔'' وہ پریشانی سے سوچتی ہوئی بیڈ کی طرف آگئی۔ پھولوں کی لڑیوں کو ہاتھ سے ایک طرف ہٹایا تو دل بے اختیار تڑپا اور ''ہارون ہارون'' کا ورد کرنے لگا۔ وہ اداس سی بیڈ پر لیٹ گئی۔

اس نے اپنے دل کو ٹٹولا جہاں اب ہارون کے لئے کوئی نفرت یا غصہ نہیں تھا۔ ان کا دلکش چہرہ اسے اپنی بند آنکھوں کے پیچھے پوری آب و تاب کے ساتھ چمکتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ وہ اپنے کہے ہوئے الفاظ پر، اپنے رویے پر پشیمان ہو رہی تھی۔ ہارون کی باتیں، ان کی نیک نیتی کی گواہ تھیں مگر اب تو وہ انہیں ہرٹ کر چکی تھی۔ ان کے پرخلوص جذبے کی، ان کی محبت کی توہین کر چکی تھی۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا، یہ اچانک اسے کیا ہو گیا تھا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں اور پھولوں سی سجی سیج کو دیکھ کر اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

ہارون نے کتنے شوق اور محبت سے یہ سیج سجائی ہوگی۔ کتنے ارمان ہوں گے ان کے دل میں مگر میں نے کیا کر دیا ان کے ساتھ...... زبیدہ تو اول درجے کی فتنہ پرداز لڑکی ہے اور میڈم عذرا لالچی اور خودغرض تھیں۔ یہ سب تو مجھے معلوم تھا پھر مجھ سے یہ غلطی کیونکر سرزد ہوگئی...... میں نے ہارون کی نیت اور محبت پر شک کیا ہے۔ انہیں کتنی تکلیف پہنچی ہوگی...... اُف خدایا میں کیا کروں؟''

''یہ کمبل اوڑھو اور سو جاؤ......'' ہارون کی آواز پر وہ چونک گئی۔ اسے پتا ہی نہ چلا تھا کہ آخری الفاظ اس نے باآواز کہے تھے۔ وہ اپنے اس باآواز پرسوچ انداز پر حیران اور قدرے شرمندہ

سی ہوگئی۔ ہارون کمبل اس کے بیڈ پر رکھ کر خود صوفے پر جا لیٹے تھے۔ نومبر کا مہینہ تھا۔ سردی ٹھیک ٹھاک پڑ رہی تھی۔ وہ کمبل اوڑھ کر لیٹ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ نیند کی حسین وادیوں میں سیر کر رہی تھی۔ اسے نیند کو قابو کرنے میں مہارت حاصل تھی۔ پریشانی میں بھی سونے کا ارادہ کرتی تھی اور تھوڑی دیر کی کوشش کے بعد نیند کی حسین دیوی اس پر مہربان ہوجایا کرتی تھی۔ اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ جتنی زیادہ ڈسٹرب ہو رہی تھی، اتنی ہی میٹھی نیند اس کی آنکھوں میں سمائی ہوئی تھی۔

جبکہ ہارون صوفے سے اُٹھ کر پریشانی کے عالم میں کمرے میں ٹہل رہے تھے۔ چلتے چلتے ان کی نظر اُجالا کے چہرے پر پڑی تو وہ وہیں ٹھہر گئے۔ آسمانی رنگ کے لباس میں اس کا چاند کی مانند چمکتا چہرہ بہت معصومیت لٹا رہا تھا اور ہارون کا دل بے طرح مچلنے لگا اسے چُھونے کی تمنا کرنے لگا، وہ ان کی بیوی تھیں، انہیں پورا حق تھا۔ اس خیال سے وہ آگے بڑھے بھی لیکن دوسرے ہی لمحے انہوں نے اپنے دل میں مچلتے جذبات کو سختی سے دبا لیا اور حسرت بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے واپس صوفے پر آبیٹھے۔ جب وہ بیڈ روم میں داخل ہوئے تھے تو ان کا دل خوشی سے بھرا ہوا تھا، لیکن اُجالا کے انداز اور رویے نے انہیں بہت مایوس کیا تھا۔ ان کی ساری وارفتگیاں، ساری محبتیں جو اس پر نثار ہونے کے لئے بے چین تھیں، اپنے جذبوں کا اظہار نہ پا کر تڑپ تڑپ کر مچل رہی تھیں۔ ہارون نے لائٹ آف نہیں کی تھی۔ وہ وہیں صوفے پر لیٹ گئے۔

''اُجالا تمہیں اندازہ ہی نہیں ہے کہ میں نے تمہیں کس قدر ٹوٹ کر چاہا ہے۔ تم نے یہ حسین رات اپنی غلط فہمی کی نذر کردی ہے، لیکن میرا پیار سچا ہے اور مجھے یقین ہے کہ آج نہیں تو کل تم خود چل کر میرے پاس آؤ گی اور اپنی محبت کا برملا اظہار کرو گی۔ اس محبت کا جواب بھی تمہیں مجھ سے ہے مگر یہ غلط فہمی تمہیں مجھ سے بدظن کر رہی ہے۔''

ہارون اپنے دل میں اس سے مخاطب تھے۔ اس کا چاندنی بکھیرتا چہرہ انہیں ایک پل کو بھی چین سے نہیں لیٹنے دے رہا تھا۔ نیند بھی ان سے روٹھ چکی تھی۔ رات کے آخری پہر سوچوں نے تھکا ڈالا تو ان کی آنکھ لگ گئی۔

اُجالا فجر کی اذان ہوتے ہی جاگ گئی۔ اس نے اپنے برابر میں دیکھا، بیڈ خالی تھا۔ وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھی اور کمبل ایک طرف رکھ کر بیڈ سے اتر آئی۔ ہارون کو صوفے پر بہت مشکل میں اور بغیر کسی گرم چادر، کمبل اور رضائی کے سوتے پایا تو اس کے دل میں ان کی محبت نے جوش مارا...... وہ اتنی سردی میں صوفے پر سُو رہے تھے۔ اسے بہت افسوس ہو رہا تھا کہ اس کے رویے کی وجہ سے ہی وہ بیڈ پر نہیں لیٹے اور سردی کی پرواہ کئے بغیر صوفے پر ہی جیسے تیسے لیٹ گئے۔ نجانے انہیں رات

پھر نیند بھی آسکی ہوگی کہ نہیں۔

وہ دکھ اور پشیمانی سے سوچ رہی تھی اور پھر چاہتے ہوئے بھی ان کی طرف نہ جاسکی بلکہ واش رُوم میں گھس گئی۔ وضو کر کے باہر آئی اور جب نماز ادا کرنے کے بعد آخر میں دُعا کے لئے ہاتھ پھیلائے تو آنسو خود بخود آنکھوں سے بہنے لگے تھے۔ لب خاموش تھے اور وہ خدا سے اپنے رویے کی معافی مانگ رہی تھی۔ اس چارلاکھ والی بات پر صحیح بات جاننے کی دُعا مانگ رہی تھی اور ہارون کی زندگی کی دُعائیں خود بخود اس کے لبوں پر آتی جارہی تھیں۔ دعا کے بعد وہ تسبیح کر رہی تھی اور ہارون جو چند منٹ پہلے جاگ گئے تھے، آنکھوں پر بازو رکھے، بازو کی اوٹ سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ تسبیح سے فارغ ہو کر جائے نماز رکھ کر دوبارہ بیڈ کی طرف آئی تو اس کی نظریں بے اختیار صوفے پر لیٹے ہارون کی طرف اٹھ گئیں۔

اس کا دل خود بخود ان کی جانب کھنچا چلا رہا تھا۔ ان کی شخصیت بھی تو بہت سحر انگیز تھی۔ چھ فٹ لمبا قد، سفید رنگت، سیاہ آنکھیں، سیاہ گھنے بال، گھنی مونچھوں تلے سرخی مائل ہونٹ، خوبصورت ناک نقشے سمیت وہ فوراً صنفِ مخالف کی توجہ حاصل کر لیتے تھے۔ مردانہ وجاہت کا مکمل نمونہ تھے وہ اور کوئی بھی لڑکی ان کی ہمسری کی تمنا کر سکتی تھی اور وہ کس قدر خوش نصیب تھی کہ اس شخص نے اس کی یعنی ''اُجالا'' کی تمنا کی تھی۔ اُجالا نے ہارون کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ وہ پریشانی کے عالم میں اپنے دونوں ہاتھوں کو مسلتی کبھی انگلیوں کو مروڑنے لگتی۔

ہارون اس کی یہ کیفیت دیکھ کر دل ہی دل میں مُسکرا رہے تھے اور بظاہر سوتے بنے ہوئے تھے۔

''اُف کیا کروں میں؟'' اُجالا نے غصے اور پریشانی کے عالم میں بالوں میں بندھا ہیئر بینڈ اُتار کر بیڈ پر پھینک دیا، اس کے سیاہ ریشمی بال آزادی ملتے ہی خوشی سے اس کے شانوں پر لہرانے لگے۔

''ہائے کیا قیامت ادا ہے اے پیاری لڑکی! اب تو میرے قریب چلی آؤ۔'' ہارون نے اسے بازو کی اوٹ سے دیکھتے ہوئے دل

اور یقیناً یہ ان کے دل کی سچی پکار تھی۔ تبھی تو وہ ان کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ہارون کے اندر خوشی کی مست لہر دوڑ گئی۔ اُجالا ان کے قریب پہنچی تو اس نے انہیں جگانے کی غرض سے ان کے شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھا اور پھر نجانے کیا ہوا فوراً ہی ہاتھ واپس کھینچ لیا۔ چند لمحے یونہی کھڑی رہی، انہیں تکتی رہی۔ پھر اپنے بیڈ کی طرف بڑھ گئی اور کمبل اٹھا کر لے آئی اور ہارون کو پاؤں سے

لے کر بازوؤں تک کمبل اُوڑھا دیا۔ ہارون کا دایاں بازو صوفے سے نیچے لٹک رہا تھا۔ اُجالا کارپٹ پر بیٹھ گئی اور آہستہ سے ان کا ہاتھ پکڑا اور صوفے پر ان کے پہلو میں رکھ دیا اور جونہی وہ جانے کے لئے مڑی اس کا نرم ملائم ہاتھ ہارون کے بڑے اور مضبوط ہاتھ میں تھا۔ وہ بری طرح گھبرا کر انہیں دیکھنے لگی تو انہوں نے اپنا بازو آنکھوں پر سے ہٹا لیا اور اسے دیکھتے ہوئے بہت دھیمے اور شوخ لہجے میں بولے:

''اُجالا مجھے اس کمبل کی حرارت نہیں چاہئے مجھے تو تمہاری محبت کی حرارت چاہئے۔''

''آپ یوں کیوں لیٹے ہیں...... بیڈ پر لیٹ جائیں۔'' اُجالا نے نظریں چرا کر کہا۔

''اُجالا تم کیوں حقیقت سے نظریں چُرا رہی ہو؟'' ہارون نے بڑے پیار سے پوچھا۔

''میں کوئی نظریں نہیں چُرا رہی۔''

''تو پھر میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرو۔'' ہارون نے مسکراتے ہوئے کہا تو اس نے ان کی آنکھوں میں بمشکل تمام دیکھا اور بولی ''مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی۔''

''کیوں نہیں کرنی؟'' وہ بے قراری سے بولے۔ ''کیا اس غلط فہمی کی سزا تمام عمر دو گی مجھے؟''

''تمام عمر کے لئے تو آپ نے مجھے قید کر لیا ہے۔'' وہ کانپتی آواز میں بولی۔

''رہائی چاہتی ہو؟'' ہارون سنجیدہ لہجے میں بولے۔

''نہیں!'' اس نے نفی میں سر ہلایا اور سسکیاں لے لے کر رونے لگی۔

''اُجالا جب دل کی بات کو زبان نہ دی جائے تو یہ آنسو دل کا حال بتانے لگتے ہیں۔ تم اپنے دل سے پوچھو کہ وہ کیوں اس وقت تمہیں میری طرف آنے پر مجبور کر رہا تھا۔ تم نے مجھے سردی میں لیٹا دیکھ کر اپنا کمبل مجھے کیوں اوڑھایا، رات کی شدید نفرت میں یہ خیال کا الاؤ کیسے جل اٹھا؟ پوچھو تو اپنے دل سے'' ہارون نے اس کے بالوں کو نرمی سے شانوں سے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا تو اس نے ایک آنسو برساتی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

اس کا دل چاہا کہ وہ ان کے سینے سے لگ کر خوب روئے، لیکن اتنی جرأت، اتنی بے باکی اس میں اس مضبوط بندھن کے قائم ہو جانے کے باوجود پیدا نہیں ہوئی تھی۔ وہ اپنا ہاتھ چھڑا کر وہاں سے اٹھ گئی اور بیڈ پر بیٹھ کر رونے لگی۔

ہارون ایک سرد اور درد بھری آہ بھر کر رہ گئے۔

اُجالا کی سسکیاں انہیں بہت دکھ رہی تھیں۔ آہستہ آہستہ اس کی سسکیاں تھم گئیں تو

اس نے اپنے اس ہاتھ کو بغور دیکھا جسے ہارون نے اپنے ہاتھ میں تھاما تھا۔ اسے اپنے ہاتھ پر، اپنی ذات پر رشک آنے لگا اور اس نے اپنا ہاتھ ہونٹوں سے لگا لیا اور اسے رخسار کے نیچے رکھ کر لیٹ گئی۔

☆☆☆

"ہارون بیٹا تمہارا دوست ساجد آیا ہے۔" آمنہ بی نے آکر اطلاع دی۔

"اچھا انا بی! آپ ایسا کیجئے چائے ڈرائنگ روم میں ہی بھجوا دیجئے۔ میں آتا ہوں ابھی۔" ہارون نے نیپکن سے اپنے ہاتھ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"اچھا بیٹا!" آمنہ بی بولیں اور ہارون کمرے سے باہر نکل گئے۔ آمنہ بی کے جانے کے بعد وہ بھی ڈرائنگ روم کے دروازے کے قریب چلی آئی۔ دراصل وہ سننا چاہتی تھی کہ ہارون چار لاکھ روپے والے معاملے کا ساجد سے کن الفاظ میں ذکر کرتے ہیں۔ جھوٹ اور سچ کا بھید جاننا چاہتی تھی۔ دل کو تو ہارون کی بے گناہی کا یقین آ گیا تھا مگر پھر بھی وہ اپنے کانوں سے سن کر تسلی کرنا چاہتی تھی تاکہ میڈم عذرا سے صاف صاف بات کر سکے۔

لابی میں کھڑی بظاہر پھولوں کو چھیڑ رہی تھی مگر اس کے کان ہارون اور ساجد کی باتوں کی طرف لگے تھے۔ اسے ان کی آوازیں واضح سنائی دے رہی تھیں۔

"اور سناؤ پیارے رات کیسی گزری؟" ساجد نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر شوخی سے پوچھا۔

"بس یار گزر گئی۔" ہارون نے اُداس لہجے میں جواب دیا۔

"ہیں کیا مطلب گزر گئی؟" ساجد نے حیرت سے ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کل تو تم بہت خوش تھے۔ میں نے اپنی اور تمہاری اس دوستی کے پندرہ سالوں میں کبھی تمہیں اتنا خوش نہیں دیکھا تھا، جتنا تم اُجالا بھابی سے شادی کر کے خوش دکھائی دے رہے تھے اور اس وقت تو تمہاری صورت دیکھ کر یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے کسی نے تمہاری خوشی چھین لی ہو۔ آخر ہوا کیا ہے؟ کچھ مجھے بھی تو پتہ چلے۔"

"چھوڑو یار......" ہارون نے اپنے گھنے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا۔

"ساجد یار وہ سمجھتی ہے کہ میں نے اُسے میڈم عذرا سے چار لاکھ روپے میں خریدا ہے۔" ہارون نے دکھی لہجے میں کہا۔

"لاحول ولاقوۃ۔" ساجد نے فوراً کہا۔

"تو یار تُو نے اُجالا بھابی کو بتایا نہیں کہ یہ سب جھوٹ ہے اور یہ کہ تو ان سے سچ مچ محبت کرتا ہے۔ چار لاکھ تو تُو نے ادارے کے لئے دیئے تھے۔ میڈم عذرا نے اُجالا بھابی کے بدلے کی بات تو محض اپنے لالچ کے سبب کہی تھی۔ تیرا ارادہ تو چار لاکھ والی بات سے پہلے ہی اُجالا بھابی سے شادی کا بن گیا تھا اور تُو نے میڈم عذرا سے کہہ بھی دیا تھا۔ لڑکی کو خریدنے کا کام تُو کیا تیرے فرشتے بھی نہیں کر سکتے۔ کرنا تو بہت دور کی بات ہے وہ تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتے۔ تو ایسا بالکل نہیں ہے۔"

"یار میں نے بتایا تھا اسے...... مگر وہ نہیں مانتی۔" ہارون نے افسردگی سے بتایا۔

"اُجالا بھابی کو اپنے رشتے داروں سے بھی تو بہت دکھ ملے ہیں۔ شاید وہ اس وجہ سے تم سے بھی بدظن ہو گئی ہوں۔ ان کا اعتبار اٹھ گیا ہو محبت پر سے۔" ساجد نے قیاس لگایا۔

"ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔" ہارون دُکھی لہجے میں بولے۔ "مگر یار اس میں میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ میں نے تو دل سے اس کی تمنا کی تھی۔ بڑے خلوص سے اسے اپنایا تھا، میری محبت میں نہ کوئی کھوٹ تھا نہ غرض نہ ہوس۔ میں نے تو پوری سچائی سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔ پھر یہ کیا ہوا کہ وہ مجھ سے بدگمان ہو گئی ہے...... اور تُو تو اچھی طرح جانتا ہے ساجد کہ میں نے آج تک کسی لڑکی میں دلچسپی نہیں لی تھی۔ اُجالا کو دیکھا، اسے چاہا اور شادی کر لی...... تو یہ ناقدری کیوں ہوئی میرے جذبوں کی۔ یار میں نے تو کبھی کسی پر شک نہیں کیا۔ تو پھر میرے جذبے کی صداقت پر یہ شک، یہ بے اعتباری کیوں؟"

"ہارون اگر تو کہے تو میں اُجالا بھابی سے بات کروں۔" ساجد نے انہیں افسردہ دیکھ کر فکرمند اور دوستانہ لہجے میں کہا۔

"نہیں یار وہ میرا یقین نہیں کر رہی تو تیرا یقین کیسے کرے گی۔ آخر تو بھی تو میرا ہی دوست ہے۔" ہارون نے اداس سی مسکراہٹ لبوں پر لا کر کہا۔

"اچھا یہ بتا کہ اُجالا بھابی کے تایا، چچا کے خلاف قانونی چارہ جوئی کب تک کرنے کا ارادہ ہے؟" ساجد نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

"یار پہلے یہ مسئلہ تو حل ہو جائے بعد میں تایا، چاچا کو بھی دیکھ لیں گے۔ میں تو اُجالا کو اس کا حق دلوانا چاہتا ہوں اور میڈم عذرا کی جگہ کوئی ایماندار خاتون اس ادارے میں تعینات کرانا چاہتا ہوں بلکہ اگر اُجالا خود اس ادارے کا چارج سنبھالنا چاہے تو بھی میں اس کی پوری مدد کروں گا۔ یہ ادارہ یقیناً اُجالا کے نام ہو گا۔ اُجالا کے بابا نے بنوایا تھا، اُجالا کو اتنا حق تو حاصل ہے اس ادارے

سے متعلق۔" ہارون نے نہایت سنجیدگی سے کہا۔

"تو اب کیا ارادے ہیں؟ ولیمہ بھی کرنا ہے کہ نہیں؟" ساجد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یہ معاملہ سیٹ ہو جائے گا تو ولیمہ بھی ہو جائے گا۔" ہارون نے چائے کا سپ لے کر کہا۔

"او کے پھر میں تو چلوں۔ مجھے اخبار کا کچھ کام بھی ہے۔" ساجد نے کھڑے ہو کر کہا اور باہر نکل گیا۔

اُجالا بھی وہاں سے سیدھی بیڈ روم میں آ گئی اور میڈم عذرا کے تحفے میں دیئے ہوئے کرسٹل کے گلدان پیکٹ میں سے نکال کر دیکھنے لگی۔

"بہت اچھے ہیں یہ گلدان!" ہارون کمرے میں داخل ہو چکے تھے۔ اُسے گلدانوں کو تکتا پایا تو قریب آ کر بولے تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

"آپ انہیں باہر پھنکوا دیں۔ مجھے نہیں رکھنے یہ گلدان۔" اُجالا نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیوں نہیں رکھنے، یہ تو میڈم عذرا نے تمہیں تحفے میں دیئے ہیں۔"

"اسی لئے تو نہیں رکھنے۔" اُجالا نے غصے سے کہا اور گلدان ڈسٹ بن میں ڈال دیئے۔

ہارون نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولے۔

"بہت قیمتی تھے یہ گلدان۔"

"آپ مجھے دارالامان چھوڑ آئیں۔" وہ ان کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے بولی۔

"میں تمہیں دوبارہ اس منافق اور لالچی عورت کے زیرِ سایہ رہنے کے لئے نہیں بھیجوں گا نہ ہی تمہیں یہ حماقت کرنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔ ہاں اگر تم اپنی سہیلیوں سے ملنے کے لئے جانا چاہتی ہو تو میں بخوشی تمہیں وہاں لے جاؤں گا۔ مگر آج نہیں۔ تم آرام کرو، کل لے جاؤں گا۔"

ہارون نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بہت سنجیدہ لہجے میں کہا اور خود تیار ہونے کے لئے ڈریسنگ روم میں چلے گئے۔

شرمندگی سے اُجالا کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ بیڈ پر آ بیٹھی اور پھولوں کی لڑیوں کو پکڑ کر ...وں کے گرد لپیٹنے اور کھولنے لگی۔ اس کا دل ہارون کی عظمت اور نیک نیتی کا قائل ہو گیا تھا۔ ساجد سے ہونے والی ان کی گفتگو نے ساری حقیقت اس پر واضح کر دی تھی۔ وہ بہت نادم تھی۔ وہ اس کا قدر خیال رکھ رہے تھے اور وہ تھی کہ ان پر شک کرتی رہی تھی۔ اسے بہت افسوس تھا کہ اس نے ان کو ہرٹ کیا تھا۔

"ہارون آپ سچے ہیں، مجھے یقین تھا، یقین ہے۔ ذرا سی بے وقوفی نے آپ کا دل دکھایا

ہے۔ میں کس طرح معافی مانگوں آپ سے؟ آپ نے مجھ جیسی لاوارث لڑکی کو سہارا دیا، اپنا نام دیا۔ گھر دیا، عزت اور محبت کے قابل سمجھا مجھے اور میں نے آپ کو دکھی کر دیا۔ میں ایسی احمق تو نہیں تھی۔ میں کیوں آ گئی زبیدہ کی باتوں میں...... جبکہ مجھے زبیدہ اور میڈم کی عادتوں کا بخوبی علم تھا...... لیکن شاید مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ میڈم عذرا میری شادی پیسے وصول کر کے بھی کر سکتی ہیں۔" اُجالا نے دل میں کہا۔

اسے یاد آ رہا تھا کہ دارالامان کی ایک لڑکی جسے سب نائلہ باجی کہتے تھے، ان کی شادی بھی اچانک ہی ہو گئی تھی اور جب نکاح ہو گیا تھا تو ان کے دولہا نے میڈم عذرا کو ایک بھاری سا سفید لفافہ دیا تھا۔

"وہ لفافہ یقیناً رقم کا تھا۔ تو میڈم عذرا نے باجی نائلہ کو بھی بیچا تھا۔ اوہ......" اُجالا جوں جوں سوچتی جا رہی تھی، اس کے رونگٹے کھڑے ہوتے جا رہے تھے۔ ایک کپکپی سی اس کے پورے بدن پر طاری ہوتی جا رہی تھی۔

"باجی نائلہ تو بہت خوبصورت تھیں اور ان کا دولہا ان سے عمر میں 25 برس بڑا تھا۔ ایک پچیس سالہ خوبصورت لڑکی کی شادی ایک پچاس سالہ بوڑھے سے کر دی تھی میڈم نے اور باجی نائلہ شادی کے بعد صرف ایک بار دارالامان آئی تھیں اور وہ بھی تھوڑی دیر کے لئے۔ اس کے بعد کسی کو ان کی خبر نہیں ملی کہ وہ کہاں ہیں، کس حال میں ہیں، ان کے ساتھ کیا ہوا، اب وہ کیسی ہیں؟ میرے بابا جان نے بے سہارا لڑکیوں کو امان دینے کی خاطر یہ ادارہ بنایا تھا۔ ان کے بعد اس ادارے کا نقشہ ہی بدل کے رکھ دیا میڈم عذرا نے۔" وہ خوف اور صدمے سے نڈھال ہو گئی تھی۔

اُجالا بہت دیر تک سوتی رہی تھی، جب بیدار ہوئی تو شام کے چار بج رہے تھے۔ اس نے وضو کر کے عصر کی نماز ادا کی اور دوبارہ بیڈ پر آ بیٹھی۔ ہارون جو صوفے پر ہی سو گئے تھے، ان کی بھی آنکھ کھل گئی۔

"طبیعت کیسی ہے تمہاری؟" ہارون نے بیڈ کے قریب آ کر نرمی سے پوچھا۔

"ٹھیک ہے۔" اس نے آہستہ سے جواب دیا۔

"گڈ! اب ایسا کرو کہ ڈائننگ روم میں جاؤ، انا بی سے کھانا لگوانے کا بولو۔ اتنی دیر میں میں بھی فریش ہو کر آتا ہوں۔"

ہارون یہ کہہ کر واش روم میں چلے گئے لیکن وہ وہیں بیٹھی رہی۔

"میں ہارون سے معافی کس طرح مانگوں؟" اُجالا نے پریشانی سے سوچا۔

"میں نے انہیں قریب آنے اور ہاتھ لگانے سے منع کر دیا تھا اور وہ کتنے اچھے ہیں کہ انہوں نے میرے ساتھ زبردستی نہیں کی...... اور حد یہ کہ بیڈ پر نہیں سوئے، صوفے پر جا سوئے۔ کتنا بے آرام اور پریشان کر دیا ہے میں نے انہیں، اُف اب میں کیا کروں؟"

"تم ڈائننگ روم میں کیوں نہیں گئیں؟" ہارون واش روم سے باہر نکلے تو اسے اسی جگہ بیٹھا دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم کہ ڈائننگ روم کہاں ہے؟" اس نے سادگی اور معصومیت سے جواب دیا۔

"تم اب اس گھر کی مالکن ہو اور تمہیں اپنے گھر کے بارے میں سب کچھ معلوم ہونا چاہئے۔ چلو آؤ میں تمہیں تمہارا گھر دکھاتا ہوں۔ اس کے بعد ہم اکٹھے کھانا کھائیں گے۔" ہارون نے اپنائیت بھرے لہجے میں کہا۔

"مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے کہا۔

"مگر مجھے تو بہت بھوک لگ رہی ہے اور میں نے دوپہر بھی تمہاری وجہ سے کھانا نہیں کھایا تھا کہ اکٹھے کھائیں گے۔"

"آپ اکیلے ہی کھا لیجئے۔" اُجالا نے شرمندہ ہو کر کہا۔

"اُجالا ڈیئر! تم نے میری روح کی پیاس نہیں بجھائی، مزید بڑھا دی ہے، لیکن کم از کم میرے خالی پیٹ کا تو کچھ خیال کر لو جو بھوک سے احتجاج کر رہا ہے۔ اسے تو بھوکا مت مارو۔ خالی پیٹ رہنے سے سردرد الگ سزا کے طور پر ہو رہا ہے۔" ہارون نے ہلکے پھلکے شوخ انداز میں کہا۔

"چلیں!" اُجالا نے شرمندگی سے ان کی طرف دیکھا۔

"تھینک یو!" ہارون خوشی سے مسکرا دیئے۔

☆☆☆

صبح ناشتے سے فارغ ہونے کے بعد ہارون آفس جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ وہ بیڈ پر بیٹھی کن اکھیوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ سفید شرٹ، سیاہ پتلون میں وہ بے حد اسمارٹ دکھائی دے رہے تھے۔ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ٹائی کی ناٹ باندھ رہے تھے مگر ان کی نظریں اسی پر تھیں جو انہیں چوری چوری پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ ٹائی باندھ چکنے کے بعد وہ بالوں میں برش کرتے ہوئے بھی اس کی نگاہوں کو اپنے چہرے پر محسوس کر رہے تھے۔ آخر بول ہی پڑے۔

پھر نہ کیجئے گا میری شوخ نگاہی کا گلہ
دیکھئے آپ نے پھر پیار سے دیکھا ہے مجھے

اور اُجالا تو مارے شرم کے پانی پانی ہو گئی۔ اسے ہارون کی باریک بین اور گہری نظروں کا قطعاً اندازہ نہ تھا۔ ہارون نے برش رکھ کر کوٹ پہنتے ہوئے اس کے قریب آکر کہا۔ "میں تمہارا شوہر ہوں، تمہیں مجھ پر پورا حق حاصل ہے۔ تم مجھے براہِ راست بھی دیکھ سکتی ہو۔ بھلا مجھے چور نظروں سے کیوں دیکھنے لگیں تم؟"

"مجھے کیا ضرورت ہے آپ کو چور نظروں سے دیکھنے کی۔" وہ ٹپٹا کر بولی۔

"محبت ایسی ضرورتیں خود بخود پیدا کر دیتی ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"آپ مجھے دارالامان چھوڑتے جایئے گا۔ مجھے اپنی سہیلیوں سے ملنا ہے۔" اُجالا نے یہ بات کہہ کر ان کی ساری خوشی پر پانی پھیر دیا تھا۔ وہ یک دم سنجیدہ ہو گئے۔

"ٹھیک ہے چلو......" وہ کوٹ کے بٹن بند کرتے ہوئے بولے تو وہ اپنا دوپٹہ ٹھیک کرتے ہوئے جانے کے لئے کھڑی ہو گئی۔ اسی وقت آمنہ بی دروازے پر دستک دے کر اجازت ملنے پر اندر داخل ہوئیں۔ وہ ناشتے کے برتن لینے آئی تھیں۔

"انا بی ہم باہر جا رہے ہیں۔ اُجالا کو ان کی سہیلیوں سے ملوانا ہے۔" ہارون نے انہیں بتایا۔

"وہ تو ٹھیک ہے بیٹا لیکن کیا اس حلیئے میں جائے گی دُلہن......" آمنہ بی نے اُجالا کو سادہ سے گرم سوٹ میں ملبوس دیکھ کر کہا تو وہ حیران ہو کر ہارون کو دیکھنے لگی، وہ مسکرا دیئے۔

"ارے میاں ایک دو دن کی دُلہن ہے اور پہلی بار اپنے میکے جا رہی ہے۔ وہ بھی اس حلیئے میں...... لگ ہی نہیں رہا کہ یہ نئی نویلی دلہن ہے...... اور یہ کیا دُلہن نے تو انگوٹھی بھی نہیں پہنی ہوئی......" آمنہ کی نظر اُجالا کی خالی انگلیوں پر پڑی تو مزید حیران ہو کر کہا۔ ہارون سر کھجاتے ہوئے آگے بڑھے ہی تھے کہ آمنہ بی نے پکارا۔

"بیٹا وہ انگوٹھی کہاں ہے؟"

"کون سی انگوٹھی؟" وہ انجان بنے۔

"آئے ہائے بیٹا ہارون کیا ہو گیا ہے تمہیں...... میں اس انگوٹھی کا پوچھ رہی ہوں جو تم نے اُجالا بیٹی کو رونمائی میں دینے کے لئے بڑے شوق سے خریدی تھی۔"

"انا بی مجھے یاد ہی نہیں رہا تھا۔ تھکا ہوا آیا تھا آتے ہی کپڑے تبدیل کر کے سو گیا تھا۔" ہارون نے اُجالا کو شرمندگی سے بچانے کی خاطر فوراً بہانہ بنا دیا اور اُجالا نے انہیں محبت اور تشکر بھری نظروں سے دیکھا۔

"چلو ابھی پہناؤ اور دُلہن چلو تم...... میں تمہیں کپڑے نکال کر دوں۔ بھلا دو دن کی دُلہن ایسا لباس پہنا کرتی ہے۔" اب آمنہ بی اُجالا کی طرف متوجہ تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں اس لباس میں۔" اُجالا نے مدھم آواز میں کہا۔

"ارے کیا خاک ٹھیک ہو...... چلو ڈریسنگ روم میں۔" آمنہ بی نے پیار سے ڈانٹ کر کہا تو اس نے مدد طلب نظروں سے ہارون کی طرف دیکھا۔ وہ ہنستے ہوئے بولے۔

"چلی جاؤ کیونکہ یہ اپنی بات منوائے بغیر تمہاری جان نہیں چھوڑیں گی۔"

"اور انگوٹھی پہنا دینا دُلہن کو...... میں دیکھوں گی آ کر۔" آمنہ بی نے انہیں حکم صادر کیا اور اُجالا کا ہاتھ پکڑ کر اسے ڈریسنگ روم میں لے آئیں اور وارڈ روب میں سے اس کے لئے سبز رنگ کا آرگنزا کا کام والا لباس نکالا اور ساتھ ہی ہلکا سا سونے کا جیولری سیٹ بھی نکال دیا اور فوراً پہن لینے کا آرڈر جاری کر کے چلی گئیں۔ کچھ دیر تو وہ وارڈروب میں لٹکے قیمتی اور خوبصورت ملبوسات کو دیکھتی رہی پھر جلدی سے کپڑے تبدیل کئے، جیولری سیٹ پہنا، میچنگ شو پہنے، بالوں کو خوبصورت اسٹائل میں سیٹ کیا۔ پرفیوم چھڑکا، مناسب میک اَپ کرنے کے بعد آئینے میں اپنا تنقیدی جائزہ لیا تو وہ حیران رہ گئی۔

اچھے لباس، ہلکے میک اَپ اور تھوڑی سی تیاری سے وہ کس قدر حسین لگ رہی تھی۔ وہ کمرے میں آئی تو ہارون جو اس کے انتظار میں کمرے میں ٹہل رہے تھے، اسے دیکھ کر رک گئے اور اس کے بے تحاشا حسین سراپے میں کھو سے گئے۔ وہ خود بخود حیا سے نظریں جھکا گئی۔ ہارون کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ اس سے اپنے مچلتے، لپکتے جذبات کا بے باکانہ اظہار کر سکتے۔ وہ چلتے ہوئے اس کے قریب آئے اور اپنا ہاتھ اس کے آگے پھیلا دیا۔ اُجالا نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"یہ انگوٹھی پہن لو ورنہ اناں بی میری جان بخشی نہیں کریں گی۔"

اُجالا نے جھجکتے ہوئے آہستہ سے اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ پر رکھ دیا۔ ہارون نے اس کا گداز نرم ملائم ہاتھ پکڑا اور بائیں ہاتھ کی مخروطی انگلی میں سونے کی ہیرے جڑی نفیس انگوٹھی پہنا دی اور اس کے مہندی سے رچے ہاتھ کو بہت چاہ سے دیکھا اور آہستہ سے اس کا ہاتھ دباتے ہوئے چھوڑ دیا۔ انہیں اُجالا کی طرف سے اپنی محبت کا اعتبار چاہئے تھے۔ اس کے بعد وہ اس سے اپنی بے قراریوں، بے تابیوں اور وارفتگیوں کا اظہار کرنا چاہتے تھے۔ اس وقت دونوں ایک دوسرے کے لمس کی حدت اور مہک میں خود کو گم ہوتا ہوا محسوس کر رہے تھے۔ وہ اس وقت بھی خاموش تھے اور

دارالامان کی طرف رواں دواں تھے۔

"میں شام کو واپسی پر تمہیں پک کرلوں گا۔ اگر تم ایک دو دن کے لئے یہاں رہنا چاہو تو......"

"نہیں آپ مجھے ایک گھنٹے بعد آ کر لے جائے گا۔" اُجالا نے ان کی بات کاٹ کر کہا۔ تو ہارون نے بہت حیرت سے اُس کے چہرے کو دیکھا۔ "ایک گھنٹے بعد"

"جی ایک گھنٹے بعد......" وہ کہہ کر گاڑی سے باہر اتر گئی اور جب تک وہ دارالامان کے گیٹ سے اندر داخل نہیں ہو گئی، ہارون حیرت سے اسے جاتا دیکھتے رہے۔

اُجالا سیدھی بلقیس کے کمرے میں پہنچی تو وہ بھاگ کر خوشی سے اس سے لپٹ گئی۔ باقی لڑکیاں اور سہیلیاں بھی اس سے ملنے چلی آئیں۔ سب نے اسے دیکھ کر خوشی اور محبت کا اظہار کیا۔ میڈم عذرا اور ان کی نائب میڈم خالدہ نے بھی خوشی کا مظاہرہ کیا۔

"آج تو ادھر ہی رہو گی نا۔" راحیلہ نے پوچھا۔

"نہیں وہ تھوڑی دیر بعد مجھے لینے آجائیں گے۔" اُجالا نے شرمگیں لہجے میں بتایا۔

"ہائے دیکھا کیسی بے وفا نکلی ہے یہ......" بلقیس اس کی کمر میں دھپ لگا کر بولی۔ "تو میں نے صحیح اندازہ لگایا نا کہ دولہا بھائی تجھے اپنی نظروں سے دور نہیں رکھنا چاہتے۔"

"ہاں! یہ خوش نصیبی ہے میری۔" اُجالا نے فخر و تشکر اور انبساط بھرے لہجے میں کہا۔

"ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ خدا تمہیں ہمیشہ خوش و خرم، شاد آباد رکھے۔" انجم نے دل سے کہا، اور اُجالا نے دل سے آمین کہا تھا۔

"اُجالا تیرے میاں نے تو میڈم اور ہم سب کے مزے کرا دیئے ہیں۔ پورے ادارے کی نئے سرے سے مرمت ہو رہی ہے۔ قلعی کی جا رہی ہے اور ہمیں کتابیں، کپڑے، کمبل، بستروں کی چادریں وغیرہ بھی اور بھجوائی ہیں تمہارے ہارون صاحب نے۔ سچ بھئی بہت ہی نیک دل اور خدا ترس آدمی ہیں ہارون بھائی۔ ان کے طفیل اس ادارے کی صورت بھی ڈھل کر نئی ہو جائے گی۔" بلقیس نے مسکراتے ہوئے بتایا تو وہ حیران رہ گئی۔ یہ بات اس کے لئے کسی انکشاف سے کم نہیں تھی۔

"اور یہ انگوٹھی بھی ہارون بھائی نے دی ہے نا۔" انجم نے اس کا ہاتھ تھام کر انگوٹھی دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں!" وہ شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"بہت نفیس ہے، خدا مبارک کرے۔" انجم اور بلقیس نے اسے گلے لگا کر پیار کیا۔

ان سب سے ملنے کے بعد وہ میڈم عذرا کے آفس میں آ گئی۔ وہ رجسٹر کھولے بیٹھی تھیں۔ اسے دیکھ کر رجسٹر بند کر دیا اور اسے مسکرا کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

میڈم عذرا براؤن اور بلیک رنگ کی ساڑھی میں شانوں پر براؤن رنگ کی قیمتی گرم شال پھیلائے خاصی باوقار دکھائی دے رہی تھیں۔ ظاہری شان و شوکت تو ان کے پہناوے سے ہی عیاں ہو جاتی تھی۔

"کیا پیو گی چائے منگواؤں تمہارے لئے؟" میڈم عذرا نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں میڈم شکریہ! دراصل میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں ہاں پوچھو!" میڈم عذرا نے مسکراتے ہوئے اجازت دی۔

"میڈم کیا آپ نے ہارون سے میری شادی کے عوض چار لاکھ روپے لئے ہیں؟"

"ہاں لئے ہیں!" میڈم عذرا نے بلا تامل اقرار کیا۔

"کیوں؟"

"کیونکہ ہم نے تمہاری تعلیم، لباس، خوراک پر سینکڑوں روپے خرچ کئے ہیں اور اگر قسمت سے اچھی آسامی ہاتھ آ جائے تو اس سے تم جیسی خوبصورت لڑکیوں کی قیمت وصول کرنے میں کیا برائی ہے؟ ہمیں بھی تو اپنی ذمہ داری نبھانے کا، تم لوگوں کی دیکھ بھال کرنے کا کچھ صلہ ملنا چاہئے نا......" میڈم عذرا نے بے حسی سے کہا۔

"میڈم یہ دارالامان ہے۔ یہاں آپ کا پیسہ خرچ نہیں ہوتا۔ صاحب حیثیت لوگ اس ادارے کو عطیات دیتے ہیں اور انہیں عطیات سے اس ادارے کے اخراجات پورے ہوتے رہے ہیں ہمیشہ۔ آپ کو صرف اس ادارے کا نگران مقرر کیا تھا میرے مرحوم بابا نے اور یقیناً بہت نیک دل خاتون سمجھ کر بابا نے آپ کو یہ ذمہ داری سونپی ہو گی مگر آپ نے میرے بابا کے یقین اور اعتماد کا خون کیا ہے۔ آپ تو بہت ہی لالچی اور خود غرض عورت ثابت ہوئی ہیں۔ مجبور، بے بس اور بے سہارا لڑکیوں کا بیوپار کرتی رہی ہیں آپ اب تک......"

"اُجالا بند کرو یہ بکواس۔" اس کے سخت اور تلخ جملوں کی تاب نہ لاتے ہوئے وہ غصے سے بولی۔

"آپ اپنا یہ گھٹیا کاروبار کیوں نہیں بند کر دیتیں؟" اُجالا نے تیز لہجے میں کہا۔ "آپ نے میری بھی قیمت لگائی، ہم سب لڑکیاں آپ کو بہت ہمدرد اور شفیق اور اچھی خاتون سمجھتی رہی ہیں

آج تک...... ہمیں نہیں معلوم تھا کہ آپ مار آستین ہیں۔ آپ اس حد تک گر سکتی ہیں دولت کے حصول کا نشہ آپ کو اتنا بے حس بھی کر سکتا ہے کہ آپ اپنی بیٹیوں کی عمروں کی لڑکیوں کو پیسے کی خاطر شادی کے نام پر بیچ کر خوش ہوں گی۔"

"سنو اُجالا بی بی! ہمیں تو ایسے ہی لڑکے چاہئیں جو اس ادارے کو چندہ بھی دیں اور ہماری جیب کا بھی خیال رکھیں۔ تم غصہ کرنے کی بجائے دُعائیں دو مجھے کہ میں نے ہارون ملک جیسے دولت مند، خوبصورت اور تعلیم یافتہ شخص سے تمہاری شادی کرا دی ہے۔ ساری زندگی عیش کرو گی تم۔ چار لاکھ رقم ہارون ملک کے نزدیک چار آنے کے برابر ہے۔ اب دیکھ لو سارے ادارے کی قابلِ مرمت جگہوں کی مرمت کروا رہا ہے، سفیدی کروا رہا ہے۔ وہ اپنے پیسے سے اور لڑکیوں کی ضرورت کی تقریباً سبھی چیزیں اس نے خرید کر بھجوائی ہیں۔ عمارت بھی چند ہفتوں میں پھر سے نئی نکور ہو جائے گی اور لڑکیوں کی ضروریات کی اشیاء کا مسئلہ بھی کم از کم دو سال تک ختم ہی سمجھو اور رہ گئے وہ چار لاکھ تو میں اس ادارے کو چلاتی ہوں۔ لڑکیوں کی حفاظت کرنا بہت مشکل کام ہے۔ بہت بڑی اور اہم ذمہ داری ہے۔ اس پر میرا اتنا تو حق بنتا ہے کہ میں ہارون ملک کو اپنے ادارے کی حسین ترین لڑکی پیش کرنے پر اس سے کچھ انعام وصول کرتی۔ وہ بے چارہ تو تم پر ایسا لٹو ہوا تھا کہ اگر میں اس سے تمہارے بدلے میں چودہ لاکھ بھی مانگ لیتی تو وہ چودہ لاکھ ہی میری ہتھیلی پر رکھ دیتا۔ ہارون ملک کے پاس تو قارون کا خزانہ ہے۔" میڈم عذرا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لیکن اگر مجھے آپ کی اس گھٹیا سوچ کا پہلے علم ہو جاتا تو میں ہارون ملک سے ہرگز شادی نہ کرتی۔" اُجالا نے غصے سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہارون ملک سے نہ کرتیں شادی تو میں تمہارے لئے کوئی اور امیر زادہ تلاش کر لیتی۔ میں نے تمہیں اس آفس میں آنے جانے کی کھلی چھٹی بھی اسی مقصد کے تحت دے رکھی تھی تاکہ کسی امیر زادے کی نظرِ عنایت تم پر پڑے اور وہ تم سے شادی کرنے کی خواہش کا اظہار کرے۔ سو میں اپنے منصوبے میں کامیاب رہی...... اگر ہارون ملک نہ آتا تو کوئی اور بوڑھا امیر شخص میں نے ڈھونڈنا تو تھا ہی تمہارے لئے...... کیونکہ بوڑھے امیر زادے جوان اور خوبصورت لڑکیوں کو حاصل کرنے کے لئے اپنا پیسہ پانی کی طرح بہاتے ہیں۔ میں نے تو بہت کم مانگے تھے صرف چار لاکھ۔" میڈم عذرا نے بے نیازی سے کہا۔ انہیں اپنے قول و فعل کی بدصورتی پر ذرا برابر بھی شرمندگی یا پشیمانی نہ تھی۔ جس سے اُجالا کا خون کھول رہا تھا۔

"اور چار لاکھ سے کہیں زیادہ رقم ہارون اس ادارے کی مرمت اور قلعی کرانے میں صرف کر

رہے ہیں۔ آپ نے تو بہت اچھا سودا کیا ہے میڈم!'' اُجالا نے بمشکل غصہ ضبط کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو اور کیا...... بے چارہ بہت ہی ہمدرد اور رحم دل شخص ہے ہارون ملک۔ اس کی دریا دلی کی بدولت ادارہ بھی چمکتا دکھائی دینے لگا ہے۔ کسی کو یہ پوچھنے کی جرأت بھی نہیں ہوگی کہ اتنے فنڈز آئے تو گئے کہاں؟ فنڈز کہاں خرچ ہوئے، یہ ادارے کی نِک سِک خود بتائے گی۔ ہارون بڑا ہی نیک آدمی ہے۔ اس نے یہ نیکی کر کے میرے سارے خدشے اور مسئلے دور، بلکہ ختم کر دیئے ہیں۔ تم بھی قدر کرو اس کی۔ اب تو تم عیش کرو گی۔ دولت میں کھیلو گی۔'' میڈم عذرا بہت ڈھٹائی سے مسکراتے ہوئے بولیں تو اُجالا نے اپنا پرس اٹھایا اور خود بھی کھڑی ہوئی اور ان کے چہرے کو دیکھتی ہوئے پُراعتماد لہجے میں بولی۔

''لیکن میڈم میری بھی ایک بات آپ یاد رکھیئے گا۔ اب میں آپ کو معصوم لڑکیوں کے حُسن سے، ان کے مستقبل سے مزید کھیلنے کا موقع نہیں دوں گی۔''

''اُجالا بی بی! اپنے کام سے کام رکھو۔'' میڈم عذرا نے غصیلے لہجے میں کہا۔ ''میں اگر تمہیں ایک شریف آدمی کے گھر بسا سکتی ہوں اُجاڑ بھی سکتی ہوں اور پھر تم اُجڑنے کے بعد اسی اپنے ابا کے دارالامان میں اماں ڈھونڈتی نظر آؤ گی۔ اس لئے تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ اب تم ادھر کا رُخ مت کرنا ورنہ......''

''ورنہ کا نشانہ آپ خود ہی بنیں گی میڈم۔ خدا حافظ!'' اُجالا نے ان کی بات کاٹ کر کہا اور تیزی سے ان کے آفس سے باہر نکل گئی۔

''ہونہہ...... یہ کل کی چھوکری مجھے سبق سکھائے گی احمق۔'' میڈم عذرا نے غصے اور طنز سے کہا۔

''چوکیدار باہر سرخ رنگ کی کار آئے تو مجھے بتا دینا۔'' اُجالا نے گیٹ کے پاس پہنچ کر چوکیدار سے کہا۔

''جی بہتر میں ابھی دیکھتا ہوں۔ ابھی ایک کار آئی تو تھی۔'' چوکیدار یہ کہتے ہوئے گیٹ کھول کر باہر نکل گیا۔ گیٹ کی اوٹ میں ہو کر اُجالا نے باہر دیکھا۔ ہارون گاڑی لئے موجود تھے۔ وہ دوپٹہ سر پر ٹھیک سے اُوڑھ کر باہر نکل گئی۔ ہارون نے اسے آتا دیکھ کر گاڑی کا دروازہ کھول دیا۔ وہ ان کے برابر فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اس کے بیٹھتے ہی ہارون نے گاڑی اسٹارٹ کر دیا۔

''دارالامان میں ریپئر (مرمت) اور وائٹ واش کا کام آپ کروا رہے ہیں؟'' اُجالا نے پوچھا۔

''ہاں!'' ہارون نے اس کی طرف دیکھے بنا جواب دیا۔

''کیوں؟''

''کیوں جناب! کیا ہمیں نیکی کمانے کا کوئی حق نہیں ہے۔'' ہارون نے ونڈ اسکرین پر نظریں جمائے محتاط انداز میں ڈرائیو کرتے ہوئے نرم لہجے میں کہا۔

''یہ کیسٹ میڈم عذرا سے ہونے والی میری گفتگو پر مبنی ہے۔ اس میں ان کے اعتراف ہیں جو انہوں نے غلط کام کرنے پر بہت فخر سے بیان کئے ہیں۔'' اُجالا نے اپنے پرس میں چھوٹا سا ٹیپ ریکارڈر نکالا اور کیسٹ نکال کر ڈیش بورڈ پر رکھتے ہوئے بتایا۔

''تم کیا میڈم عذرا کا انٹرویو کرنے گئی تھیں؟'' ہارون نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں لیکن میں نے ان سے وہ سب باتیں کہلوائی ہیں جو انہیں قانون سے سزا دلوانے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔'' اُجالا نے سنجیدگی سے بتایا۔

''گڈ...... تمہیں تو جاسوسہ ہونا چاہئے تھا۔ سیکرٹ سروس بھی موزوں تھا یا ساجد کی طرح جرنلسٹ ہوتیں تم تو بہت ترقی کرتیں، بہت نام کماتیں۔''

ہارون نے بہت ستائشی اور محبت بھرے لہجے میں کہا تو اس نے سیٹ سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کرلیں۔ اس کا دماغ ہارون کے متعلق ہی سوچنے لگا۔

اپنے رویئے کا اس کو بہت رنج، ملال تھا۔ اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔

''لڑکیاں تو جہیز لے کر دُولہا کے گھر جاتی ہیں اور میڈم عذرا نے میرے بدلے میں پیسے وصول کر لئے۔ مجھے ہارون نے جہیز نہ لانے یا لاوارث ہونے کا ایک بار بھی طعنہ نہیں دیا۔ نہ ہی کچھ جتایا۔ کیا تھا میرے پاس، چند کاٹن کے جوڑے جو میں دارالامان میں ہی چھوڑ آئی تھی اور جو ساتھ لائی تھی، وہ ہارون کے بھیجے ہوئے تھے۔ میرے شادی کے جوڑے سے لے کر اب تک کے تمام ملبوسات ہارون نے خریدے۔ حتیٰ کہ میرے پاؤں میں پہنا ہوا جوتا اور سر پر اوڑھا ہوا دوپٹہ تک ہارون کا دیا ہوا ہے۔ میں سوائے اپنے وجود کے کچھ بھی تو نہیں لائی تھی اپنے ساتھ۔ ہارون کی دی ہوئی ہر چیز میرے بدن کو ڈھانپے ہوئے ہے۔ انہوں نے میری سابقہ رہائش دارالامان کو بہتر بنانے کا انتظام کیا ہے، مجھے میرا حق دلوانا چاہتے ہیں۔ مجھ سے کوئی مطالبہ نہیں کیا ہارون نے اور میں دے بھی کیا سکتی ہوں انہیں۔ ہارون نے تو صدقِ دل سے مجھے چاہا، مجھ سے شادی کر کے مجھے عزت دی اور میں نے اُن کی پُرخلوص محبت پر شک کیا۔ ان کا دل دکھایا، کچھ اور نہیں تو...... محبت تو تھی نا مجھے ان سے، مگر میں وہ محبت بھی انہیں نہ دے سکی۔ جس محبت کے لئے ہارون نے بہت محبت

سے مجھے اپنایا، میں انہیں وہ محبت بھی نہ دے سکی۔ کتنی بے حس ہوگئی تھی میں، اچانک شک کی آندھی چلی تھی اور اس نے ہارون کا محبت بھرا دل ہلا کے رکھ دیا۔''

''ہیلو ہیلو...'' ہارون نے اس آنکھوں کے سامنے چٹکی بجاتے ہوئے اسے متوجہ کرنے کی کوشش کی تو اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔ اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگ رہے تھے اور اس کی آنکھیں اور زیادہ حسین ہوگئی تھیں۔ بھیگی گہری آنکھوں نے جہاں ہارون کو دکھی کیا، وہاں وہ ان آنکھوں کی گہرائیوں میں ڈوبنے لگے تھے۔ کیسا سحر تھا ان شربتی آنکھوں میں، بے خود کر دینے والا سحر۔

''بہت مشکل ہے بچ نکلنا۔ میرا خیال ہے کہ تم گاڑی سے اُتر ہی جاؤ۔'' ہارون نے مسکراتے ہوئے کہا۔ گاڑی ہارون ولا میں آ کر رکی تھی اور اُجالا اپنی سوچوں میں اس قدر گم تھی کہ جان ہی نہ سکی۔ ہارون نے دوسری جانب آ کر اس کی طرف والا گاڑی کا دروازہ کھولا تو وہ خاموشی سے گاڑی سے اُتر گئی اور چھوٹے چھوٹے، تھکے تھکے قدم اٹھاتی لان میں چلی آئی۔ جہاں سنہری دھوپ اپنی ہتھیلیاں بچھائے ہوئے تھی۔ ہارون بھی گاڑی لاک کر کے اُدھر ہی آ گئے۔ ان کے ہاتھ میں اس کی دی ہوئی کیسٹ بھی تھی۔

''یہ اسٹیریو تمہارے پاس کہاں سے آیا؟'' ہارون نے پوچھا۔

''یہ بہت پہلے میری نویں برتھ ڈے پر بابا جان نے مجھے تحفے میں دیا تھا اور کہانیوں کی کیسٹیں بھی ساتھ دی تھیں۔ بابا کی یہی ایک نشانی میرے پاس بچی تھی جو میں نے چھپالی تھی۔ یہاں آتے ہوئے میں اپنے ساتھ لائی تھی۔'' اُجالا نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

''اور آج تم نے اس سے کارنامہ انجام دے ڈالا۔ اب تو کوئی مشکل نہیں ہوگی میڈم کو اس کے منطقی انجام تک پہنچانے میں۔'' ہارون نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔'' اُجالا نے کیسٹ ٹیپ ریکارڈر میں لگاتے ہوئے کہا۔

''تو کرو نا...... ہم ہمہ تن گوش ہیں۔'' ہارون نے بڑے دلنشین اور محبت بھرے لہجے میں کہا۔

''بات یہ ہے کہ میں آپ سے......'' اُجالا بات کرتے کرتے ان کی شوخ و شریر اور دلفریب مسکراہٹ سے بوکھلا کر خاموش ہوگئی۔ کب محسوس کی تھیں اس نے ایسی نظریں، ایسے شوخ، شریر محبت بھرے لہجے، یہ والہانہ پن، یہ محبت و چاہت بھرا انداز اور اظہار۔ وہ بہت نروس ہو رہی تھی

اُن سے جبکہ ہارون اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے اسی اپنائیت بھرے لہجے میں بولے۔

''ارے کہو نا...... تم تو بہت بہادر لگی تھیں مجھے پہلی ملاقات میں۔ اب اس قدر گھبرا کیوں جاتی ہو تم مجھ سے بات کرتے ہوئے۔''

''کیا آپ نہیں جانتے؟''

''میں نے پہلے بھی جو جانا تھا وہ پیار کی بجائے غصے اور نفرت کا اظہار نکلا۔ اس لئے اب میں کچھ جانتے ہوئے بھی کچھ کہنا نہیں چاہتا۔'' ہارون کا لہجہ بے حد سنجیدہ تھا۔ وہ اپنے رویے پر شرمندہ ہوگئی۔

''ہارون میں آپ سے......'' وہ لفظ ڈھونڈ رہی تھی۔ زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ عجیب مشکل آن پڑی تھی کہ اب جبکہ وہ ان سے معافی مانگنا چاہ رہی تھی تو عمر بھر کی بوکھلاہٹ اور گھبراہٹ جیسے آج ہی اس پر حملہ آور ہوگئی تھی۔ وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کہہ سکی۔

''دل تو چاہ رہا ہے کہ تم مجھے پکارتی رہو اور میں سنتا رہوں مگر خیر چلتا ہوں۔'' ہارون نے محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے بے اختیار پوچھا۔

''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''ہے ایک ضروری کام!'' ہارون اس کی بے اختیاری پر خوشی سے مسکراتے ہوئے بولے۔

''واپس کب آئیں گے؟'' اُجالا کو اپنی کیفیت چھپانی مشکل ہو رہی تھی۔ بے ساختہ دوسرا سوال پوچھا اور ہارون کے لبوں پر گہری دلفریب مسکراہٹ دیکھ کر شرمندہ ہوگئی اور نظریں جھکا کر آہستہ سے بولی۔ ''آئی ایم سوری۔''

''اُجالا تم میری بیوی ہو اور تمہیں پورا حق ہے کہ تم مجھ سے پوچھو کہ میں کہاں جا رہا ہوں؟ کیوں جا رہا ہوں اور واپس کب لوٹوں گا؟'' ہارون نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ وہ خاموش رہی تو انہوں نے نرمی سے کہا۔ ''تم اندر جا کر آرام کرو اور اطمینان سے سوچو کہ تمہیں مجھ سے کیا کہنا ہے اور کس طرح کہنا ہے۔ میں واپس آؤں گا تو تم سے پوچھ لوں گا، ٹھیک ہے۔ اب میں چلتا ہوں ٹیک کیئر۔''

ہارون اپنی گاڑی میں آفس جانے والی سڑک پر گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے۔ ان کے اندر ایک عجیب سی خوشی اور سرشاری رقص کر رہی تھی۔ انہیں اُجالا کی اُدھوری باتوں میں اس کی ان سے معافی اور محبت کا اظہار چھپا محسوس ہوا تھا۔ اُجالا نے میڈم عذرا سے گفتگو والی کیسٹ انہیں اسی لئے

دی تھی کہ اُسے اُن پر اعتبار آ گیا تھا۔ اُس کی غلط فہمی دور ہوگئی تھی کیونکہ میڈم عذرا کی اصلیت کھل کر اُس پر آشکار ہوگئی تھی۔ اُجالا کا شرمایا، گھبرایا، کچھ کہتا چہرہ انہیں روح تک سرشار کر رہا تھا۔ مسکراہٹ ان کے لبوں پر آ آ کر دم توڑ رہی تھی۔ ان کا دل چاہا کہ ساری کائنات کو اپنی اس خوشی میں شریک کر لیں مگر شاید ابھی ان کی مسلسل اور مستقل خوشی کا وقت نہیں آیا تھا۔

یہ خوشی عارضی تھی، ابھی انہیں ایک اور امتحان کا سامنا تھا، وہ پر ہجوم سڑک پر کار ڈرائیو کر رہے تھے۔ اچانک ہی ایک تیز رفتار ٹیکسی ان کی گاڑی کے سامنے آ گئی۔ انہوں نے جلدی سے اسٹیئرنگ گھما کر گاڑی سائیڈ سے نکالنے کی کوشش کی لیکن ٹیکسی ڈرائیور تو کرتب دکھانے کے موڈ میں لگ رہا تھا۔ اس نے ان کی گاڑی سے ٹکرانے کی کوشش کی۔ ہارون نے گاڑی کو اس کی زد میں آنے سے بچانے کے لئے تیزی سے اسٹیئرنگ گھمایا۔ راستہ صاف ہونے کی اُمید میں دیکھا تو سامنے سائیکل سوار آ گیا۔ اسے اب اپنی گاڑی کی زد میں آنے سے بچانے کے لئے جو انہوں نے کوشش کی تو اس تیز رفتاری اور غیر متوقع صورت حال میں گاڑی سڑک سے اتر گئی اور وہاں لگے کھمبے سے ٹکرا گئی۔ اس کے ساتھ ہی چھناکے کی آواز پیدا ہوئی۔ ان کی گاڑی کا ونڈ اسکرین کا شیشہ زور دار جھٹکا لگنے سے ٹوٹ گیا اور ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ بھی جھٹکے سے کھل جانے کی وجہ سے ہارون کھمبے سے جا ٹکرائے اور ان کا دایاں بازو ٹوٹ گیا۔ سر سے خون کا فوارہ اُبل پڑا۔ وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں تھے کہ لوگ جمع ہوگئے اور انہیں ان ہی کی گاڑی میں ڈال کر ایک مخلص قریبی ہسپتال لے گیا اور ان کے بتائے ہوئے نمبر پر ساجد کو ان کے ایکسیڈنٹ کی خبر دی۔ ساجد خبر ملتے ہی ہسپتال پہنچ گیا، وہ بہت پریشان تھا۔

ہارون کے سر پر پٹی باندھی جا چکی تھی اور ڈاکٹر امجد نے ان کے بازو کی ہڈی صحیح جگہ سیٹ کر کے پلستر چڑھا دیا تھا۔ ساجد ڈاکٹر امجد سے ہارون کی حالت اور رپورٹس کے بارے میں تفصیلی بات چیت کرنے [illegible] پرائیویٹ روم میں آ گئے۔ ہارون بیڈ پر سو رہے تھے شاید۔

"ہارون...... ہارون ادھر دیکھ۔" ساجد نے ان کے رخسار تھپتھپاتے ہوئے انہیں پکارا۔

"اُجالا نہیں آئی؟" ہارون نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"نہیں...... تم کہو تو میں ابھی اُجالا بھابی کو فون کر کے بُلوا لوں۔"

"نہیں یار رہنے دے، اُسے میرے ایکسیڈنٹ کے متعلق کچھ نہ بتانا ورنہ وہ پریشان ہو جائے گی۔" ہارون نے دھیمی آواز میں کہا۔

"اچھا جیسے تیری مرضی۔" ساجد نے کندھے اچکا کر کہا۔

ساجد نے گاڑی ہارون ولا کے گیراج میں بند کروا دی۔ اُجالا اندر تھی، اُسے بھنک تک نہ پڑی کہ باہر کیا ہو رہا ہے۔ ساجد نے آمنہ بی کو راز داری سے ہارون کے ایکسیڈنٹ کا بتا دیا۔ آمنہ بی تو ماں جیسا پیار کرتی تھیں۔ ان سے یہ خبر سن کر بے حد پریشان اور بے قرار ہوئیں اور ان کے لئے پرہیزی کھانا پکایا اور گلو چاچا کے ہاتھ ہسپتال بھجوا دیا۔ ہارون کی دیکھ بھال کے لئے ساجد اور گلو چاچا دن رات ہسپتال میں رہے۔

ادھر اُجالا تمام رات بے چینی اور پریشانی کے عالم میں ہارون کا انتظار کرتی رہی۔ طرح طرح کے اندیشے، وسوسے اور خیالات اسے پریشان کرتے رہے۔ نیند بھی نہ آ سکی اور صبح فجر کی نماز میں اس نے دل کی گہرائیوں سے ہارون کی سلامتی کی دُعا مانگی۔

"ہارون ولا" کے تمام ملازمین کو ہارون کے ایکسیڈنٹ کا علم ہو چکا تھا اور وہ باری باری ہسپتال جا کر ہارون کی خیریت بھی پوچھتے رہے تھے۔ ہارون کے لئے سوپ اور یخنی کبھی ساجد اور ثوبیہ اپنے گھر سے بنا کر لے جاتے اور کبھی آمنہ بی ہارون کے کھانے کے ساتھ بنا کر خود لے جاتیں۔ تین دن گزر گئے، اُجالا نے یہ تین دن بہت پریشانی میں گزارے۔ دل ہارون کے لئے تڑپ تڑپ کر پاگل ہو گیا۔ وہ کسی سے کچھ پوچھ بھی نہ سکی۔ اس خیال سے کہ گھر کے ملازمین کیا کہیں گے کہ بیوی ہو کر اسے یہ تک معلوم نہیں کہ اس کا شوہر کہاں گیا ہے اور کس حال میں ہے؟ تین دن اور تین راتیں اس نے روتے، تڑپتے اور ہارون کو یاد کرتے کرتے گزاری تھیں۔ آمنہ بی اور گلو چاچا سے پوچھا تو انہوں نے اسے یہ کہہ کر مطمئن کرنا چاہا کہ ہارون ضروری کام کے سلسلے میں اسلام آباد چلے گئے ہیں اور وہ تو اکثر دفتر سے اسلام آباد چلے جایا کرتے تھے۔ شادی سے پہلے بھی۔

"وہ فون تو کر سکتے تھے مجھے......" اُجالا نے دل میں کہا۔ اسے آمنہ بی اور گلو چاچا کی باتوں پر اعتبار نہیں آیا تھا۔ یہ اس کے دل کا معاملہ جو تھا۔ اس کا تو کھانا پینا، سونا جاگنا حرام ہو چکا تھا۔ آمنہ بی نے بمشکل اپنے سامنے بٹھا کر چند نوالے کھلائے تھے اسے۔ وہ خود کو قصور وار سمجھ رہی تھی۔ ہارون اس سے ناراض نہیں تھے مگر اس کا یہی خیال تھا، وہ ضرور اس سے بہت ناراض ہیں۔ اسی لئے بغیر بتائے اسلام آباد چلے گئے۔

"آج چوتھا دن تھا۔ اُجالا نے ساجد اور ثوبیہ کے گھر جانے کا ارادہ کیا اور تیار ہو کر باہر نکلی تو اس کی نظر ہارون کی سرخ مرگلہ پر پڑی جسے گلو چاچا ڈرائیو کرتے ہوئے گیٹ کی طرف لے جا رہے تھے۔ وہ بھاگتی ہوئی کار تک پہنچی تو گلو چاچا گاڑی روک کر گاڑی سے باہر نکل آئے۔ اُجالا نے

ان کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بے تابی سے پوچھا ''چاچا ہارون کہاں ہیں؟''

''وہ تو اسلام آباد سے ابھی نہیں آئے۔'' گلو چاچا نے جھوٹ بولا۔

''تو ان کی گاڑی کیسے آ گئی ان سے پہلے...... اور......او مائی گاڈ!'' اُجالا کی نظر گاڑی کی ٹوٹ پھوٹ پر پڑی تو وہ اپنا دل تھام کر رہ گئی۔

''چاچا یہ کیا ہے...... یہ کیسے ہوا، ہارون کہاں ہیں؟ بتائیے چاچا!'' وہ دیوانگی کی حد تک پریشان ہو کر پوچھ رہی تھی۔

''دُلہن بی بی! ہارون صاحب جس دن آپ کو چھوڑ کر گئے تھے، اسی دن آفس جاتے ہوئے راستے میں ان کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔'' گلو چاچا کو ناچار سچ بتانا ہی پڑا۔

''کیا...... آ......'' اُجالا کو یوں لگا جیسے اس کے دل کو کسی نے مٹھی میں لے کر مسل دیا ہو۔

''تو آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا تھا۔ کیوں چُھپایا آپ لوگوں نے مجھ سے؟''

''ہارون صاحب نے ہمیں منع کیا تھا دُلہن بی بی......'' گلو چاچا نے بتایا۔

''انہیں زیادہ چوٹیں تو نہیں لگیں......'' اُجالا نے پریشانی سے کہا۔ ''گاڑی کا تو حشر بن گیا ہے۔''

''ہارون کا کیا حال ہے چاچا؟''

''ہارون صاحب کے دائیں بازو کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ ان کا سر بھی پھٹ گیا تھا۔ بہت خون بہہ گیا تھا ان کا لیکن وہ بہتر ہیں۔'' گلو چاچا کے اس انکشاف نے تو اس کے دل پر چھریاں چلا دیں۔

''آپ مجھے فوراً ہسپتال ہارون کے پاس لے چلیں۔'' اُجالا نے دوسری کار کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

''جی بہتر......'' گلو چاچا نے آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی اور اس کے پیچھے سیٹ پر بیٹھتے ہی گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''ہارون کے بازو میں فریکچر ہو گیا اوہ میرے خدایا! انہیں کس قدر تکلیف ہوئی ہو گی اور اس وقت نجانے وہ کیسا محسوس کر رہے ہوں گے اور میرے بارے میں نامعلوم انہوں نے کیا سوچا ہو گا؟'' وہ پریشانی سے سوچ رہی تھی۔ اس حادثے کا ذمہ دار وہ خود کو سمجھ رہی تھی۔ اس کا دل ڈوبا جا رہا تھا۔

☆☆☆

ساجد کی نظر دروازے میں کھڑی اُجالا پر پڑی تو ایک لمحے کو رُکا پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ ''ارے اُجالا بھابی آپ دروازے میں کیوں کھڑی ہیں؟ اندر آئیے نا!''

ہارون نے بے اختیار گردن گھما کر بائیں جانب دروازے کی طرف دیکھا۔ اُجالا نے پرپل اور بلیک کلر کا گرم سوٹ پہنا ہوا تھا۔ سادہ سے لباس میں چہرے پر اداسی، پریشانی اور پشیمانی کے تاثرات سجائے وہ ہارون کو دیکھتی، ان کے بیڈ کے قریب چلی آئی۔ ہارون نے بس اس کی صورت کو تکے جا رہے تھے۔ اُجالا نے ان کے بازو پر چڑھا پلستر اور سر پر بندھی پٹی دیکھی تو اس کی پلکیں بھیگ گئیں۔ ان کے چہرے سے اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ ان کا کتنا خون بہا ہو گا اور وہ کتنی تکلیف سے گزرے ہوں گے۔

''آہم......'' ساجد نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے انہیں اپنی موجودگی کا احساس دلانا چاہا تو وہ دونوں چونک کر اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہو گئے۔

ساجد نے بڑی راز داری سے اس کے قریب آ کر آہستہ سے کہا۔ ''بھابی جان! آپ کے دل میں ہارون کے لئے جس بھی قسم کے جذبات موجود ہیں، ان کا برملا اظہار کر دیجئے، اچھا موقع ہے۔ گڈ لک ٹو یو۔''

''ساجد تُو کہاں جا رہا ہے؟'' ساجد دروازے کی طرف بڑھا تو ہارون نے پوچھا۔

''میں ڈاکٹر صاحب سے تمہارا حساب بیباق کرنے جا رہا ہوں۔ تم بھابی کی ناراضگی دور کرو۔ بائے۔'' ساجد یہ کہہ کر کمرے سے چلا گیا اور موقع کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے دروازہ اچھی طرح بند کر دیا تھا اس نے۔ اب وہ دونوں کمرے میں تھے اور دونوں ہی ایک دوسرے سے بات کرنے کے لئے الفاظ ڈھونڈ رہے تھے۔

''کیسے ہیں آپ؟'' اُجالا نے ہی پہل کرتے ہوئے پوچھا۔

''تمہیں کیسا لگتا ہوں میں؟'' ہارون نے الٹا اسی سے سوال کر ڈالا۔

وہ نروس تو ہوئی مگر فوراً ہی سنبھل بھی گئی اور اپنی تمام ہمت جمع کر کے بولی۔

''آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ آپ مجھے کیسے لگتے ہیں؟''

''ہاں شاید!'' وہ خوش دلی سے مسکرائے۔ ''اور تم کیسی ہو؟''

''کیسی ہو سکتی ہوں؟'' اُجالا نے لرزتی آواز میں ان ہی سے پوچھا۔ ''آپ نے گھر کے تمام ملازمین کو اپنے ایکسیڈنٹ کا بتا دیا اور مجھے بتانا گوارا نہیں کیا۔ کیا رشتہ ہے میرا اور آپ کا؟ کس رشتے سے آپ مجھے اپنے گھر لائے تھے؟''

"تم بیوی ہو میری اور محبت سے میں نے تمہیں اپنایا تھا۔" ہارون اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"اسی لئے آپ نے مجھے اپنی تکلیف سے بے خبر رکھا۔ گھر کے ملازموں کو تو بتا دیا لیکن بیوی کو نہیں بتایا۔ کیا اتنی ہی اہمیت تھی آپ کی نظر میں میری کہ اتنے مضبوط رشتے کے ہوتے ہوئے آپ نے مجھے اس حادثے کی اطلاع تک نہیں دی؟"

"تمہیں مجھ سے نفرت جو تھی۔" وہ لاجواب ہو کر یہی کہہ سکے۔

"آپ کو تو مجھ سے محبت تھی نا!" اُجالا نے بھیگتی آنکھوں سے انہیں دیکھا۔ "آپ تو مجھے بتا سکتے تھے۔"

"ہاں! مگر جو لوگ کسی سے محبت کرتے ہیں وہ اسے دکھ کی، پریشانی کی خبر تو نہیں سنایا کرتے نا!" ہارون نے اپنی صفائی میں دلیل پیش کی۔

"جی نہیں!" اُجالا نے ان کی بات کو یکسر مسترد کر دیا اور بولی۔ "جو لوگ کسی سے محبت کرتے ہیں، وہ اس سے اپنے غم، اپنی خوشیاں اور اپنی زندگی کے تکلیف دہ لمحے سب شیئر کرتے ہیں، لیکن آپ نے تو مجھے اپنی تکلیف کے لمحوں میں شامل کرنے کے قابل سمجھا ہی نہیں۔"

"ایسا نہیں ہے اُجالا!" ہارون بے قرار ہو کر بولے۔

"تو کیسا ہے؟" وہ رو دینے کو تھی۔

"اُجالا میں تمہیں پریشان نہیں کرنا چاہتا تھا۔" ہارون نے محبت سے اسے دیکھتے ہوئے

"تو آپ کے خیال میں یہ تین دن میں نے خوشی اور سکون سے گزارے ہیں آپ کے

؟"

"اُجالا....." ہارون کو اپنی سماعت پہ یقین نہیں آرہا تھا۔ خوشی کے شادیانے ان کے من میں بجنے لگے تھے۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا کر اس کی نرم و نازک کلائی تھام لی۔

"بیٹھ جاؤ!" ہارون نے محبت سے کہا۔

وہ ان کے قریب بیڈ کی پٹی پر بیٹھ گئی۔ وہ پہلی بار ان کے اس قدر قریب بیٹھی تھی۔ ہارون بت کی حدت اسے اپنے پورے بدن میں سرایت کرتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"یہ تین دن میں کیسا انقلاب آ گیا ہے اُجالا ڈیئر۔" ہارون نے اس کی جھکی بھیگی پلکوں کو ہوئے شوخ لہجے میں پوچھا حالانکہ جانتے تھے اس کے دل کا حال۔

"ہارون مجھے وقتی طور چند گھنٹوں کے لئے آپ پر غصہ آیا تھا۔ غلط فہمی ہو گئی تھی اور وہ غلط فہمی دور بھی ہو گئی تھی۔" اس نے بھرائی آواز میں بتایا۔

"تو تم نے مجھ سے کہا کیوں نہیں تھا؟"

"کہنا تو چاہ رہی تھی..... مگر..... ہارون آپ تو جانتے تھے۔"

"جانتا تھا لیکن خود اپنی زبان سے کیسے کہہ دیتا؟ تم نے جس گھٹیا کاروبار کا آدمی سمجھ لیا تھا، جیسے الزامات مجھ پر عائد کر دیئے تھے، اس کے بعد میں ایسی کوئی بات اور وہ بھی تمہارے دل کی بات کیسے کہہ دیتا تم سے..... اپنے دل کی بات تو تمہیں ہی مجھ سے کہنی چاہئے تھی۔"

"ہاں! تو اب کہہ تو رہی ہوں۔" وہ بچوں کی سی معصومیت سے بولی۔

"کیا کہہ رہی ہو؟" ہارون کو اس کی معصومیت پر پیار آنے لگا۔

"یہی کہ مجھے آپ سے نفرت نہ اب ہے نہ کبھی ہو سکتی ہے۔ آپ میری وہ غلطی معاف کر دیجئے۔" اُجالا نے شرمندگی سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو ان کا دل موم کی طرح پگھل گیا۔ مگر اسے ستانے کے لئے بولے۔

"تم نے اتنے بُرے الفاظ میرے لئے استعمال کئے۔ میری نیت اور محبت پر شک کیا۔ شادی کی پہلی رات تم نے جو سلوک میرے ساتھ کیا، تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہیں اتنی جلدی اور اتنی آسانی سے معاف کر دوں گا؟"

"پلیز.....!" اُجالا نے اُن کے سینے پر اپنا ہاتھ رکھ کر ملتجی لہجے میں کہا۔ ان کو تو اپنے دھڑکتے دل پر اس کے نرم ملائم ہاتھ کی موجودگی کے احساس نے دیوانہ بنا دیا اور وہ مسرور ہو کر بولے۔

"چلو معاف کیا..... تم بھی کیا یاد کرو گی۔"

"بہت پیاری لگ رہی ہو تم مجھے یوں مناتی ہوئی، دل چاہ رہا ہے کہ میں تم سے ناراض ہی رہوں اور تم مجھے اسی طرح منانے کی کوشش کرتی رہو۔" ہارون نے اس کے چاندنی لٹاتے چہرے کو محبت سے دیکھتے ہوئے کہا تو اس کی نظر حیا کے بوجھ سے خود بخود جھک گئی۔ چہرے پر شفق کی سُرخی پھیل گئی۔ ہارون نے بہت والہانہ پن سے اسے دیکھا کتنے ہی لمحے خاموش گزر گئے۔

"گھر چلیں....." اُجالا نے پلکیں اٹھا کر ان کے چہرے کو دیکھا۔

"کون سے گھر؟" ہارون نے اس کے قریب ہو کر پوچھا۔

"اپنے گھر!" اُجالا نے شرمیلی آواز میں کہا تو وہ اس کی ٹھوڑی پکڑ کر نرم لہجے میں بولے۔

"چلتے ہیں مگر گھر جانے سے پہلے تمہیں مجھ سے ایک وعدہ کرنا ہوگا اور وہ یہ کہ آئندہ تم کبھی بھی ان چار لاکھ کا ذکر نہیں کرو گی۔ میری محبت پر شک نہیں کرو گی۔"

"نہیں کروں گی۔" اُجالا نے جلدی سے کہا۔ "کبھی نہیں کروں گی، کچھ بھی نہیں کروں گی۔"

"ارے ارے اب ایسا غضب بھی مت کرنا۔" ہارون نے اس کی جلد بازی اور معصومیت پر مسکراتے ہوئے تیزی سے کہا۔ "کم از کم محبت تو کرنا تم مجھ سے۔"

"وہ تو کروں گی ہی......" اُجالا نے بے ساختہ کہا اور پھر خود ہی اپنی بے اختیاری پر شرما گئی۔ ہارون خوش دلی سے ہنس پڑے۔ پھول ہی پھول اُن کے چار سو مہک اٹھے۔ انہوں نے محبت سے پوچھا۔

"اپنی اس بات پر قائم رہو گی نا؟"

"ہاں!" اُجالا نے حجاب آمیز لہجے میں کہا تو ہارون کی خوشی اور دیوانگی دیدنی تھی۔ دل خوشی سے ناچ رہا تھا۔ انہیں اپنی ساری تکلیف بھول گئی تھی اور وہ خوشی سے اس کے بالوں کو چھیڑتے ہوئے بولے۔

"اُجالا ڈیئر یہ ایکسیڈنٹ میرے لئے بہت......مبارک ثابت ہُوا ہے۔"

"ہارون......!" اُجالا نے ایک دم تڑپ کر ان کے چہرے کو دیکھا اور اپنا دایاں ہاتھ ان کے رخسار پر نرمی سے پھیرا تو اس کی آنکھوں نے جو ضبط کے بند باندھ رکھے تھے، وہ ٹوٹ گئے۔ آنسو اس کی شربتی آنکھوں سے ٹپکے اور اس کے رخساروں پر پھیل گئے اور وہ ہارون کی تکلیف کے احساس سے تڑپ کر ان کے گداز بازو میں اپنا چہرہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی......!

"محبت سے بھرے دل کو غلط فہمی جب ہوتی ہے
دلوں میں شک بوتی ہے
روح کو تڑپاتی ہے
دوری جان جلاتی ہے
وفا کب یاد آتی ہے؟
پھر اچانک
کوئی واقعہ، کوئی حادثہ، محبت کا یقین بن کر اُنہیں لمحوں میں آتا ہے۔
غلط فہمی مٹاتا ہے

اور محبت سے بھرے دل میں
اُجالا پھیل جاتا ہے
دلوں میں قُرب کی خواہش مچلتی ہے
محبت کی حسین دیوی وفا بن کے نکلتی ہے
لبوں سے معذرت کے لفظ بکھرتے ہیں
محبت کرنے والوں کے حسین چہرے نکھرتے ہیں
پھر، غلط فہمی کی نادانی، پلکوں کو بھگوتی ہے
محبت اپنے دامن میں سارے اشک سموتی ہے
خوشی سے مسکراتی ہے
اسے دل سے لگاتی ہے
اور ہنس کر یہ سمجھاتی ہے
ارے پگلی کیوں روتی ہے؟
محبت یوں بھی ہوتی ہے!



محبت ہے ہمارے پاس

''آپ مجھ سے دوستی کریں گی؟'' وشال احمد نے اس کی سیاہ چمکتی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے جواب چاہا۔

''کیوں؟'' سبعین نے کڑے تیوروں سے اُسے دیکھا تھا۔

''کیونکہ مجھے آپ جیسی حسین اور ذہین لڑکیوں سے دوستی کرنے کا شوق ہے۔''

صاف جواب آیا تھا سبعین کو اس سے ایسے ہی جواب کی توقع تھی لہٰذا تپ کر بولی۔

''تو آپ کو یہ سُن کر شاک لگے گا کہ مجھے آپ جیسے لڑکوں سے دوستی کرنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔''

''کیوں مس سبعین مجھ میں کیا کمی ہے؟''

''یہ تو آپ ہی جانیں کہ آپ میں کیا کمی ہے؟'' سبعین نے رکھائی سے جواب دیا۔

''دیکھیے!''

''اب آپ اتنے بھی حسین نہیں ہیں کہ میں آپ کو ہی دیکھتی رہوں۔'' سبعین نے وشال کی بات کاٹ کر کہا تو اس کے برابر میں کھڑی شامین نے اُسے کہنی ماری۔ وہ اُس کی اس حد تک پہنچی ہوئی صاف گوئی سے سخت نالاں تھی۔

''آپ میرا مطلب نہیں سمجھ رہیں۔'' وشال نے بڑے ضبط سے کہا۔

''کیونکہ میں آپ کا مطلب سمجھنا ہی نہیں چاہتی۔''

''آخر کیوں؟ باقی لڑکوں سے تو آپ فرینکلی بات کر لیتی ہیں؟''

''بات کرنے اور بات بڑھانے میں بہت فرق ہوتا ہے مسٹر وشال احمد۔''

''آپ میری توہین کر رہی ہیں۔'' وشال نے تلملا کر کہا لیکن لہجہ نرم تھا بدستور۔

''حیرت ہے آپ کو اپنی توہین بھی محسوس ہوتی ہے۔'' سبعین نے با قاعدہ آنکھیں پھیلا کر اُسے حیرانگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ شامین نے اُسے غصے سے گھورا۔

''کیا سمجھتی ہیں آپ اپنے آپ کو؟'' اب کی بار وشال کو بھی غصہ آ گیا۔

''وہی جو میں ہوں یعنی حسین اور ذہین لڑکی...... ہے نا!'' وہ بڑی ادا سے بولی۔

''جی نہیں...... آپ دراصل ایک مغرور اور خود پسند لڑکی ہیں۔'' وہ سلگتے لہجے میں بولا۔

''ارے واہ آپ تو پورے سیاست دان نکلے چند لمحوں میں اپنا بیان بدل لیا۔ اپنی زبان سے پھر گئے۔ ارے آپ یونیورسٹی میں کیا کر رہے ہیں سیاست میں جائیں، الیکشن لڑیں اور اسمبلی میں کرسی پکی کریں وہاں آپ جیسا کھوٹا سکہ بھی چل جائے گا۔'' سبعین نے اس کی بے عزتی کی اور بداخلاقی کی حد کر دی۔

''مس سبعین میں اس سے زیادہ توہین برداشت نہیں کر سکتا۔'' وہ غصے سے بولا۔

''یہ آپ کے ''عام مرد'' ہونے کا ثبوت ہے۔ اینی ہاؤ اب آپ جائیں کیونکہ آپ میرا خاصا وقت برباد کر چکے ہیں۔'' سبعین نے بے نیازی سے کہا۔

''میں آپ کی زندگی برباد کر سکتا ہوں۔'' وشال نے اُسے خوفزدہ کرنا چاہا۔

''ایسا کہہ کر آپ نے اپنے متعلق میری رائے پر تصدیق کی مہر ثبت کر دی ہے۔'' سبعین نے اطمینان سے سنگی بنچ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''وشال بھائی، آپ پلیز مائنڈ مت کیجیے گا ایکچوئلی آج سبعین کی طبیعت کچھ خراب ہے اس کے نوٹس بھی گم ہو گئے ہیں اس لیے یہ غصے میں آ کر اول فول بکے جا رہی ہے پلیز آپ مائنڈ مت کیجیے۔'' شامین نے بات سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے جلدی سے بہانہ بنایا تو وہ مسکراتے ہوئے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''شامین آپ اپنی دوست کی بہت اچھی وکیل ہیں۔ میں تو آپ کے کہنے سے مائنڈ نہیں کروں گا لیکن آپ بھی اپنی دوست کا مائنڈ میرے متعلق کلیئر کر دیجیے کیونکہ اس حسین چہرے پر یہ بدگمانی اور بداخلاقی کچھ سوٹ نہیں کر رہی او کے بائے۔'' وشال جاتے جاتے سبعین کے چہرے پر ایک گہری نگاہ ڈال کر گیا تھا سبعین لمحے بھر کو ٹپٹائی مگر فوراً سنبھل بھی گئی۔

''کیا ضرورت تھی تمہیں یہ سب بکواس کرنے کی جانتی ہو وشال احمد ایک مل اونر اور انڈسٹریلسٹ کا بیٹا ہے اور وہ بھی اکلوتا۔ سب سے بڑھ کر وہ ایک مرد ہے اور کوئی بھی مرد کسی لڑکی

کے ہاتھوں اپنی بے عزتی برداشت نہیں کرتا وہ فوراً اپنے مرد اور طاقت ور ہونے کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے لڑکی کو بے عزت و بے آبرو کر کے رکھ دیتا ہے۔ دوستی ہی کرنا چاہتا تھا نا وہ تم سے تو کر لیتیں۔ جیسے باقی یونیورسٹی فیلوز سے ''ہیلو ہائے'' ہے ویسے ہی وشال سے بھی رکھتیں تو کیا بُرا تھا، اس میں جو اُسے اتنی کھری کھری سنا ڈالیں؟'' وشال کے جاتے ہی شامین بری طرح سبعین پر برس رہی تھی۔

''وہ سمجھتا ہے کہ ہر لڑکی اس سے دوستی کی خواہش مند ہے اور اس پر فدا ہے، اس سے بات کرنے، اس کے ساتھ چلنے کو اپنا اعزاز سمجھتی ہے جبکہ میں اسے یہ بتانا چاہتی ہوں کہ یہ اس کی خوش فہمی ہے وہ کوئی توپ نہیں ہے کہ جدھر چلے گا تباہی پھیلا دے گا وہ بھی ایک عام مرد ہے بس اُسے اپنے حُسن کا زعم ہے لیکن میرے نزدیک ایک مرد کی وجاہت اس کے کردار کی پختگی اور مضبوطی ہے اور وشال احمد ہونہہ کلی کلی منڈلانے والا بھنورا لیڈی کلر، مجھے ذرا بھی پسند نہیں ہے وہ شخص۔'' سبعین نے سپاٹ اور سلگتے لہجے میں جواب دیا۔

''حالانکہ جب وہ پہلی بار یونیورسٹی آیا تھا تو تمہاری نگاہوں نے ہی اسے ''یوسف ثانی'' اور دیو مالائی حسن کا شاہکار قرار دیا تھا۔'' شامین نے مسکراتے ہوئے اسے یاد دلایا۔

''ہاں تب مجھے اس کے کردار اور اطوار کا علم نہیں بیشک وہ ظاہری حُسن کی دولت سے مالا مال ہے لیکن باطنی حُسن اُس میں ناپید ہے۔ دیکھا نہیں تم نے کیسے ہر روز نئی لڑکی کے ساتھ ہنستا بولتا نظر آتا ہے اور پرسوں تو ہم دونوں نے اُسے آئس کریم پارلر میں اپنی کلاس فیلو ذوبیہ کے ساتھ آئس کریم کھاتے دیکھا تھا دونوں ایسے باتیں کر رہے تھے جیسے بہت گہرے رشتے میں بندھے ہوں۔'' سبعین نے سنجیدگی سے کہا۔

''تم جیلس ہوئی نا اسے دوسری لڑکیوں پر مہربان دیکھ کر۔'' شامین نے شرارت سے کہا۔

''جیلس ہوتی ہے میری جوتی۔'' میں نے تمہارے سامنے اس کی بے عزتی کی ہے۔'' سبعین نے چڑ کر کہا۔

''ویسے وشال احمد تمہیں سوٹ کرے گا۔''

''میں اُسے شوٹ کروں گی سمجھیں۔'' سبعین نے کہا تو وہ ہنس پڑی۔

کریم اور کلثوم بیگم کے تین بچے تھے دو بیٹے اور ایک بیٹی بڑے بیٹے عظیم، دوسرے نمبر پر نعیم تھے اور تیسرے نمبر پر اسماء کریم تھیں۔

عظیم اور نعیم کی شادیاں اپنی خالہ پھوپھی زاد طاہرہ اور فرزانہ سے ہوئی تھیں۔ عظیم اور

طاہرہ بیگم کے دو بچے تھے ندیم اور شامین، نعیم کے تین بچے تھے فرحین، فہیم اور سبعین۔ فرحین کی شادی تین سال پہلے ندیم سے ہوگئی تھی اس کا ایک بیٹا تھا جب کہ شامین کی منگنی فہیم سے ہو چکی تھی اور اس کے امتحانات کے بعد اس کی شادی کا پروگرام تھا۔ سبعین کے لئے خاندان سے رشتے تو کئی آ رہے تھے مگر اس نے امتحانات سے فارغ ہونے تک اپنی شادی کے معاملے کو التواء میں رکھنے کی تاکید دی تھی سو سب نے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ ارادہ بڑوں کا یہی تھا کہ سبعین اور فہیم کی شادی اکٹھی کی جائے۔ سبعین اور شامین چونکہ بچپن سے ساتھ رہی تھیں۔ دو کینال کے بڑے بنگلے میں وہ سب اکٹھے رہتے تھے۔ آپس میں پیار بھی بہت تھا۔ شامین اور سبعین کی آپس میں بہت دوستی تھی سکول، کالج اور اب یونیورسٹی میں بھی وہ دونوں ساتھ تھیں اور دونوں ایم۔ سی۔ ایس کر رہی تھیں اب تو فائنل بھی ختم ہونے والا تھا۔

اسماء کریم نے اپنی پسند کی شادی کی تھی۔ نعیم اور عظیم نے اس شادی کی مخالفت کی تھی۔ سراج، اسماء کے یونیورسٹی فیلو تھے اچھے شریف اور متمول گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ جب اُن کا رشتہ آیا تو اسماء کی رضامندی اپنے کزن کے رشتے کی بجائے سراج کے رشتے کے لئے تھی۔ جبکہ عظیم اور نعیم کو اسماء کے لئے اپنے کزن زاہد پسند تھے۔ وہ اپنی ضد پر اڑ گئے اور اسماء نے سراج کے سوا کسی اور شخص کو اپنی زندگی میں شوہر کی حیثیت سے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کریم اور کلثوم بیگم کو سراج میں کوئی کمی نظر نہیں آئی سوائے اس کے کہ وہ ان کے خاندان کے نہیں تھے۔ بہت سوچ بچار کے بعد اسماء کی خوشی کو دیکھتے ہوئے انہوں نے سراج کا رشتہ قبول کر لیا اور یوں اسماء کی شادی سراج سے ہو گئی۔ اسماء کی شادی کے چار سال بعد تک کریم اور کلثوم زندہ رہے۔ اسماء کا میکے آنا جانا ان کی زندگی تک ہی رہا۔ کیونکہ دونوں بھائی بظاہر ان سے سلام دُعا کر لیتے تھے مگر دل سے اس رشتے سے خوش نہ تھے پھر سراج کا کینیڈا کا ویزا لگ گیا انہیں وہاں بہت اچھی ملازمت مل گئی تھی سو وہ اسماء کو اور اپنے دونوں بیٹوں کو ساتھ لے کر کینیڈا چلے گئے۔ وہاں جا کر اسماء نے دونوں بھائیوں سے رابطہ رکھنے کی کوشش کی مگر جب اُن کی جانب سے کوئی ردِعمل ظاہر نہ ہوا تو اسماء نے بھی فون اور خط کا سلسلہ منقطع کر دیا، لیکن ہر سال عید پر مبارک باد کے کارڈ وہ دونوں بھائیوں کو بھیجا کرتیں۔ سبعین اور شامین کے علاوہ دیگر کزنز بھی اپنی پھپھو کو اُن کی تصویروں اور عید کارڈز کی بدولت جانتے تھے۔ ندیم اور فہیم کا بچپن اسماء کے بچوں کے ساتھ گزرا تھا تصویریں بھی تھیں وہ بھی پرانی یادیں ہر سال عید کارڈ موصول ہونے پر تازہ کرتے تھے اسماء کا تذکرہ ''کریم ولا'' سے ختم نہیں ہوا تھا۔ اب تو دونوں بھائیوں کو بھی بے جا ضد اور ناحق ناراضگی پر افسوس ہونے لگا تھا۔ ان کے دل میں اسماء سراج کی

محبت بہت شدت سے سر اُٹھا رہی تھی۔ وہ ان سے شرمندہ تھے۔ وہ اسماء کو دیکھنا چاہتے تھے۔ ان سے ملنا چاہتے تھے۔ اپنی ضد اور رویے کی معافی مانگنا چاہتے تھے، لیکن رابطے کی ہمت نہ تھی اور نہ ہی مکمل پتا تھا۔ بہت پہلے اسماء نے اپنا ایڈریس لکھا تھا جو کھو گیا تھا اس کے بعد ان کے عید کارڈز پر ان کا کینیڈا کے گھر کا ایڈریس کبھی لکھا ہوا نہیں آیا۔ اب تو وہ اسماء کی واپسی کی ان سے رابطے کی دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اسماء بہت خوبصورت تھیں۔ سبحین، فرحین اور شامین کو ان سے ملنے کا بہت شوق تھا اور افسوس بھی تھا کہ ان کے بڑوں نے پسند کی شادی کو ایشو بنا کر ان سے قطع تعلق کر لیا۔

☆☆☆

"ہیلو گرلز کیسی ہیں آپ؟" وشال اپنے دوست جنید کے ساتھ ان دونوں کے سامنے موجود تھا اور سبحین کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہم ٹھیک ہیں وشال بھائی آپ کیسے ہیں؟" شامین نے اخلاقیات نبھاتے ہوئے جواب دیا تو وشال نے سبحین کے چہرے کو بغور دیکھ کر کہا۔

"یہ تو آپ اپنی دوست سے پوچھیئے جن کا موڈ آف لگ رہا ہے۔"

"کچھ دیر پہلے تو اس کا موڈ ٹھیک تھا۔" شامین نے سبحین کو دیکھ کر کہا۔

"گویا مجھے دیکھ کر ان کا موڈ آف ہوا ہے۔" وشال سنجیدگی سے بولا۔

"جب آپ یہ بات جانتے ہیں تو کیوں چلے آتے ہیں میرے سامنے جایئے اُن کو اپنے درشن کرایئے جن کا موڈ آپ کو دیکھ کر خوشگوار ہو جاتا ہے۔" سبحین نے بے مرّوتی کی حد کرتے ہوئے رکھائی سے کہا۔

"جیسا سنا تھا ویسا ہی پایا ہے۔" جنید نے سبحین کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب کیسا سنا تھا آپ نے میرے بارے میں اور مسٹر وشال آپ کو کس نے اجازت دی ہے کہ آپ اپنے دوستوں سے میرے متعلق گفتگو کریں میں غیر مردوں کی گفتگو کا موضوع بنوں یہ بات مجھے قطعی ناپسند ہے۔" سبحین نے وشال کو غصے سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ بھی تو شامین سسٹر کے ساتھ مجھے ڈسکس کرتی ہوں گی ناں تو اس طرح جنید میرا بیسٹ فرینڈ ہے اس سے میں اپنی ہر بات شیئر کرتا ہوں اور اسے ہی میں نے بتایا ہے کہ میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔" وشال نے نہایت دھیمے لہجے میں جواب دیا۔

"مسٹر وشال احمد یہ لفظوں کا جال ان پر پھینکو جو تمہاری اس قسم کی باتیں سن کر خوش ہوتی ہیں۔ آئندہ مجھے یہ خرافات مت سنانا ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" سبحین نے غصیلے لہجے میں جواب دیا اور

کلاس روم کی جانب تیزی سے قدم بڑھا دیئے ناچار بوکھلائی ہوئی شامین کو بھی اس کی تقلید کرنا پڑی۔

"وشی یار، تو اس لڑکی کے لئے پاگل ہو رہا ہے۔" جنید نے جھرجھری لے کر کہا۔

"پاگل ہو نہیں رہا میرے دوست اس لڑکی نے مجھے پاگل کر دیا ہے۔" وشال نے گہرا سانس لے کر بے بسی سے جواب دیا۔

"حسین تو بلاشبہ ہے مگر بہت غصے والی لگتی ہے۔" جنید نے رائے دی۔

"اس کی یہی ادا تو مجھے لے ڈوبی ہے یا جونی! یہ عام لڑکیوں سے مختلف ہے یہ میرے ظاہری حسن اور دولت سے امپریس نہیں ہے۔" وشال نے کہا۔

"شاید اس لئے کہ وہ خود بھی بہت حسن و جمال رکھتی ہے اور دولت کی کمی تو اسے بھی نہیں ہے لہٰذا یہ دونوں چیزیں اس کے لئے اہم کیونکر ہو سکتی ہیں۔ تم دونوں حُسن اور دولت میں یکساں ہوں لہٰذا ٹکراؤ تو ہوگا ناں۔" جنید نے سنجیدگی سے کہا۔

"یار...... مجھے پتا بھی نہیں چلا اور سبحین میرے دل پر قابض ہو کر بیٹھ گئی۔ میں اسے بحث و مباحثہ میں فسٹ پرائز جیتتے دیکھتا تھا۔ اسے آتے جاتے دیکھا کرتا تھا اور ان چار ماہ میں وہ مجھے اپنا اسیر کرتی چلی گئی۔ آئی تھنک اُسے میرا لڑکیوں سے بے تکلف ہونا، دوستی کرنا برا لگتا ہے۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"تو جو اسے اچھا لگتا ہے وہ کر کے دیکھ شاید قسمت کی دیوی تجھ پر مہربان ہو جائے۔" جنید نے اس کے ساتھ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے مشورہ دیا۔

"یہ تو ہر بات میں "شاید" کیوں لگا دیتا ہے کوئی بات یقین سے بھی کہہ دیا کر۔" وشال نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے کہا۔

"اچھا بھائی یقیناً قسمت کی دیوی ایک دن تم پر مہربانی ہوگی۔"

"انشاء اللہ بھی کہہ دو ناں۔" وشال نے ہنستے ہوئے کہا۔

"انشاء اللہ، انشاء اللہ۔" جنید نے کہا تو وہ ہنستا چلا گیا۔

☆☆☆

"اگر وہ بادشاہ ہوتا!
تو کوئی بات بھی ہوتی
سنا ہے بادشاہوں کو

دیں ایسا کوئی نذرانہ
جو
سب چیزوں سے بڑھ کر ہو
تو اپنی بادشاہی تک
لٹا دیتے ہیں وہ اکثر
محبت ہے ہمارے پاس۔ مگر!!!
وہ بادشاہ کب۔ ہے؟"

سبعین اپنے کمرے میں کھڑکی کے پٹ سے سر ٹکائے دھیمے دھیمے سروں میں یہ نظم پڑھ کر مڑی تو شامین کو اپنے مقابل پایا۔

"مائی ڈیئر کزن...... یہ بادشاہ کا دور نہیں ہے اگر کوئی بادشاہ ہے تو کسی کے دل کا بادشاہ ہے تم بھی وشال احمد کو اپنے دل کا بادشاہ بنالو مزے میں رہو گی۔" شامین نے اسے دیکھتے ہوئے شوخی سے کہا۔

"بکومت، وہ بادشاہ ہو بھی کیسے سکتا ہے۔ بزدل اور فضول شخص ہے وہ۔" سبعین نے حقارت آمیز لہجے میں کہا تو وہ سنجیدگی سے گویا ہوئی۔

"سبعین، تم اوور ری ایکٹ کر رہی ہو وشال احمد اتنا برا نہیں ہے جتنا تم اسے سمجھتی ہو۔ تم نے دیکھا نہیں سارے کیمپس کی لڑکیاں کیسے اس پر صدقے واری جاتی ہیں جہاں سے وہ گزرتا ہے سب کی نظریں اُس کے تعاقب میں نکل جاتی ہیں۔ لڑکیاں تو خود اس کے سامنے قالین کی طرح بچھی چلی جاتی ہے وہ اگر اخلاقاً مسکرا دیتا ہے "ہیلو ہائے" کر لیتا ہے تو اس میں کیا برا ہے۔"

"مرد کے لئے تو عورت کی طرف مسکرا کر دیکھنے میں کوئی برائی نہیں ہے مرد اگر بے کردار بھی ہو تو اسے اپنے کردار پر کوئی منفی تاثر اور جملہ برداشت نہیں ہوتا اور عورت باکردار، باعفت اور پاکیزہ صفت بھی ہو تو اسے یہ مرد بدکردار اور بے حیا کہہ کہہ کر بدنام کر دیتے ہیں۔ وہ رخسار یاد ہے تمہیں فسٹ ائیر کی وہ بھی کہہ رہی تھی کہ وشال احمد نے اسے محبت کے جال میں پھنسا کر بیوقوف بنایا چند دنوں بعد کسی دوسری لڑکی کی طرف مائل ہو گیا وہ کراچی میں پورے کالج میں اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے بدنام ہو چکا تھا اسی لئے تو اس نے لاہور مائی گریٹ کرالیا۔ اب چار مہینے سے ہم بھی اس کا چال چلن دیکھ ہی رہے ہیں کون سی خوبی ہے اس میں سوائے اس کے کہ وہ حسین ہے، ذہین ہے اور پیسے والا ہے؟" سبعین نے سنجیدگی سے کہا۔

"مردوں میں آج کل ان تینوں خوبیوں کا یکجا ہونا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ والدین لڑکی کا رشتہ کرتے وقت بھی مرد کا روزگار اور کاروبار دیکھتے ہیں اس کا کردار نہیں دیکھتے۔" شامین نے کہا۔

"خیر اب اتنا بھی اندھیر نہیں ہے، کم از کم میں تو کسی کمزور کردار کے مرد سے شادی نہیں کروں گی۔" سبعین نے گھڑی پر ٹائم دیکھ کر کہا۔

"ویسے وشال احمد بہت چاہتا ہے تمہیں۔"

"وہ تو سینکڑوں لڑکیوں کو چاہتا ہے اور مجھے اس "لیڈی کلر" سے دوستی کا درس مت دینا تم، میری زندگی میں ایسے کسی شخص کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے جسے گھاٹ گھاٹ کا پانی پینے کی عادت ہو۔" سبعین نے تلخی سے کہا۔

"سبعین یار، کبھی کبھی آنکھوں دیکھا بھی جھوٹ نکلتا ہے اس لئے وشال احمد کے بارے میں اس قدر منفی رویہ مت اپناؤ کہ کل کو تمہیں اس کے مثبت کردار کا عکس دیکھ کر اپنے ان خیالات پر ندامت محسوس ہو۔"

"یہ تم اس ہیرو کی اتنی حمایت کیوں کر رہی ہو؟"

"میں تو صرف حقیقت کا تجزیہ کرتے ہوئے حمایت کر رہی ہوں مگر تم تو اُس سے محبت کر رہی ہو۔" شامین نے مسکراتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"شامین، تم انتہائی مین (Mean) ہو، میں بھلا وشال سے محبت کیوں کرنے لگی؟" سبعین نے غصیلے لہجے میں کہا مگر دل نے اس کا ساتھ نہ دیا۔

"محبت کیا...... کیوں...... کیسے کے سوالیہ نشانوں سے بے نیاز ہوتی ہے ڈیئر کزن اور اگر تمہیں وشال احمد سے محبت نہیں ہے اس کی تمہاری نزدیک کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں ہے تو یہ بادشاہ والی نظم کس کے خیال میں کھو کر پڑھی جا رہی تھی۔ اگر وہ بادشاہ ہوتا تو تم اسے اپنی محبت دان کر دیتیں ناں۔"

"بکواس بند کرو شامی۔" وہ غصے سے بولی تو وہ ہنس پڑی۔

"تمہارا غصہ ہی تمہاری محبت کا بھید عیاں کرنے کے لئے کافی ہے سبعین ڈارلنگ، تمہیں وشال احمد پر غصہ آتا ہے اس لئے کہ اس نے تم جیسی "سٹون گرل" کو "موم گرل" بنا دیا ہے محبت کے معاملے میں کیوں صحیح کہا نا میں نے اب انکار مت کرنا میں تمہاری رگ رگ سے واقف ہوں۔" شامین نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھ کر پریقین اور شوخ لہجے میں کہا۔

"تم قتل ہو جاؤ گی میرے ہاتھوں سے۔" سبعین نے اپنی آستین چڑھاتے ہوئے شامین سے کہا۔

"قاتلہ تو تم ہو ہی وشال احمد کے جذبوں کا خون کر چکی ہو سچ بتاؤ سبعین کیا وشال کو دینے کے لئے تمہارے پاس کچھ بھی نہیں ہے؟"

محبت ہے ہمارے پاس
مگر وہ بادشاہ کب ہے؟

سبعین نے یہ شعر پڑھا اور کھڑکی بند کر دی۔

"گویا اگر وہ بادشاہ بن جائے تو تمہاری محبت اس کے لئے ہو گی ہے نا۔"

"شامی کی بچی پٹو گی اب تو مجھ سے۔" سبعین اُسے تکیہ اٹھا کر مارنے کو دوڑی تو وہ ہنستی ہوئی کمرے سے باہر بھاگ گئی۔

☆☆☆

"السلام وعلیکم سبعین!" وہ کلاس روم سے باہر نکلی تھی کہ سامنے سے آتے وشال نے اسے دیکھتے ہی سلام کیا۔

"وعلیکم السلام!" سبعین نے مروتاً جواب دیا اور نگاہ اس پر ڈال کر آگے بڑھ گئی، وشال دوڑ کر اس کے برابر آتے ہوئے بولا۔

"سبعین پلیز! ایک منٹ کے لئے رکئے میری بات سنیے۔"

"فرمایئے! جو بھی فرمانا ہے ایک منٹ کے اندر فرمایئے۔" سبعین نے سنجیدہ مگر نارمل لہجے میں کہا اور رک گئی یہ شامین کے سمجھانے کا اثر تھا یا کچھ اور کہ وہ اس بار اسے دیکھ کر غصے میں نہیں آئی تھی اور بہت مہذب لہجے میں اس سے بات کر رہی تھی جس سے وشال کی ہمت بندھی تھی۔

"سبعین! میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔ میں بادشاہ یقیناً نہیں ہوں مگر آپ کا نوکر، خادم، غلام، خدمت گار اور وفادار بن کر ضرور رہ سکتا ہوں اگر آپ مجھے دل سے قبول کر لیں تو میں بادشاہ ضرور بن جاؤں گا۔ اپنا سب کچھ آپ کے نام کر دوں گا۔"

"بدلے میں آپ مجھے کیا دیں گے؟" سبعین نے بغور اس کی سیاہ آنکھوں میں دیکھا۔

"اپنا دل!"

"لیکن مجھے آپ کے دل کی ضرورت نہیں ہے، یہ پیشکش آپ کسی دل پھینک کو کیجئے اور مجھے جانے کا راستہ دیجئے۔" سبعین نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"میرا ہر راستہ بند کر کے خود جانے کا راستہ مانگ رہی ہیں آپ۔" وشال نے بے کلی سے اس کی شہابی رنگت والی دلکش صورت کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اپنے کلاس فیلوز کی نگاہوں کو محسوس کر کے غصے سے بولی۔

"دیکھو مسٹر میں اب تک صبر سے تمہاری فضول گفتگو سنتی رہی ہوں مگر لگتا ہے کہ تم شرافت کی زبان نہیں سمجھتے۔"

"میں محبت کی زبان سمجھتا ہوں، تم ایک بار مجھ سے محبت سے بات کر کے تو دیکھو میں تمہاری ہر بات سمجھ جاؤں گا۔"

"میرے پاس اتنا فضول وقت نہیں ہے کہ تمہیں سمجھانے میں ضائع کروں۔" وہ غصے سے بولی۔

"ہائے وشال!" کسی لڑکی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہائے وشال!" سبعین نے سپاٹ لہجے میں کہا اور لڑکی کو وشال کے قریب آتا دیکھ کر تیزی سے غصے سے سُرخ چہرہ لئے آگے بڑھ گئی۔

"او ہائے ٹینا!" وشال نے بے دلی سے مسکراتے ہوئے اپنی کلاس فیلو کو دیکھا تھا۔ نگاہیں تو بار بار سبعین کی جانب اُٹھ رہی تھیں جو جلد ہی اس کی نظروں سے اُوجھل ہو گئی تھی۔

گھر آ کر سبعین بے کل سی رہی۔ جانے کیسا احساس تھا جو اس کے اندر ایک خوشی کا سما باندھ رہا تھا۔ وشال کا اقرارِ محبت اسے رہ رہ کر یاد آ رہا تھا اور مُسکان اس کے لبوں پر آ آ کر بکھر رہی تھی۔ رات کا آنچل بدن سے لپٹنے لگا تھا اور آنکھیں خوابوں کی افشاں سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔ وہ ننگے پاؤں لان میں ٹہل رہی تھی۔ سبز موسم کی بے حد خنک رات تھی۔ ہارسنگھار کی خوشبو کا جادو جواں رات کی سانس میں گھل رہا تھا۔ چاندنی رات کی گود میں سر رکھے ہنس رہی تھی۔ شبنمی گھاس کا لمس پاؤں کو سکون دے رہا تھا اور وشال احمد کا وہی نرم، ملائم لہجہ اس کی سماعتوں میں پیار کی بات کہہ رہا تھا۔

"سبعین میں آپ سے محبت کرتا ہوں۔"

وہ وشال احمد کی محبت میں پور پور ڈوب چکی تھی مگر وہ خود سے بھی اعتراف کرنے سے گریزاں تھی۔ وہ اس احساس کو محبت کا نام نہیں دینا چاہ رہی تھی۔ وشال احمد کو اس نے تصور کی آنکھ سے کئی لڑکیوں کے جمگھٹے میں گھرا دیکھا تو فوراً اس احساس کو جھٹک کر اندر کی جانب قدم بڑھا دیئے۔ یہ جانے بغیر کہ اس کے وجود کے اندر رہنے والی سبعین کے دل کے قدم وشال احمد کی جانب

بڑھ رہے ہیں۔

☆☆☆

وشال میں ایک بڑی واضح تبدیلی آئی تھی جس نے کیمپس کی تمام لڑکیوں کو حیرت میں مبتلا کر دیا تھا اور وہ تبدیلی یہ تھی کہ اب وشال خود سے اپنی کلاس فیلو یا یونیورسٹی فیلو کو مخاطب نہیں کرتا تھا۔ جن سے دوستی تھی ان لڑکیوں کو بھی ہیلو ہائے اور بائے کے علاوہ لفٹ نہیں کراتا تھا۔

''لگتا ہے وشال احمد نے دل پر چوٹ کھائی جبھی سب لڑکیوں سے دوستی ختم کر دی ہے۔''سبعین کی کلاس فیلو نائلہ نے کہا تو جانے کیوں وہ نظریں چرا گئی اس خیال سے کہ کہیں وہ اس کی آنکھوں میں وشال کی صورت نہ دیکھ لے اس کا نام نہ پڑھ لے۔ اُس کے اس روّیے کا سبب نہ جان لے۔

''تمہاری خاطر وشال احمد نے سب لڑکیوں سے دوستی اور دُعا سلام تک ختم کر دی ہے اب تو اس دیوانے پر رحم کرو سبعین۔'' شامین نے اسے چھیڑا دونوں اپنی گاڑی میں بیٹھی تھیں۔

''کیا چاہتی ہو تم، کیا کروں میں اس کے ساتھ؟'' وہ اپنی دلی حالت چھپاتے ہوئے چڑنے والے انداز میں پوچھ رہی تھی۔

''محبت...... جو محبت دل میں اس سے کرتی ہو اس کا زبان سے اقرار کر لو اسے بھی قرار مل جائے گا اور تمہیں بھی۔'' شامین نے شرارت سے کہا۔

''بکواس نہیں کرو مجھے کسی سے محبت نہیں ہے۔'' سبعین نے اسٹرینگ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''میں نے کسی سے محبت کی نہیں اُسی سے یعنی وشال احمد سے محبت کی بات کر رہی ہوں۔'' شامین نے مسکراتے شوخ و شریر لہجے میں کہا۔

''بہتر ہو گا کہ تم یہ بات نہ ہی کرو۔'' سبعین نے جھلا کر کہا تو وہ مسکراتے ہوئے کندھے اُچکا کر رہ گئی۔

''ان دونوں کے امتحان شروع ہو گئے تھے وہ سارا سارا دن کتابوں میں گھسی رہتیں۔

شام کو سبعین سو کر اٹھی تو ملازمہ نے مہمان کے آنے کی اطلاع دی۔''

''سب لوگ کہاں ہیں؟'' اس نے پوچھا

''صاحب لوگ تو فیکٹری سے ابھی نہیں آئے اور بیگم صاحبہ سامنے شیخ صاحب کے گھر میلاد اور قرآن خوانی میں گئی ہیں شامین بی بی سو رہی ہیں آپ ہی ہیں میں مہمان کے لئے چائے یا

کافی لاتی ہوں آپ ڈرائنگ روم میں جائیں۔'' ملازمہ ساری بات کہہ کر چلی گئی۔

وہ منہ ہاتھ دھو کر اپنے شانوں تک لہراتے بالوں میں برش پھیر کر لباس کی شکنیں دور کرتی ہوئی ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی تو سامنے موجود شخص کو دیکھتے ہی اس کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں اور آنکھوں میں حیرت اُمڈ آئی۔ وشال احمد اس کے گھر کے ڈرائنگ روم میں موجود تھا۔ یہ تو شکر تھا کہ گھر میں کوئی نہیں تھا۔

''تم...... تم یہاں بھی پہنچ گئے۔ تمہیں یہاں آنے کی جرأت کیسے ہوئی؟'' وہ ایک دم سے اس صورتحال پر گھبرا گئی اور پریشانی اور غصے سے اُسے دیکھتے ہوئے بولی حالانکہ دل کے چمن میں تو اُس کی آمد سے بہار آ گئی تھی۔

''یہ پوچھنے کی بجائے آپ یہ پوچھیں کہ آپ جیسی مغرور حسینہ سے محبت کیسے ہوئی مجھے؟''

وشال نے مسکراتے ہوئے اس کے سامنے آکر کھڑے ہوتے ہوئے کہا، حیرت تو اسے بھی بہت ہوئی تھی سبعین کو یہاں دیکھ کر مگر اس کی یہاں موجودگی نے وشال کو جو دلی مسرت اور طمانیت بخشی تھی وہ حیرت سے کہیں زیادہ تھی اور وشال نے اس پر اپنی حیرت قطعاً ظاہر نہیں ہونے دی تھی۔

''شٹ اَپ چلے جاؤ یہاں سے ورنہ میں نوکروں سے دھکے دے کر تمہیں گھر سے باہر نکلوا دوں گی۔'' وہ سٹپٹا کر بولی۔

''گھر سے تو شاید آپ مجھے نکال سکتی ہوں گی مگر اپنے دل سے کیسے نکالیں گی؟'' وہ اس کی کیفیت سے محظوظ ہوتے ہوئے بڑے یقین سے بولا۔

''کیا کہا تم نے؟'' وہ بُری طرح سٹپٹا گئی۔

''کوشش کر دیکھئے سبعین میرا نام بھی وشال احمد ہے۔ تُجھ کو اپنا نہ بنایا تو میرا نام نہیں۔'' اس نے شوخی سے آخری جملہ گنگنا کر کہا۔

''تم......!''

''تمہارا نام بدل کر رکھ دوں گا میں سبعین نعیم۔ ایک دن تم مسز وشال احمد کہلاؤ گی۔'' وہ اس کے غصے اور گھبراہٹ سے حظ اٹھاتے ہوئے اس کی بات کاٹ کر سہولت سے بڑے پُر یقین لہجے میں بولا۔

''کیا ہے تمہارے پاس مسٹر وشال، باپ کی دی ہوئی دولت اور قدرت کی دی ہوئی یہ حسین صورت جس پر تم اتنا اکڑتے ہو تم ان نعمتوں اور قدرت کی ان مہربانیوں کے بغیر کیا ہو۔ فقیر...... فقیر ہو تم۔'' سبعین نے نہ چاہتے ہوئے بھی غصے میں جو منہ میں آیا بکے چلی گئی وہ ہنس پڑا۔

"تمہارے در کا فقیر ہوں، گدا ہوں، منگتا ہوں، سوالی ہوں۔ تم میری جھولی میں اپنے پیار کی بھیک ڈال دو۔ میرے کاسے میں اپنی محبت کے سکے نچھاور کردو۔ میرے ان ہاتھوں کو اپنے ہاتھ کا ساتھ دان کر دو، مجھے اپنی چاہت کی خیرات سونپ دو۔ تو سبعین بی بی میں بامراد بانصیب اور بخت آور کہلاؤں گا۔" وشال نے اس کے حُسن صبیح چہرے کو پیار بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بہت شیریں، نرم اور دلکش لہجے میں کہا۔ سبعین کا تو روم روم دِل بن کر دھڑکنے لگا وہ سر سے پاؤں تک ان دیکھی آگ میں جلنے لگی۔ پسینے کے قطرے اس کے چہرے کے گلاب پر شبنم کی طرح نمودار ہوگئے۔ ہاتھوں میں نمی اور کپکپی اترنے لگی تھی۔

"میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کچھ نہیں ہے سُنا تم نے۔" وہ ہمت کر کے بولی۔

"کیا محبت بھی نہیں؟" وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں پوچھ رہا تھا سبعین کا دل بھی بُجھ سا گیا مگر لہجہ اور جملہ انتہائی سفاک تھا اس کا۔

"محبت کا لفظ تم جیسے "فلرٹ مین" کو زیب نہیں دیتا۔"

"میں سچ مچ تم سے محبت کرتا ہوں۔"

"تو کرتے رہو مجھ سے محبت کی قیمت کیوں چاہتے ہو؟"

"قیمت نہیں تمہاری محبت چاہتا ہوں۔"

"بات تو ایک ہے۔"

"سبعین میں۔"

"پلیز تم چلے جاؤ یہاں سے۔"

"میں تو تمہارے والدین سے مل کر ہی جاؤں گا۔" وہ آرام سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"اگر تمہاری وجہ سے مجھ پر کوئی حرف آیا تو میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔" وہ اسے تنے اطمینان اور بے فکری سے بیٹھا دیکھ کر سلگ کر بولی تو وہ ہنس پڑا نگاہیں مسلسل اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ ہلکے نیلے اور سفید کاٹن کے سوٹ میں میک اَپ سے مبرا چہرہ لئے وہ سادگی میں بھی بےحد دلنشین اور حسین لگ رہی تھی۔ وشال تو اس کے رنگ روپ کو اپنی آنکھوں سے دل و روح میں اُتارے جا رہا تھا۔

اتنے میں اس کے بابا اور تایا جان آچکے تھے، سبعین کا دل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ وشال اس کی کیفیت سے لطف اُٹھا رہا تھا۔ جیسے ہی عظیم اور نعیم نے ڈرائنگ روم میں قدم رکھے

وشال بڑے مؤدب انداز میں کھڑا ہوا اور انہیں دیکھتے ہوئے سلام کیا۔

"السلام وعلیکم ماموں جان!"

"وعلیکم السلام برخوردار تم نے ہمیں ماموں کیوں کہہ کر مخاطب کیا؟" دونوں نے ایک ساتھ جواب دیا حیرت دونوں کی آنکھوں سے چھلک رہی تھی۔

"کیونکہ آپ میرے بڑے ماموں ہیں عظیم ماموں اور آپ نعیم ماموں ہے نا۔" وشال نے مسکراتے ہوئے کہا تو ان کے ساتھ ساتھ سبعین کو بھی بے حد حیرت ہوئی۔

"کیا وہ اس کا کزن ہے اسماء پھپھو کا بیٹا ہے؟" یہ سوال بے اختیار سبعین کے دماغ میں اُبھرا تھا۔

"ہاں بیٹا مگر تم؟" نعیم نے اس کے پاس آتے ہوئے پوچھا۔

"تمہاری صورت دیکھی دیکھی سی لگتی ہے۔" عظیم نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا اس میں اپنے ماں باپ دونوں کی شباہت تھی اور اپنا الگ رنگ بھی تھا۔ وشال احمد کسرتی جسم کا مالک تھا۔ اونچا لمبا بہت دلکش نین نقش کا مالک تھا۔ اس کی ڈارک براؤن آنکھوں میں ہر وقت روشنیاں دمکتی رہتی تھیں جن میں شرارت، شوخی اور محبت کے رنگ شامل ہوتے تھے۔ اس کے احمریں لبوں کی مسکراہٹ بہت دل موہ لینے والی تھی۔ اس کی ہنسی دل و روح میں جلترنگ بجانے لگتی تھی۔ اس کی نکھری رنگت اُسے بہت صاف، شفاف اور اُجلا بنائے رکھتی تھی اور اس پر اس کے لباس کا انتخاب بے حد شاندار ہوتا تھا۔ وہ یقیناً حسیناؤں کے دل پر قدم رکھ کر چلتا تھا اور اپنی اس قاتلانہ صفت سے خاصا بے نیاز اور بے خبر بھی تھا یا شاید بے خبر بن جاتا تھا۔

"وہ اس لئے ماموں جان کے میں آپ ہی کا خون ہوں آپ کا سگا بھانجا ہوں وشال احمد سراج احمد آپ کی بہن اسماء سراج میری ماما جانی ہیں۔" وشال نے مسکراتے ہوئے ان کے سامنے یہ انکشاف کیا تو ان تینوں کے چہروں پر خوشی سے بھرپور مسکان بکھر گئی۔

"تم اسماء اور سراج کے بیٹے ہو۔" عظیم نے وشال کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر خوشی سے پر لہجے میں پوچھا۔

"جی ماموں جان۔"

"اوہ! میری بہن کا بیٹا میرا خون، میری جان...... بیٹا اسماء کہاں ہے۔ سراج بھائی کہاں ہیں؟" عظیم نے اسے دیوانہ وار چومتے ہوئے اپنے گلے لگا کر بھیگتے لہجے میں پوچھا۔

"وہ کراچی میں ہیں میں یہاں اسٹڈی کے لئے آیا ہوں اور کچھ بزنس وغیرہ کے لئے

بھی۔'' وشال نے مختصراً بتایا۔

''ماشاء اللہ تم تو اپنے ماں باپ سے زیادہ خوبصورت نکلے ہو۔''

''ماموں جان! میں انہیں کا عکس ہوں۔'' وشال نے مسکراتے ہوئے کہا سامنے سبعین کھڑی حیران آنکھوں سے یہ ملن کا منظر دیکھ رہی تھی۔ وشال نے اس کی طرف دیکھا اور فاتحانہ انداز میں مسکرا دیا وہ نروس ہو کر وہاں سے سیدھی شامین کے کمرے کی طرف بھاگی اور اُسے جگا کر ساری بات بتا دی۔

''مبارک ہو تمہارا کام آسان ہو گیا۔'' شامین نے اس کی بات سن کر کہا۔

''کونسا کام؟''

''وہی جو تم وشال بھائی کو خواہ مخواہ کا غصہ دِکھا دِکھا کر مشکل بنانے پر تلی ہوئی تھیں۔'' شامین نے شرارت بھرے اور معنی خیز لہجے میں کہا۔

''شامی، لگتا ہے تمہاری نیند ابھی پوری طرح ختم نہیں ہوئی میں تمہارا منہ دُھلوا دیتی ہوں تا کہ تم ہوش میں آجاؤ اور بہکی بہکی باتیں کرنا چھوڑ دو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور سائیڈ ٹیبل پر رکھا پانی سے بھرا گلاس اٹھا کر اس پر انڈیل دیا۔

''اف سبعین کی بچی۔'' شامین بوکھلا کر چیخ اٹھی، سبعین ہنستی ہوئی اس کے کمرے سے باہر نکل گئی۔

تھوڑی دیر میں سب گھر والے وشال کے گرد جمع تھے۔ اس سے اسماء سراج اور جمال کے بارے میں پوچھ رہے تھے۔ وشال ان سب کے ساتھ یوں گھل مل گیا تھا جیسے ان سے پرانی شناسائی اور دوستی رہی ہو۔ سب کو وشال بہت پسند آیا تھا۔ سبعین نروس نروس سی، وشال کی نظروں کے حصار میں ہی تھی۔ سبعین کو اپنے رویے پر ندامت محسوس ہو رہی تھی اسے یقین تھا کہ اسماء پھپھو کا بیٹا کمزور کردار کا مالک نہیں ہو سکتا وہ کسی کے ساتھ فلرٹ نہیں کر سکتا۔ اسے شامین کی باتیں، اپنے متعلق اس کا تجزیہ اور وشال کے متعلق اس کی رائے اس وقت بالکل درست معلوم ہو رہی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ اب وہ وشال کا سامنا کیسے کرے گی؟

وشال کو سب نے رات کے کھانے پر روک لیا تھا۔ عظیم اور نعیم تو اسے یہیں رکنے اور رہنے کو کہہ رہے تھے مگر اس نے سہولت سے ان سے معذرت کر لی کیونکہ اس کا اپنا شاندار بنگلہ تھا۔

''سبعین، آپ میری ماما جانی کی سگی بھتیجی ہیں مجھے یہاں آ کر معلوم ہوا ہے اور میں اس رشتے کے انکشاف پر کس قدر خوش ہوں آپ اندازہ نہیں لگا سکتیں۔'' وشال نے واپسی سے پہلے

سبعین کے پاس آ کر آہستگی سے کہا تو وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ چلا گیا تھا اور اس کا دل، اس کا چین اور قرار بھی لوٹ کر لے گیا تھا۔ وہ اپنے وشال کے ساتھ منفی رویئے کے سبب بہت فکر مند اور نادم تھی۔ بستر پر سونے کے لئے لیٹی تو آنکھوں میں نیند کی جگہ وشال کی من موہنی صورت آ سمائی، جو اسے خوش رنگ اور دل پذیر خوابوں کی خوبصورت دنیا میں لے گئی جہاں پہنچ کر وہ یہ خواہش کرنے لگی کہ ''وشال کے ہاتھوں کے شبنمی پیالوں میں چہرہ میرا پھول کی طرح ہلکورے لیتا رہے۔ زندگی اس جنوں خیز بارش کے شانوں پر سر کو رکھے رقص کرتی رہے۔ اس کے پیار کی چنچل ہوا سبز پتوں کی جھانجھن پہن کر شوخ پھولوں کی پائل بجاتی ہوئی میرے رخسار کو گاہے گاہے شرارت سے چُھونے لگے۔ وہ مجھ کو محبت سے خود میں سمونے لگے اور زندگی اسی خوش کن احساس میں بیت جائے۔'' وہ اپنے آپ سے دل کی بات کہہ رہی تھی۔

☆☆☆

اسماء پھپھو اور سراج احمد دو سال پہلے کینیڈا سے کراچی آ گئے تھے۔ ان کا بڑا بیٹا جمال احمد کینیڈا میں ہی تھا جمال کی شادی ڈیڑھ سال پہلے سراج احمد نے اپنی بھانجی رمشاء سے کر دی تھی۔ اب ان کی ایک بیٹی بھی تھی۔ سراج احمد ایک ملٹی نیشنل کمپنی کے مالک تھے۔ انہوں نے ان بیس برسوں میں بہت محنت کی تھی اور اپنا بزنس شروع کر کے اسے بہت وسیع پیمانے پر کامیابی سے چلا رہے تھے۔ کراچی میں انہوں نے اپنی ملٹی نیشنل کمپنی کا آفس کھول لیا تھا۔ لاہور میں وہ وشال کے لئے فیکٹری لگوا رہے تھے جس کا کام تقریباً مکمل تھا۔ وشال نے کینیڈا میں ایم۔ بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی تھی۔ کراچی آ کر ایم۔ سی۔ ایس میں داخلہ لے لیا اور جب لاہور میں فیکٹری لگانے کا منصوبہ شروع ہوا تو اس نے کراچی یونیورسٹی سے لاہور یونیورسٹی میں مائی گریٹ کرا لیا۔ اس کے شاندار تعلیمی کیریئر کی بدولت اُسے باآسانی داخلہ مل گیا تھا۔ سبعین کو وشال نے تقاریر کے مقابلوں میں بولتے ہوئے سنا تھا۔ وہ پہلے اس کی صورت پر فدا ہوا تھا پھر اس کی ذہانت نے اپنا گرویدہ بنا لیا وہ ہر امتحان میں پہلی یا دوسری پوزیشن لیتی رہی تھی یہ معلومات بھی وشال کے لئے متاثر کن تھیں۔ پھر سبعین کا دوسری لڑکیوں سے ہٹ کر۔ اس سے دوستی سے انکار کرنا۔ اس کے کردار کو کمزور اور دوستی کو فلرٹ کا نام دینا وشال کے اندر اس کے پیار کی آگ سُلگا گیا۔ سبعین نے دوسری لڑکیوں کی طرح اس سے دوستی کرنے میں پہل نہ کی تھی اور نہ ہی وشال کی دوستی کی آفر کو قبول کیا تھا بس یہیں سے وشال احمد اس سے مات کھا گیا اور اسے یوں لگا جیسے اسے سبعین جیسی لڑکی کی ہی تلاش تھی۔ دل نے اس کے ساتھ کی تمنا کر ڈالی زبان اس کے ملن کی دعائیں مانگنے لگی۔ روح اس کی محبت کی مہک

کی منتظر رہنے لگی۔ وہ تو سراپا پیار، خلوص اور محبت بن گیا تھا سبعین کے لئے مگر سبعین کے رویئے نے اسے بار بار ہرٹ کیا تھا۔

پھر ایک دن اسماء بیگم نے اسے ''کریم ولا'' کا ایڈریس لکھوایا اور وہاں جا کر صورتحال کا جائزہ لینے کا کہا وہ اسماء بیگم کی زبانی سارے حالات سے واقف تھا۔ سو ایک دن ان کے اصرار پر ''کریم ولا'' چلا آیا اور وہاں آ کر سبعین کو دیکھتے ہی اسے لگا کہ اس کی منزل اس سے زیادہ دور نہیں ہے۔ سبعین، نعیم ماموں کی بیٹی ہے یہ انکشاف وشال کے لئے بہت ہی زیست افروز اور خوشگوار تھا۔

☆☆☆

سبعین اور شاہین آخری پیپر دے کر کمرہ امتحان سے نکلیں تو ان کا سامنا جنید سے ہو گیا۔

''السلام علیکم گرلز!'' جنید نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے سلام کیا۔

''وعلیکم السلام!'' دونوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا دونوں کا موڈ بہت اچھا تھا کیونکہ ان دونوں کا پیپر بہت اچھا ہوا تھا۔

''کیسی ہیں آپ دونوں؟''

''اے ون!'' شاہین نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''اور پیپر کیسا ہوا؟''

''وہ بھی اے ون!'' سبعین نے مسکرا کر جواب دیا۔

''ہوں ویٹس گریٹ اس کا مطلب ہے کہ آپ کا رزلٹ بھی ''اے ون'' آئے گا۔''

''انشاء اللہ'' ان دونوں نے دل سے کہا۔

''ویری گڈ، اچھا سبعین، وشال کا پتہ ہے آپ کو کہاں ہے؟'' جنید نے پوچھا۔

''اس کا پتا آپ مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں۔ کسی بھی لڑکی سے پوچھ لیجئے اس کی تو سبھی لڑکیوں سے دوستی ہے سوائے میرے۔'' سبعین نے سنجیدگی سے کہا۔

''اوہ! تو آپ کو اس بات کا غصہ ہے کہ وشی کی دوستی آپ سے کیوں نہیں ہے؟'' جنید نے مسکراتے ہوئے شریر لہجے میں کہا۔

''جی نہیں فار یوئر کائینڈ انفارمیشن میں آپ کے دوست مسٹر وشال کی دوستی کی آفر پہلے ہی ٹھکرا چکی ہوں بی کاز ہی از اے فلرٹ۔''

''تو آپ اس کے معاملے میں مخلص اور سنجیدہ ہونا چاہتی ہیں۔''

''جی جی بالکل مجھے ساری دنیا میں ایک آپ کا دوست ہی تو ملنا تھا جس کے لئے میں

مخلص اور سنجیدہ ہونے کے لئے تیار ہوں گی۔ ہونہہ بقول رخسار کے وہ کراچی یونیورسٹی سے اپنی ان حرکتوں کے باعث بدنام ہو کر نکلا ہے۔'' سبعین نے ان باتوں کی حقیقت جاننے کے لئے جان بوجھ کر جنید سے یہ ذکر کیا تھا۔

''سبعین...... تم کیوں وشال بھائی کے پیچھے پڑ گئی ہو۔'' شاہین نے اسے ٹوکا۔

''مجھے بہت افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے سبعین کہ آپ ذہین تو ہیں مگر آپ کی ذہانت صرف نصابی کتب اور بحث و مباحثے تک ہی محدود ہے آپ سمجھدار اور نظر شناس نہیں ہیں۔ آپ میں کھرے اور کھوٹے انسان کو پرکھنے کی صلاحیت بالکل نہیں ہے اگر ہوتی تو آپ کے وشال کے متعلق جو خیالات ہیں وہ اس کے برعکس ہوتے۔'' جنید نے تاسف سے کہا۔

''میں اپنے دوست کی وکالت ہرگز نہیں کروں گا وہی کہوں گا جو سچ ہے اور سچ یہ ہے کہ رخسار نے وشی کے متعلق آپ کو جو کچھ بتایا ہے وہ سراسر جھوٹ ہے، بہتان ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رخسار خود اپنی نازیبا حرکات کی وجہ سے یونیورسٹی سے نکالی گئی تھی وہ خود بدنام ہو چکی تھی۔ وشی کو وہ قطعی پسند نہیں تھی اس لئے اس نے اس سے سلام دُعا کا سلسلہ بھی نہیں رکھا تھا۔ اسی بات کا غصہ تھا اسے وہ تو آئے دن نئے لڑکے کے ساتھ ہوٹلنگ کرتی دکھائی دیتی تھی۔ اس کے گھر والوں نے اپنی بدنامی کے ڈر سے اسے یہاں بھیج دیا۔ یہاں بھی وہ ویسی ہی ہے بس ذرا احتیاط ہو گئی ہے اور وشی تو اپنے بزنس کی وجہ سے لاہور آیا تھا۔ آپ اسے فلرٹ کہتی ہیں آپ سمجھتی ہیں کہ وشی کو لڑکیوں کے بیچ رہنا اچھا لگتا ہے جب کہ معاملہ اس کے برعکس ہے مس سبعین، میرا دوست وشی بیس برس کینیڈا میں رہا ہے اس کی سحر انگیز شخصیت اور مردانہ وجاہت کے باعث وہاں اور یہاں بہت سی لڑکیوں نے اس میں دلچسپی لی ہے۔ کئی نے تو شادی کی آفر تک کر دی تھی مگر وشی نہیں مانا اس نے کبھی اخلاقی حدود سے تجاوز نہیں کیا۔ وشی تو اب آیا ہے پاکستان اور یہاں کی لڑکیوں کی بے باکی دیکھ کر حیران ہوتا ہے۔''

''لیکن جنید بھائی یہ تو تصویر کا ایک رُخ ہے ساری لڑکیاں تو ایسی نہیں ہیں۔''

''درست فرمایا آپ نے میں نے بھی وشی کو یہی بات سمجھائی تھی اور اسے یہ بات تب تو سمجھ نہیں آئی تھی لیکن یہاں آ کر مس سبعین کو دیکھ کر سمجھ آ گئی تھی۔ مس سبعین میں وشی کو کینیڈا میں ملا تھا ہم نے اکٹھے ایم۔ بی۔ اے کیا ہے اور پھر یہاں بھی وہ میرے ساتھ ہے۔'' وہ ''لیڈی کلر'' مشہور کر دیا گیا ہے تو لڑکیوں نے ہی اسے یہ لقب دیا ہے۔ اس نے کبھی کسی لڑکی کو اپنی شخصیت یا امارت سے متاثر کرنے کی کوشش نہیں کی سچ تو یہ ہے مس سبعین، کہ لڑکیاں خود وشال کی طرف لپکتی ہیں جیسے شہد پر مکھیاں گرتی ہیں۔ وشی اگر چاہتا تو ان کی اس بے باکی اور بے تکلفی کا فائدہ بھی اٹھا سکتا تھا۔

وشی جس معاشرے میں رہا ہے وہاں لڑکی اور لڑکے کی دوستی ایک عام سی بات ہے اس لئے جب یہاں بھی لڑکیوں نے اس کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھایا تو اس نے انکار نہیں کیا۔ وہ اگر باکردار نہ ہوتا تو مس سبعین تو اس کے لئے بہتی گنگا سے ہاتھ دھونا کون سا مشکل تھا۔ مگر آفرین ہے اس کے باعفت ہونے پر مضبوط کردار کا مالک ہونے پر کہ اس نے کبھی کوئی گھٹیا حرکت نہیں کی۔ اس نے دوستی سے بڑھ کر ڈیمانڈ کرنے والی لڑکیوں کو آئینہ دکھایا اور اپنا راستہ الگ کر لیا اور مس سبعین آپ نے غالباً لڑکیوں سے وشی کی سلام دُعا کو یا دوستی کو اس کے کردار کی کمزوری اور خامی بنا دیا ہے بخدا ایسا نہیں ہے۔ جن لڑکیوں کا میں نے ذکر کیا ہے ان میں سے اکثر بڑی فیملیز کی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ کچھ نئے نئے امیر ہونے والوں کی۔ کچھ وہ جن کے گھروں میں تربیت نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ یہ لڑکیاں دراصل تتلیاں ہوتی ہیں۔ پھول، پھول منڈلانے والی لڑکیاں۔ چند لڑکیاں سب لڑکیوں کی بدنامی کا باعث بنتی ہیں۔ وشال نے آپ کی خوبصورتی اور ذہانت سے متاثر ہو کر آپ کو دوستی کی آفر اس خیال سے کی تھی کہ آپ دوسری لڑکیوں کی طرح فوراً مان جائیں گی کہ آپ بھی ان جیسی ہوں گی لیکن آپ کے انکار نے اور اس پر غصہ کرنے اسے فلرٹ کہنے نے وشی کو چونکا دیا۔ تب اسے احساس ہوا کہ آپ دوسری لڑکیوں سے کافی مختلف ہیں۔ وہ سچ مچ آپ سے پیار کرتا ہے، لیکن آپ فلرٹ سمجھتی ہیں جو اس کے ساتھ اتنی سرد مہری سے پیش آتی ہیں۔ وہ اگر فلرٹ بھی ہوتا تو بھی اس کے ماحول کا اثر سمجھ کر اس کی اس عادت کو خامی کو قبول کیا جا سکتا تھا لیکن ادھر تو معاملہ ہی الٹ ہے مس سبعین، یہاں تو لڑکیوں نے اس کے ساتھ فلرٹ کیا ہے، پھر اگر وہ سب لڑکیوں کو فلرٹ، بے باک کہے تو آپ کو کیسا لگے گا؟" جنید نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے سبعین سے پوچھا۔

"ظاہر ہے بُرا لگے گا۔" سبعین نے صاف گوئی سے جوب دیا۔

"تو یقین کر لیجئے مس سبعین کہ وشی بہت مثبت سوچ کا مالک ہے۔ بہت مضبوط کردار کا مالک ہے وہ تو اپنے آپ کو اپنے جیون ساتھ کے لئے سینت سینت کر رکھے ہوئے ہے۔ خود کو بچا بچا کر رکھتا ہے اُس کا کہنا ہے کہ اُس کے جذبوں پر اس کے جیون ساتھی کا حق ہے وہ اپنے جیون ساتھی کے ساتھ خیانت کا مرتکب نہیں ہونا چاہتا۔ اس کے والدین نے بہت عمدہ تربیت کی ہے اس کی۔ مجھے اس کی دوستی پر فخر ہے اور مس سبعین، جب شک، بدگمانی اور بے یقینی کے بادل آپ کے دل و دماغ سے ہٹ جائیں گے تو آپ کو میرا دوست وشال احمد بہت صاف، شفاف، اُجلا اور پیارا دکھائی دینے لگے گا جیسا کہ وہ ہے اور اتنی لڑکیوں کو چھوڑ کر اُس نے آپ کے نام اپنے محبت بھرے جذبات وقف کر دیئے ہیں تو آپ میں اور وشی کے حُسنِ انتخاب میں کوئی بات تو ہو گی نا۔ سینکڑوں

لڑکیاں اس کی زندگی میں آئی اور گئیں، لیکن اس کا دل صرف آپ کے نام پر دھڑکا آپ کے لئے بے قرار ہوا اور اس نے آپ کو ہی سچے دل سے چاہا ہے۔ آپ غور ضرور کیجیے گا میری ان باتوں پر وہ دل کی بات بلا جھجک کہہ دینے والا بندہ ہے اس لئے آپ سے بھی اظہار محبت کر بیٹھا ہے پلیز اس کے لفظوں کا، جذبوں کا مان مت توڑیئے گا ورنہ وشی ٹوٹ جائے گا۔" جنید نے نہایت رسانیت سے کہا۔

"بس سن لیا سب کچھ اب تسلی ہو گئی ہے یا نہیں۔" شامین نے سبعین کو گھورتے ہوئے کہا۔

"بالکل ہو گئی ہے بات کرنے سے بدگمانی دور ہو جاتی ہے اسی لئے میں نے جنید بھائی سے سب کہا تھا تاکہ یہ مجھے حقیقت سے آگاہ کر سکیں۔ تھینک یو جنید بھائی۔" سبعین نے دل سے کہا۔

"تھینکس گاڈ! آپ کو اعتبار تو آیا۔" جنید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے دراصل ان لڑکیوں سے زیادہ وشال پر اس لئے غصہ آتا تھا کہ وہ خود ان لڑکیوں کو اتنی لفٹ ہی کیوں کراتے ہیں کہ بات آگے بڑھے۔" سبعین نے تاسف سے کہا۔

"پتا ہے جنید بھائی، وشال بھائی ہمارے سگے پھوپی زاد بھائی ہیں یہ انکشاف پرسوں ہی ہوا ہے۔" شامین نے اسے بتایا۔

"رئیلی تو آپ ہیں اس کے ماموں کی بیٹی۔"

"جی ہاں! وہ پرسوں ہمارے گھر آئے تھے۔"

"اچھا اس نے بتایا نہیں میرا اس سے ملنا بھی نہیں ہوا آج فسٹ ٹائم اس کا لاسٹ پیپر تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ سبعین کی وجہ سے یہاں اس وقت آیا ہو گا۔" جنید نے نرم لہجے میں کہا۔

"اب تو وہ گھر بھی آیا کریں گے ہمارے کزن جو ٹھہرے۔" شامین نے کہا۔

"وشال! اسماء پھوپھو کے بیٹے ہیں یہ جانتے ہی میرے ان کے متعلق تمام گمان اور شک و شبے ختم ہو گئے تھے۔" سبعین نے ایمانداری سے بتایا۔

"شکر ہے...... کیا خیال ہے اب چلیں۔"

"او کے مجھے بھی اجازت دیں اللہ حافظ۔"

جنید نے مسکراتے ہوئے کہا اور گیٹ کی جانب قدم بڑھا دیئے۔

"ہائے سسٹر اینڈ فیانسی۔" فہیم کی آواز پر دونوں چونک گئیں۔

"بھائی آپ یہاں!" سبعین نے اسے حیرانگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں میں نے سوچا کہ آج اپنی فیانسی کے سنگ سفر کیا جائے موسم بھی سہانا ہے چلیں شامین۔" فہیم نے شامین کو والہانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا وہ سرخ ہوگئی۔

"اور میں......"

"تم اپنی گاڑی میں آجانا، ہم لانگ ڈرائیو پر جائیں گے۔"

"جی نہیں شام کے پانچ بج رہے ہیں بادل چھا رہے ہیں بارش ہوگئی تو۔" شامین نے فوراً اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"ٹھیک ہے بھائی آپ شامین کو اپنی ذمہ داری پر لے جائیں گھر وقت پر پہنچ جایئے گا۔ مجھے تو اپنی ٹیچر سے ملنا ہے پیپر سے متعلق انہیں بتانا ہے اس کے بعد ہی گھر جانا ہے۔" سبعین نے اپنی جیومیٹری بند کرتے ہوئے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے شامین کو دیکھتے ہوئے بولا۔

"اوکے ہم چلتے ہیں تم لوگوں کے امتحان ختم ہونے کی خوشی میں آج آسمان بھی خوش ہے اور ہم بھی خوش ہیں چلو ڈیئر فیانسی۔"

"اوکے سبعین، جلدی گھر چلی جانا۔" شامین نے اس کو ہدایت کی وہ "اوکے" کہہ کر اپنی میڈم سے ملنے چلی گئی۔ جب تک وہ اپنی ٹیچرز اور میڈم سے مل کر گھر جانے کے لئے باہر نکلی بادل ننھی ننھی بوندیں برسا رہا تھا۔ ساڑھے پانچ بج رہے تھے۔ وہ گاڑی میں بیٹھتے ہی گھر کی جانب بڑھ گئی۔ اس کے دل اور دماغ پر جو بوجھ تھا وہ امتحان ختم ہونے اور جنید کی زبانی وشال کی مضبوطی کردار کی حیثیت جاننے کے بعد ہلکا پھلکا ہوگیا تھا۔ وہ اس وقت بہت ہلکی پھلکی ہوکر موسم انجوائے کرتے ہوئے گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی۔ بارش تیز ہونے لگی تھی۔ سڑکوں پر رش بہت کم تھا۔ یکا یک اس کی گاڑی کے ٹائر چرچرائے اور گاڑی کو زور کا جھٹکا لگا۔ سبعین نے فوراً گاڑی سائیڈ پر کرتے ہوئے روک دی۔ باہر نکل کر دیکھا تو ٹائر پنکچر ہوگیا تھا۔ اس پر بارش شام کے ملگجے سائے۔ وہ گھبرائی ضرور مگر چونکہ تین سال سے خود گاڑی ڈرائیو کر رہی تھی اس لئے گاڑی کی معمول کی خرابیاں ٹھیک کرنے میں خاصی ماہر ہوگئی تھی۔ اس نے گاڑی کی ڈگی میں سے نیا ٹائر اور ضروری اوزار نکالے اور جلدی جلدی ہاتھوں کو حرکت دے کر پنکچر شدہ ٹائر بدلنے لگی۔

"او موسم بھی حسین ہے لڑکی بھی حسین ہے دیکھو اس کے آس پاس بھی کوئی نہیں ہے۔"

اچانک دو آوارہ قسم کے لڑکے موٹر بائیک پر وہاں سے گزرے، ان کی نظریں سبعین پر پڑی تو وہ بائیک موڑ کر اس کی گاڑی کے قریب لے آئے۔ ان میں سے ایک لڑکے نے سبعین کے چہرے کو دیکھتے ہوئے گانا شروع کیا تو سبعین اندر سے خوفزدہ ہوگئی۔ اس نے ان کی طرف

کوئی توجہ نہ دی اور تیزی سے نئے ٹائر کو فٹ کرنے لگی۔ وہ لڑکے اسے خاموشی سے دیکھ کر بائیک سے اُتر گئے۔

ایسے موسم میں چپ کیوں ہو کانوں میں رس گھولو
ہونٹ اگر خاموش ہیں سجنی آنکھوں ہی سے بولو

دوسرا لڑکا بھی گنگنایا سبعین نے ٹائر بدل لیا تھا۔ اس نے پرانا ٹائر اور ٹول بکس اٹھا کر خشمگین نگاہوں سے ان لڑکوں کی طرف دیکھا اور دونوں چیزیں ڈگی میں بند کرکے پلٹی تو وہ اس کے سامنے آگئے۔ ان کی آنکھوں میں شیطانی چمک تھی۔ سبعین بظاہر پرسکون تھی مگر اندر سے بہت خوفزدہ اور پریشان اور بے بس ہو رہی تھی۔

"یا اللہ! میری مدد فرما مجھے ان شیطانوں سے بچا مالک۔"

سبعین نے دل میں دُعا مانگی بارش کے ساتھ کالی گھٹاؤں نے خاصا اندھیرا کر دیا تھا۔ اکا دُکا گزرنے والی گاڑیاں بھی ہیڈ لائٹس جلا کر گزر رہی تھیں لگتا ہے حسینہ عالم گونگی ہے۔ پہلے لڑکے نے سبعین کو ہوس زدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا تو دوسرا لڑکا شیطانی ہنسی ہنستے ہوئے خباثت سے بولا۔

"گونگی ہے تو ہمارے حق میں بہتر ہے نہ آواز نکالے گی، نہ شور مچائے گی۔ کیا خیال ہے لے چلیں اسے آج موسم کا مزا دوبالا ہو جائے گا۔"

"چلو تم اسے گاڑی میں لے کر آؤ میں بائیک پر پہنچتا ہوں۔" دوسرے لڑکے نے مسکراتے ہوئے کہا اور دوسری جانب آکر سبعین کا راستہ روک لیا۔ دونوں اس کے دائیں کھڑے تھے سبعین کے وجود سے تو جان ہی نکل گئی۔

"بچاؤ......بچاؤ......اللہ میاں!" ایک دم سے سبعین نے شور مچایا اور بجلی کی سی تیزی سے سرپٹ سامنے کی جانب دوڑ لگا دی۔ وہ دونوں لڑکے پہلے تو اس کے اچانک بولنے پر حیران ہوئے پھر اس کے بھاگنے پر بوکھلا گئے۔

"او بھاگ پکڑ اسے ایسی تتلی پھر نہیں ملے گی۔" پہلے لڑکے نے دوسرے سے کہا اور دونوں اس کی جانب دوڑ پڑے۔ تیز بارش میں وہ تیز تیز قدموں سے اندھا دھند بھاگی چلی جا رہی تھی۔ وہ خوف اور بارش سے پوری طرح بھیگ چکی تھی۔ اسے اپنی حالت سے زیادہ اپنی عزت کی فکر تھی۔ جس کے تحفظ کے لئے وہ پوری قوت سے بھاگ رہی تھی۔

وشال اس خوبصورت موسم میں سبعین اپنی محبت کو دیکھنے کی چاہ میں "کریم ولا" کی

جانب جا رہا تھا۔ سامنے سے آتی سبعین کو اس نے گاڑی کی لائٹس کی روشنی میں پہچان لیا تھا۔ اس کے پیچھے آتے لڑکوں پر بھی اس کی نگاہ پڑ گئی تھی۔

''سبعین...... یہ سبعین ہی ہے یا۔ او مائی گاڈ۔'' وہ ابھی یقین اور بے یقینی کی کیفیت میں ہی تھا کہ وہ جو اندھا دھند بھاگی چلی آ رہی اس کی گاڑی کے عین سامنے آ گئی۔ وشال نے بڑی پھرتی سے گاڑی کو بریک لگائی گاڑی اپنی مخصوص آواز کے ساتھ رک گئی مگر اس کے کانوں نے سبعین کی چیخ بھی سنی تھی جو منہ کے بل اس کی گاڑی کے بونٹ پر آ گری تھی۔

''یا اللہ خیر......!'' وشال بڑی تیزی سے گاڑی سے باہر نکلا اسے دیکھتے ہی وہ دونوں آوارہ لڑکے الٹے قدموں واپس دوڑ گئے۔ وشال کو سبعین کا اس حالت میں، موسم میں سڑک پر بھاگنا اور پیچھے دو لڑکوں کا آنا کسی حد تک معاملے کی حقیقت اور سنگینی کا احساس دلا گیا تھا۔ مگر وہ لڑکوں کی بجائے سبعین کی طرف متوجہ ہوا۔

''سبعین مس سبعین۔'' وشال نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا تو اس نے ہراساں ہو کر سر اٹھایا۔ وشال کو آنکھوں کے سامنے پایا تو ایک دم اسے تحفظ کا سا احساس ہونے لگا۔ وشال کا دل اس کی حالت پر بے چین ہو گیا۔

''و......وشال!'' وہ بمشکل اس کا نام لیتے ہوئے سیدھی ہوئی مگر اس کی آنکھوں کے سامنے ایک دم اندھیرا چھا گیا، خوف اور بے بسی نے اسے نڈھال کر دیا تھا وہ چکرا گئی۔ وہ سامنے جا گرتی اگر وشال لپک کر اسے اپنے بازوؤں میں نہ تھام لیتا۔

''سبعین!'' وشال نے اسے بے قراری سے پکارا۔

سبعین نے بھی سنبھلنے کے لئے بے اختیار وشال کے کندھوں پر اس کی شرٹ کو اپنی مٹھیوں میں مقید کر لیا تھا۔ اس نے ایسا جان بوجھ کر نہیں کیا تھا اس نے تو خود کو غیر مردوں کے لمس سے بچا بچا کر رکھا تھا اب تک وہ بہت مضبوط نفس کی مالک تھی، لیکن ان لمحات میں اس کا سر اس بری طرح چکرایا کہ آنکھوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا تھا۔ ایسے میں سہارا لینا ضروری ہو گیا تھا لیکن وشال کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے دونوں بازوؤں میں قارون کا خزانہ سمٹ آیا ہو۔ وہ کچھ ہوش میں تھی لیکن بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی۔ وہ ہوش میں تھا لیکن مدہوشی کی طرف مائل تھا اور کچھ کشمکش میں تھا۔ بادل کی گھن گرج نے اسے صورتحال کا احساس دلایا تو وہ فوراً سنبھل گیا اپنی حالت پر قابو پاتے ہوئے اس نے سبعین کو گاڑی میں بٹھایا اور خود بھی ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا۔

''سبعین...... سبعین آنکھیں کھولو۔'' وشال نے پریشانی سے اسے پکارتے ہوئے اس کا شانہ ہلایا تو اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں پہلے اسے دیکھا پھر سامنے دیکھتے ہوئے ہراساں لہجے میں بولی۔

''وہ لڑکے۔''

''وہ بھاگ گئے ہیں۔ سبعین کون تھے وہ کیا ہوا تھا؟'' وشال نے نرمی سے پوچھا تو اسے ساری صورتحال یاد آ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

''سبعین پلیز......! سنبھالیں خود کو میں ہوں ناں آپ کے ساتھ کچھ نہیں ہوگا بتائیے کیا ہوا تھا؟'' وشال نے اسے بے قراری سے دیکھتے ہوئے اپنائیت بھرے لہجے میں پوچھا تو اس نے روتے روتے اسے ساری بات بتا دی۔ ''لاحول ولا قوۃ، کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ اسلامی معاشرہ ہے۔ اسے تو کوئی مہذب معاشرہ بھی نہیں کہے گا۔ جس معاشرے میں عورت کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہو، عورت کی جان اور آن محفوظ نہ ہو اس کی اخلاقی پستی کا اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں ہے۔'' وشال نے غصے سے سُرخ ہوتے ہوئے کہا اس کی محبت کی طرف کسی نے میلی نگاہ سے دیکھا تھا یہ جان کر اس کا خون کھول اٹھا تھا اور سبعین اور زیادہ شدت سے رونے لگی تھی۔

''سبعین پلیز نہیں روئیں آپ تو بہت بہادر ہیں جبھی تو اُن کے چنگل میں پھنسنے سے خود کو بچا لائی ہیں بس اب روئیں نہیں۔'' وشال نے نرمی سے کہا مگر وہ روئے گئی تو وشال کی سمجھ میں نہ آیا کہ اسے کیسے چپ کرائے اس نے بایاں ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا اور سبعین کو یوں لگا جیسے تحفظ کی چادر اس کے سر پر آ ٹھہری ہو۔ دھیرے دھیرے اس نے خود کو سنبھال لیا آنسو تھم گئے مگر ہچکیاں نہیں تھمی تھیں۔

''آپ کو اتنی دیر یونیورسٹی میں نہیں رکنا چاہئے تھا موسم خراب تھا تو پیپر سے فارغ ہو کر گھر چلی جاتی۔ ٹیچرز سے کل مل لیتیں۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے آپ کی عزت محفوظ رکھی۔ حوصلہ رکھیں میں آپ کے ساتھ ہوں، میں آپ کو گھر چھوڑ آؤں گا۔''

''میری گاڑی۔''

''وہ ڈرائیور لے جائے گا میں آپ کے گھر فون کر دیتا ہوں۔'' وشال نے سنجیدہ مگر نرم لہجے میں کہا اور اپنے موبائل سے ''کریم ولا'' فون کرنے کے بعد گاڑی اسٹارٹ کر کے ''کریم ولا'' کی جانب بڑھ گیا۔

سبعین نے وشال کی طرف بھیگتی آنکھوں سے دیکھا یہ وہی وشال احمد تھا جس کے کردار

پر وہ شک کرتی تھی۔ جسے فلرٹ کہتی تھی، جسے کمزور کردار کا اور لڑکیوں کا رسیا سمجھا کرتی تھی۔ آج اسی وشال احمد نے اس کی اس کڑے وقت میں نہ صرف مدد کی تھی بلکہ اسے تحفظ اور اپنائیت کا احساس بھی بخشا تھا۔ ورنہ اگر وہ بُرے کردار کا مالک ہوتا تو اس کی بے بسی سے اس صورتحال سے، موسم کی اس شرارت سے فائدہ بھی اٹھا سکتا تھا۔ مگر اس نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔ سبعین کے دل میں وشال کی محبت تو پہلے سے جڑ پکڑ چکی تھی۔ اسماء پھپھو کے بیٹے ہونے کے انکشاف کے بعد تو اسے بھی یہ ادراک ہوگیا تھا کہ وہ شال احمد سے محبت کرتی ہے اور اس کا دوسری لڑکیوں سے بے تکلف ہونا، بات کرنا، اسے اپنی محبت کی وجہ سے بُرا لگتا تھا۔ اسے وشال کے لئے اپنے اس جذبے کی وجہ سے بھی غصہ آتا تھا کہ اگر وہ سچ مچ فلرٹ ہے تو اس کے دل میں ایسے فلرٹ شخص کے لئے نرم گوشہ کیونکر پیدا ہوا ہے۔ شامین کے سارے تجزیے درست تھے اور سبعین دل سے وشال کی محبت کا خود اقرار کر چکی تھی اور ان لمحات میں جب وہ اس کے لئے تحفظ کا سامان بن کر آیا تھا وہ اسے اور بھی پیارا لگ رہا تھا۔ اس لمحے سبعین کو اپنی محبت پر مسرت کا احساس ہو رہا تھا۔

وشال نے گاڑی ''کریم ولا'' میں طویل روش پر لا کر روکی تو سبعین نے گہرا طویل سانس لبوں سے خارج کیا۔ باہر بارش زوروں پر تھی۔ رات زینہ بہ زینہ زمین پر اُتر رہی تھی۔ سبعین کی آنکھوں سے ایک بار پھر برکھا برسنے لگی۔ اس وقت یہ آنسو وشال کے ساتھ اپنے منفی رویئے اور اس کے مثبت طرزِ عمل پر پُر خلوص محبت کے احساس سے چھلکے تھے۔

''سبعین، ریلیکس کزن ایوری تھنگ از آل رائٹ ناؤ۔'' وشال نے اسے اشکبار دیکھ کر نرمی سے کہا تو وہ ہاتھوں کی پشت سے آنسو صاف کرنے لگی۔

''میں ادھر ہی آ رہا تھا تم سے ملنے کے لئے مجھے کیا خبر تھی کہ قدرت ہمیں اس صورتحال میں ملا دے گی۔ پلیز روؤ نہیں تمہارے آنسو میرے دل پر گر رہے ہیں اور اس دل پر میں تمہارے آنسو نہیں تمہارے پیار کی برسات ہوتے دیکھنا چاہتا ہوں۔ چلو سب لوگ انتظار کر رہے ہوں گے۔'' وشال نے اسے محبت سے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اس کی طرف دیکھتے ہوئی بولی۔

''وشال!''

''سبعین...... کیا ہوا؟'' اس نے کچھ حیرت سے، کچھ محبت سے پوچھا۔

''تھینک یو...... تھینک یو ویری مچ!'' سبعین نے اس کے چہرے کو محبت سے دیکھتے ہوئے تشکر سے بھیگتے لہجے میں کہا۔

''او کم آن کزن، یو آر مائی لو سو یو آر آل ویز ویلکم مائی ڈیئر۔'' وشال نے مسکراتے ہوئے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو اس نے حیا سے رُخ پھیر لیا۔ سامنے سے بڑا منقش دروازہ کھل گیا تھا۔ فہیم اور نعیم باہر نکلے تو وہ گاڑی سے اُتر کر بھاگتی ہوئی نعیم کے سینے سے جا لگی اور ''پاپا، پاپا'' کہتے ہوئے رونے لگی۔

''بالکل بچی ہے چھوٹی سی گڑیا!'' وشال اس کی اس حرکت پر مسکراتے ہوئے خود سے ہم کلام ہوا اور گاڑی سے اُتر آیا۔ ڈرائنگ روم میں سب گھر والے جمع ہوگئے۔ سبعین کے ساتھ جو واقعہ رونما ہوا تھا وہ وشال نے مناسب لفظوں میں کچھ ضروری سنسر کے ساتھ سب کے گوش گزار کر دیا۔ نعیم اور عظیم نے لڑکیوں کا گھر سے باہر اکیلے نہ نکلنے کا حکم فوراً صادر کر دیا۔

''ہائے اللہ سبعین میں تو مر ہی جاتی اگر میرے ساتھ ایسا ہوتا تو تم بہت ہمت والی ہو۔ اللہ کا شکر ہے وشال بھائی عین موقع پر پہنچ گئے اور پہنچتے کیسے نہ ہیرو تو ہمیشہ ایسے ہی موقع پر اپنی ہیروئن کو بچانے کے لئے آتا ہے۔ ویسے اب تو وشال بھائی وہ بادشاہ بن گئے ہیں ناں جس کے لئے محبت ہے تمہارے پاس۔'' شامین نے اس کے کمرے میں آ کر اسے بستر پر دراز دیکھتے ہوئے شوخ لہجے میں کہا تو اس نے یہ کہتے ہوئے سر تک چادر تان لی۔

''شامی پلیز تنگ مت کرو سونے دو مجھے۔''

''یہ تم مجھ سے نہیں بلکہ وشال بھائی سے کہنا جو رات بھر خوابوں خیالوں میں آ آ کر تمہیں تنگ کریں گے، سونے ہی نہیں دیں گے۔''

''شامین بہت فضول ہو تم اب جاؤ یہاں سے۔'' سبعین اس کی اس شوخ بات پر ہنستے ہوئے بولی۔

''اچھا بابا! جا رہی ہوں تم آرام سے وشال احمد کے سپنے دیکھو گڈ نائٹ۔'' شامین جاتے جاتے بھی پھلجھڑی چھوڑ گئی۔ سبعین دیر تلک مسکراتی رہی۔ آنکھیں سچ مچ وشال کے سپنے بنتی رہیں۔ صبح وہ بہت دیر سے بیدار ہوئی تھی اسے ہلکا پھلکا بخار بھی تھا۔ سبھی اس کی تیمارداری میں لگ گئے۔ سبعین کی امی نے اس کا صدقہ بھی اتارا۔ شامین نے شام کو اس کے ہاتھوں میں ایک بڑا سا گلابوں کا بکے دے دیا۔ اس نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو وہ بولی۔

''وشال بھائی لائے ہیں تمہارے لئے خود تمہاری عیادت کے لئے اس لئے حاضر نہیں ہوئے کیونکہ انہیں خدشہ ہے کہ انہیں دیکھ کر تمہاری طبیعت زیادہ خراب نہ ہو جائے جبکہ بے چارے تمہیں جلد از جلد تندرست دیکھنا چاہتے ہیں۔''

"اچھا طریقہ ہے شرمسار کرنے کا۔" سبعین نے نادم ہو کر کہا اور تکیے اپنے سرہانے رکھ کر لیٹ گئی اور آنکھیں موند لیں۔ شاہین چند سیکنڈ تو اسے دیکھتی رہی پھر اس کی یہ بات وشال تک پہنچانے چلی گئی۔

سبعین کا بخار اگلے دن ہی اتر گیا تھا۔ ہفتہ بھر خوب آرام کرنے کے بعد آج وہ فہیم کے ساتھ یونیورسٹی جا رہی تھی۔ اسے لائبریری کی بکس واپس کرنا تھیں۔ فہیم اسے یونیورسٹی ڈراپ کر کے آدھا گھنٹہ بعد آنے کا کہہ کر چلا گیا۔ وہ لائبریرین کے انتظار میں لان میں بیٹھی تھی نظریں دُور کھڑے وشال احمد پر مرکوز تھیں جسے شاہین نے سبعین کے یونیورسٹی آنے کا بتایا تھا اور وہ اس سے ملنے کے لئے فوراً چلا آیا۔ وشال اپنے کلاس فیلو سے باتیں کر رہا تھا اس کے جاتے ہی اس نے نگاہ کا زاویہ بدلا تھا سبعین کو اپنی جانب دیکھتے پایا۔ سبعین نے ٹپٹا کر نظریں چرا لیں وہ اس کی اس ادا پر خوشدلی سے مسکراتے ہوئے اس کے پاس چلا آیا اور اس کے سامنے گھاس پر بیٹھ گیا۔

"کیسی طبیعت ہے اب آپ کی؟"

"ٹھیک ہے۔" سبعین نے آہستگی سے جواب دیا۔

"آپ نے مجھے پریشان ہی کر دیا تھا۔"

"کیوں؟" سبعین نے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"آپ نہیں جانتیں کیوں؟" الٹا اسی سے سوال کیا تو وہ نروس ہو کر نگاہ چرا گئی اور پھر ایک دم سے کھڑی ہو گئی۔

"ارے کہاں چلیں آپ؟" وہ بھی کھڑا ہو گیا نگاہیں اس کے دلکش سراپے پر الجھی ہوئی تھیں۔ سبعین بہت مناسب قد کاٹھ کی مالک تھی۔ صحت مند بھرا بھرا وجود۔ چہرے کے جاذب نظر خدوخال، شہابی رنگت سیاہ سحر انگیز آنکھیں چمکتے سیاہ بالوں کا شانوں تک لہراتا خوبصورت اسٹائل، یاقوتی لب جو مسکرائیں تو ہر سو پھول کھل جائیں، ہنسیں تو کلیاں چٹکنے لگیں۔ سبعین کے چہرے پر بہت کشش تھی ایسی کشش جو دیکھنے والے کو اپنی جانب بے اختیار کھینچ لیتی تھی مگر اس کی مضبوطی کردار ہی تھی کہ سٹوڈنٹس اس سے بے تکلف نہیں ہوتے تھے بلکہ اس کا احترام کرتے تھے اور وہ احترام کرانا جانتی بھی تھی۔

"مجھے لائبریری کی بکس واپس کرنی ہیں۔" اس نے آہستگی سے بتایا۔

"اور مجھے لائبریری سے ایک بک ایشو کرانی ہے اکٹھے چلیں۔" سبعین نے اثبات میں سر ہلایا۔

"وشال! مجھے آپ سے کچھ کہنا ہے۔" وہ نروس سے۔ لہجے میں بولی۔

"کیا؟" وشال نے بہت محبت اور دلچسپی سے اس کے چہرے، کو دیکھا اس کی گھنی گھنی سیاہ پلکیں سحر انگیز آنکھوں پر یوں جھکی ہوئی تھیں جیسے کسی چشمے پر بید مجنوں کی شاخیں کانپ رہی ہوں۔

"آئی ایم سوری۔" سبعین نے ندامت آمیز لہجے میں کہا وہ جانتا تھا کہ یہ معافی کس سلسلے میں مانگی جا رہی ہے پھر بھی انجان بن کر پوچھا۔

"سوری فار واٹ؟"

"آئی ایم سوری فار ایوری تھنگ۔"

"اٹس آل رائٹ ہو جاتا ہے ایسا بھول جایئے گزری باتیں یہ بتایئے اب تو آپ مجھ سے دوستی کریں گی ناں۔" اس نے محبت سے کہا۔

"میں لڑکوں سے دوستی نہیں کرتی۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ سے دوستی کرنے کے لئے مجھے لڑکی بننا پڑے گا۔" وشال نے برجستہ کہا تو وہ بے ساختہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"اُف!" وشال نے پہلی بار اُسے ہنستے ہوئے دیکھا تھا اور وہ بھی اتنے قریب سے اس کے تو دل و روح میں شادیانے بجنے لگے اُسے یوں لگا جیسے قوسِ قزح نے کہیں پاس ہی اپنی پازیب چھنکائی ہو۔

"دوستی سے پہلے کوئی اور ناطہ استوار ہونا اب بہت ضروری ہو گیا ہے۔" وہ معنی خیز جملہ بول گیا۔

"میں سمجھی نہیں۔"

"سمجھ جائیں گی، کل شام کی فلائٹ سے ماما اور پاپا آ رہے ہیں۔"

"سچ!" وہ خوش ہو کر بولی اور لائبریری میں داخل ہو گئی وشال نے بھی اس کی پیروی کی۔

"مجھے پھپھو اور پھوپھا سے ملنے کا بہت شوق ہے۔"

"انہیں بھی آپ سے ملنے کا آپ کو دیکھنے کا بے حد اشتیاق ہے۔" وشال نے کہا۔

"اشتیاق۔"

"شوق، خواہش، آرزو، تمنا۔" اس نے ہنستے ہوئے مفہوم بیان کیا۔

"ایکسکیوزمی!" سبعین نے لائبریرین کو اپنی سیٹ پر جاتے دیکھ کر اس سے کہا اور کتابیں لے کر اس کی جانب بڑھ گئی۔ وشال بھی مسکراتا ہوا اس کے پیچھے ہی آ گیا اور اپنی مطلوبہ کتاب کا نام

بتا کر کتاب ڈھونڈنے مطلوبہ بک شیلف کی طرف بڑھ گیا۔ سبعین کتاب واپس کر کے چپکے سے اس سے نظر بچا کر لائبریری سے باہر نکل گئی۔ اُس میں وشال کی باتوں اور آنکھوں کو محبت سے پڑھ کر اس کے سامنے رکنا دشوار ہو جاتا اور نعیم کے آنے کا بھی وقت ہو گیا تھا۔ وشال کتاب لے کر آیا تو سبعین کو کہیں نہ پایا پہلے تو وہ الجھ گیا پھر کچھ سوچ کر مسکرا دیا۔

☆☆☆

"کریم ولا" میں جشن کا سماں تھا۔ اسماء، سراج احمد اور وشال احمد کی آمد نے ہر طرف خوشی کے پھول کھلا دیئے تھے۔ اسماء اپنے بھائیوں اور بھابیوں سے مل کر دیر تک روتی رہیں۔ عظیم اور نعیم بھی آبدیدہ اور شرمندہ تھے۔ اپنے رویئے کی ان دونوں سے بار بار معافی مانگ رہے تھے۔ ندیم بھائی، فرحین، شامین، فہیم اور سبعین بھی مسرت سے بھیگتی آنکھوں سے منظر دیکھ رہے تھے۔ وشال کی نگاہیں سبعین کے سُندر سراپے پر مرکوز تھیں۔ سیاہ جارجٹ کے شلوار قمیض دوپٹے میں جس پر سفید نگوں اور ستاروں کا دیدہ زیب ہلکا سا کام کیا ہوا تھا وہ پہلے سے زیادہ روشن روشن اور نکھری دکھائی دے رہی تھی۔ بالوں کو اس نے برش کر کے کھلا رہنے دیا تھا۔ ہونٹوں پر ہلکی سی لپ اسٹک اور آنکھوں میں کاجل کی لکیر تھی۔ کولڈ کی خوشبو سے مہکتی وہ وشال کے دل میں ہلچل مچا رہی تھی۔ وہ اسے پانے کے لئے اور بھی بے تاب ہو رہا تھا۔

"اسماء ہمیں معاف کر دو بہن ہم نے ذرا سی بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا کر تمہیں خود سے اتنی دور کر دیا۔ یقین جانو بہن ہم اپنے رویئے پر بہت نادم تھے۔ پچھتاوے کی آگ میں جلتے رہے ہیں ہم۔ ہم نے جیتے جی تمہیں ان رشتوں سے محروم کر دیا۔ بیس برس کی جدائی تم نے بھی سہی ہے اور ہم نے بھی۔ ہم گزرا وقت تو واپس نہیں لاسکتے پھر بھی اسماء میری بہن اگر ہو سکے تو ہماری زیادتیاں معاف کر دو ہمارے پاس تو تلافی اور ازالے کی بھی کوئی صورت نہیں ہے۔" عظیم نے انہیں پرنم آنکھوں سے دیکھتے ہوئے بھیگتے لہجے میں کہا۔

"ایک صورت ہو سکتی ہے بھائی۔" اسماء سراج نے اپنے آنسو صاف کر کے کہا۔

"وہ کیا جلدی بتاؤ تم جو کہو گی ہم کریں گے شاید اس طرح ہمارے احساس ضیاع اور احساس ندامت میں کچھ کمی ہو سکے۔" نعیم نے جلدی سے کہا۔

"نعیم بھائی، آپ اگر میرے دکھوں کا ازالہ کرنا چاہتے ہیں، مجھے اس خاندان سے ہمیشہ جڑا دیکھنا چاہتے ہیں، تو اپنی سبعین کو میری بیٹی بنا دیں۔" اسماء نے نرمی سے کہا تو سبعین نے سٹپٹا کر وشال کی طرف دیکھا وہ اسی کو دیکھ رہا تھا اس کے دیکھنے پر بڑے دل آویز انداز میں مسکرا دیا۔

"سبعین تمہاری ہی بیٹی ہے اسماء۔" نعیم نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"ایسے نہیں بھائی صاحب! آپ کو سبعین بیٹی ہمارے وشال کی دلہن بنانا ہوگی۔" سراج احمد نے مسکراتے ہوئے کہا تو جہاں سب کے چہروں پر حیرت اور مسرت اُبھر آئی تھی وہاں سبعین کا چہرہ ایک دم سپاٹ ہو گیا تھا اس نے وشال کی طرف دیکھا وہ اسی طرح مسکرا رہا تھا سبعین تیزی سے اپنی جگہ سے اُٹھی اور ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔ سب نے اس کا یوں جانا شرم وحیا سمجھا مگر وشال کو اس کے چہرے کے تاثرات نے بے کل کر دیا تھا۔ اُسے یوں لگا جیسے وہ اس کے پرپوزل سے خوش نہیں ہوئی۔ نعیم بھائی، آپ نے اپنے بچوں کے آپس میں رشتے طے کر کے اپنے خاندان کو مستقبل میں یکجا کر دیا ہے اور بہت اچھا کیا ہے، میں بھی اسی خاندان کی بیٹی ہوں اس لئے آپ کی بیٹی پر پہلا حق میرا ہے سبعین تو مجھے اپنی جان سے زیادہ پیاری ہے۔ میں اسے بہو نہیں بیٹی بنا کر رکھوں گی۔ جمال بیٹے کی شادی تو سراج کی بھانجی سے کر دی تھی ہم نے وہ ماشاء اللہ کینیڈا میں بہت خوش ہیں اور میرے وشی سے تو آپ پہلے بھی مل چکے ہیں۔ ماشاء اللہ اس نے بزنس ایڈمنسٹریشن میں ماسٹر کیا ہے اور اب ایم۔ سی۔ ایس کا امتحان دیا ہے سراج کے ساتھ وشی بھی ان کا بزنس چلا رہا ہے اور انشاء اللہ کچھ دنوں تک وشال یہاں اپنی فیکٹری کا کام شروع کر دے گا۔ "وشال ولا" یہاں اس کے نام ہے انشاء اللہ سبعین کو کوئی کمی نہیں ہوگی۔ میرا وشی بہت محبت سے رکھے گا سبعین کو...... کیوں وشی بیٹا میں صحیح کہہ رہی ہوں ناں۔" اسماء سراج نے ساری بات کرنے کے بعد آخر میں شوخی سے وشال کی تصدیق چاہی۔

"او ماما آپ بھی غلط کہہ سکتی ہیں۔" وہ جھینپ گیا اور ہنستے ہوئے بولا تو سب کو ہنسی آگئی اور وہ شرما کر وہاں سے باہر نکل گیا۔

"لو لڑکے بھی شرمانے لگے۔" ندیم بھائی نے کہا سب ایک بار پھر ہنس دیئے۔

"ہمیں اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے اسماء تم جب چاہو سبعین کو وشال بیٹے کی دلہن بنا کر لے جا سکتی ہو۔" نعیم نے خوش ہو کر کہا۔

"سچ بھائی!"

"بالکل سچ...... ہمیں خوشی ہوگی کہ ہمارا خاندان مکمل طور پر یکجا ہو جائے گا۔" نعیم نے دل سے کہا۔

"فرزانہ بھابی، آپ کی کیا مرضی ہے؟"

"وہی جوان کی مرضی ہے۔" فرزانہ بیگم نے اپنے شوہر نعیم کی طرف دیکھتے ہوئے

مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”بھئی یہ مجھ سے اختلاف کی جرأت کر ہی نہیں سکتیں۔“ نعیم نے شوخ لہجے میں کہا تو سراج احمد مسکراتے ہوئے بولے۔

”گویا اپنی دہشت بٹھا رکھی ہے آپ نے بھابی پر۔“

”دہشت نہیں...... محبت۔“ نعیم نے بڑے رازدارانہ انداز میں کہا تو سب بے اختیار ہنس پڑے۔

☆☆☆

”ہیلو!“

وشال سبعین کو ڈھونڈتا ہوا لان میں چلا آیا وہ نیچے گھاس پر پنجوں کے بل بیٹھی کیاری کی مٹی سے کھیل رہی تھی۔

”آپ یہاں کیوں چلے آئے؟“ وہ قریب پڑے پانی کے پائپ سے اپنے مٹی میں لتھڑے ہاتھ دھوتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

”تمہیں یہ بتانے کے لئے کہ میں بادشاہ تو نہیں مگر تم میرے دل کی ملکہ ہو اور میں تمہیں اپنے گھر کی ملکہ بھی بنانا چاہتا ہوں۔“

”اچھا!“ سبعین ہاتھ دھو کر کھڑی ہوگئی۔

”اچھا نہیں بہت اچھا لگے گا مجھے میرا آنگن تمہارے آنے کے بعد۔“

”آپ نے بادشاہ کا ذکر کیوں کیا؟“ اسے شاہمین پر شک ہوا۔

”سنا تھا کہ آپ کی محبت صرف بادشاہ کے لئے ہے...... تاج و تخت تو نہیں ہے میرے پاس البتہ محبت کی سلطنت کا بادشاہ ضرور ہوں میں، اور اپنی یہ بادشاہی میں آپ پر دل و جان سے لٹانے کے لئے تیار ہوں۔“ وشال نے اس کے چہرے کو محبت بھری اور وارفتہ نظروں سے دیکھتے ہوئے پُرخلوص لہجے میں کہا تو اس کی خوشی اور سرشاری اس کی روح تک میں سرایت کر گئی، اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کے خوابوں کی تعبیر اس کی محبت اتنی آسانی سے اور اتنی جلدی مل سکتی ہے اس نے دل میں رب کا شکر ادا کیا اور بظاہر اسے ستانے کے لئے سنجیدہ اور سپاٹ چہرہ لئے کھڑی رہی۔

”آپ نے غلط دروازے پر دستک دی ہے یہاں آپ کے لئے کچھ نہیں مسٹر وشال احمد آپ تشریف لے جاسکتے ہیں۔“ سبعین نے نہایت سپاٹ لہجے میں کہا تو وشال پر جیسے ایٹم بم گر پڑا۔ اس کا کھلا کھلا چہرہ ایک دم مرجھا گیا۔ آنکھوں کی جوت ماند پڑ گئی، دل ڈوبنے لگا، اسے اپنی

سماعتوں پر یقین نہیں آرہا تھا اس کا دل نہیں مان رہا تھا کہ سبعین اسے رد کرسکتی ہے۔ انکار کرسکتی ہے۔ گزشتہ دنوں کی خوشگوار ملاقاتوں سے تو وہ سمجھا تھا کہ سبعین کی اس کے متعلق ساری بدگمانیاں ختم ہوگئی ہیں مگر اس کے اس جواب نے اسے احساس دلایا کہ ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔

”تو میں جاؤں سبعین!“ وشال نے مرے مرے لہجے میں پوچھا۔

”جائیں...... اب کیا بینڈ باجے بجا کر جائیں گے۔“ وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

”ارادہ اور آرزو تو یہی تھی۔“ وشال نے دکھ سے جواب دیا۔

”گویا اتنی جلدی ناامید ہوگئے۔ چہ چہ چہ۔“ سبعین نے مذاق اُڑایا۔

”اُمید کس لئے رکھوں جب آپ کے پاس میرے لئے کچھ ہے ہی نہیں۔“

”خیر اب ایسا بھی نہیں ہے ہم اتنے سنگدل نہیں ہیں کہ اپنے در پر آئے خوبرو اور نیک خوسوالی کو خالی ہاتھ لوٹا دیں۔“ سبعین نے شاہانہ انداز میں کہا تو اس نے بے قراری و بے چینی سے پوچھا۔

”تو پھر کیا ہے آپ کے پاس میرے لئے۔“

”محبت ہے ہمارے پاس۔“ وہ اس کا امتحان ختم کرتے ہوئے مسکراتے ہوئے بولی۔

”محبت!“

”ہوں...... کیوں، نہیں چاہیے؟“ سبعین اس کی حیرت زدہ صورت کو محبت سے دیکھ رہی تھی۔

”محبت ہی تو چاہئے مجھے تمہاری محبت۔“ وہ سنبھلتے ہوئے بولا۔

”تو خوش ہو جاؤ سوالی کہ یہ جو محبت ہے ہمارے پاس یہ تمہاری ہی ہے، تمہارے لئے ہی ہے صرف تمہارے لئے۔“ وہ مسکراتے، شرماتے ہوئے اقرار محبت کرتی ہوئی وشال کو کائنات بھر کی خوشیوں سے سرفراز اور نہال کر گئی۔

”سچ!“ وہ مسرور ہو کر بے خود ہو کر اس کے قریب آیا۔

”مچ!“ سبعین نے تیزی سے نیچے جھک کر پانی کا پائپ اٹھایا اور وشال کو بھگو دیا۔

”او سبعین رکو کزن۔“ وہ ہنستے ہوئے ہاتھوں پر پانی کی دھار روکنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا وہ ہنسے جا رہی تھی وہ سر سے پاؤں تک بھیگ چکا تھا۔ بالآخر وہ اس کے ہاتھ سے پائپ چھیننے میں کامیاب ہوگیا اور پائپ اس کے ہاتھ سے چھینتے ہی کیاری میں پھینک دیا اور اس کا ہاتھ تھام لیا۔ سبعین کے وجود میں کرنٹ دوڑ گیا۔ چہرہ شرم سے گلنار ہوگیا، لب مسکرا رہے تھے۔

''میں اس بارش میں نہیں تا عمر تمہاری محبت کی بارش میں بھیگنا چاہتا ہوں۔'' وشال نے اس کے سندر چہرے کو دیکھتے ہوئے محبت پاش لہجے میں کہا تو اس نے شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے نظریں جھکالیں اور وشال اس کی اس ادا پر نثار ہی تو ہوگیا اس نے اپنی شرٹ کی جیب میں سے ہیرے کی نازک انگوٹھی نکالی اور بہت محبت سے سبعین کے ہاتھ کی انگلی میں پہنا دی۔

''آئی ریلی لو یو سبعین!'' وشال نے اس کو اپنی جانب دیکھنے پر کہا تو وہ خوشی اور حیا سے کھل اُٹھی۔ اس کی مسکراہٹ میں تو وشال کی جان آ گئی تھی۔ عین اسی وقت کیمرے کی لائٹ ان دونوں پر پڑی تو وہ دونوں گھبرا گئے۔

''واہ زبردست سین تھا۔ پیار کے اظہار سے مزین ایک یادگار تصویر کیمرے کی آنکھ نے محفوظ کرلی ہے۔'' شامین کیمرہ لئے کھڑی تھی اور شرارت سے مسکراتے ہوئے انہیں ایک دم سے ہاتھ چھوڑ کر بوکھلاتے، شرماتے دیکھ کر بولی سبعین کی حالت قابل دید تھی۔

''کزن، یہ تصویر مجھے دینا مت بھولنا۔'' وشال نے اپنی جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔

''فکر نہ کریں وشی بھائی، یہ تصویر تو میں آپ کو گفٹ کر دوں گی۔ ویسے بڑوں نے مجھے سبعین کی اس رشتے کے لئے مرضی معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا مگر یہاں یہ سین دیکھ کر تو مجھے یقین ہوگیا ہے کہ سبعین کے بادشاہ وشال احمد ہی ہیں کیوں سبعین تمہاری طرف سے قبول ہے۔'' کا سگنل دے دوں انکل، آنٹی اور پھپھو جانی کو۔'' شامین نے شرارت سے اسے دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ابھی بتاتی ہوں یو چیٹر۔'' سبعین شرم اور خفت سے اُسے گھورتے ہوئے اسے مارنے کو دوڑی تو وہ اندر بھاگ گئی۔ وشال سبعین کی حالت اور کیفیت سے محفوظ ہو کر خوشی دلی سے ہنس پڑا۔ اس کا دل ربّ کے حضور تشکر سے سجدہ ریز ہوگیا کہ جس نے اس کی محبت، اس کی منزل اتنی آسانی سے عطا کر دی تھی۔ اب خوشیاں اس کے چار سو رقصاں تھیں۔''

